آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے
لو تمھیں طور تسلّی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

بابت ماہ جنوری سنہ ۱۹۱۴ء مطابق صفر سنہ ۱۳۳۲ھ

چندہ سالانہ

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ جنوری سنہ ۱۹۱۴ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۞ نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

یا قومنا اجیبوا داعی اللہ

تصدیق المسیح

بجواب "حقیقۃ المسیح"

جس طرف نظر اٹھا کر دیکھو اور جس پہلو پر غور کرو۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت ہی صداقت نظر آتی ہے جب حضرت مسیح موعودؑ نے خدائے تعالیٰ سے الہام پاکر اپنے خدا کی طرف سے مامور ہونے اور حسب بشارات اپنی آمد کا اعلان کیا تو خدائے تعالیٰ کی قدیمہ سنّت کے مطابق پنجاب کے اکثر مولویوں نے مخالفت کا جھنڈا کھڑا کیا اور ایک بڑا فتنہ برپا کر دیا جس طرح مکّہ کے صنادید نے اس کوشش میں کہ جس طرح ہوسکے اسلام کا پودہ عرب کی سرزمین میں یا کسی اور جگہ جڑھ پکڑنے نہ پائے مخالفت کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا اسی طرح پنجاب کے مخالف مولویوں نے ناخنوں تک زور لگایا کہ قادیان کے مدّعی مسیحیت و مہدویت کا سلسلہ اس ملک یا دیگر بلاد میں پھیلنے نہ پائے لیکن جس طرح مکّہ کے مخالفین اسلام کی ساری کوششیں بیکار ثابت ہوئیں اور باوجود انکی سخت جدوجہد کے اسلام ایک محکم بنیاد پر قائم ہوگیا۔ اسی طرح دشمنان سلسلہ احمدیہ کی ساری کوششیں برباد ہوگئیں اور سلسلہ عالیہ احمدیہ کی بنیاد ایک محکم چٹان پر خدائے تعالیٰ کے فضل اور رحم سے قائم ہوگئی۔ فسبحان الذی بیدہٖ ملکوت کلّ شیءٍ ۔ آخر جس طرح مکّہ کے دشمن

کوشش کرتے کرتے تھک گئے اور ناکامی کے طمانچے کھا کھا کر آخر مایوس ہو گئے اسی طرح پنجاب کے مخالف بھی آخر ہار گئے کئی ناکامی کے دکھ میں ہی مر گئے۔ اور کئی مایوس ہو کر خاموش ہو گئے اور جس فتنہ کی آگ کو ان لوگوں نے بھڑکایا تھا وہ آگ بجھ گئی اور احمدی جماعت کے لیئے عام طور پر ملک پنجاب میں چین اور راحت کے دن آگئے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔ وہ شور و غوغا جو ابتدا میں مخالفوں نے مچایا تھا وہ اب مٹ گیا ہے۔ اور جن لوگوں نے ابتداء میں مخالفت کا بیڑا اُٹھایا تھا وہ اب نابود ہو چکے ہیں اور اگر کبھی کبھی کوئی شخص اب مخالفت کی آواز اٹھاتا ہے تو یہ شاذ و نادر کی طرح ہے اور خدائے تعالیٰ کے فضل سے امید ہے کہ جس ہاتھ نے پہلے مخالفوں کا منہ بند کیا وہی ہاتھ اب ان لوگوں کے منہ بھی بند کر دیگا۔ اور اس رہی سہی مخالفت کا بھی نام و نشان نہ رہے گا۔ ابتدائی زمانہ سے اسوقت تک ایک عجیب تبدیلی واقع ہو چکی ہے۔ ایک زمانہ تھا جب ہمارے برخلاف کافر کافر کی آواز بلند کیجاتی تھی اور اب ایک یہ زمانہ ہے کہ ہماری نسبت یہ شکایت ہے کہ یہ لوگ۔ غیر احمدی مسلمانوں کو کافر کہتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پنجاب میں لوگوں کے خیالات میں ایک حیرت انگیز تبدیلی واقع ہو چکی ہے۔ اگر اسوقت انکی نظروں میں احمدی جماعت کی وہی حیثیت ہوتی جو ابتدائی زمانہ میں وہ ہماری حیثیت سمجھتے تھے تو اُن کو اس بات کی کیا پروا تھی کہ ہم اُنکو کافر سمجھتے ہیں یا مسلمان اگر ہم انکی نظر میں کافر تھے تو خواہ ہم انکی نسبت کیسا ہی بُرا خیال رکھتے اُنہیں ہمارے خیال کی کچھ پروا نہیں ہونی چاہیئے تھی۔ اور ہمارے فتوے کی انکی نظر میں کچھ حقیقت نہیں ہونی چاہیئے تھی۔ لیکن اب دیکھا جاتا ہے کہ وہ اس خیال پر بہت گھبراتے ہیں اور اُن کی خواہش ہے کہ انکی نسبت ایسا فتوٰی جماعت احمدیہ کی طرف سے نہیں ہونا چاہیئے۔ اگرچہ اُن کی یہ گھبراہٹ بے جا ہے اور اُنہیں کسی جماعت کے فتوے کی پروا نہیں کرنی چاہیئے بلکہ خدا کے فتوے سے ڈرنا چاہیئے تا ایسا نہ ہو کہ وہ خدا کے فرستادہ نبیوں کے موعود۔ مسیح معہود۔ مہدی مسعودؑ کا انکار کر کے خدا کے نزدیک مجرم ٹھہرائے جائیں اور آیت لا نفرق بین احد من رسلہ کا عملی رنگ میں انکار کر کے ایمان کی دولت سے محروم رہ جائیں۔ مگر پھر بھی اُن کی یہ گھبراہٹ ظاہر کرتی ہے کہ اب ہماری جماعت کا اُن کے دلوں پر ایک رُعب ہے اور اب اس جماعت کو اُس نظر سے نہیں دیکھا جاتا جس نظر سے اس سے پہلے دیکھا جاتا تھا یعنی اس جماعت کی نسبت اب خیالات میں ایک تغیر عظیم واقع ہو چکا ہے اور بجائے اسکے

کہ لوگ ہم سے نفرت کا اظہار کریں وہ ہمارے ساتھ ملاپ کی خواہش کرتے ہیں۔ چند سال میں اسقدر تغیر کچھ تھوڑی کامیابی نہیں۔ پس پنجاب کا میدان جماعت احمدیہ کے لیئے صاف ہوچکا ہے۔
لیکن جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پہلے مسلمانوں کو گھر کے دشمنوں کا مقابلہ کرنا پڑا اور جب گھر میں کوئی قوم اسلام کا مقابلہ کرنے والی نہ رہی تو پھر دُور دُور کی قوموں نے مسلمانوں کے برخلاف ہتھیار اُٹھائے اور خلفائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دُور دُور کے علاقوں میں فوجیں بھیجنی پڑیں۔ اسی طرح اس زمانہ میں بھی جب پنجاب کا میدان صاف ہوگیا اور پنجاب کے پُرانے دشمن مغلوب ہوگئے تو پھر دُور دُور کے علاقوں کے مخالفوں نے سر اُٹھایا۔ اور حضرت خلیفۃ المسیح کو یہ ضرورت پیش آئی کہ وہ دُور کے علاقوں میں وفد بھیجکر مخالفین کے حملوں کا جواب دیں۔ اور حق کا پیغام پہنچا کر خدا کے فضل و رحم کے ساتھ فتوحات کا دروازہ کھولیں۔ سو ان دُور دراز علاقوں میں سے ایک بنگال و بہار کا علاقہ ہے۔ اب اس علاقہ کے مولوی صاحبان کی باری آئی ہے کہ وہ خدائے تعالیٰ کی قدیم سُنت کے مطابق خدائے تعالیٰ کے مامور کا مقابلہ کریں۔ اُس علاقہ میں احمدیت کو بڑھتے ہوئے دیکھکر بعض مولوی صاحبان بہت گھبرائے ہیں اور پنجاب کے مولویصاحبان کی طرح وہ اب اس کوشش میں ہیں کہ جس طرح ہوسکے لوگوں کو خدا کے مامور مسیح موعود و مہدی معہود کی طرف آنے سے روکیں اور جو جو طریق صدّ عن سبیل اللہ کے لیئے بعض مولویان پنجاب نے اختیار کیئے تھے وہی اب ان علاقوں میں اختیار کیئے جارہے ہیں۔ تکفیر کے فتوے جاری ہورہے ہیں۔ غلط بیانیوں اور طرح طرح کے حیلوں سے عوام کو دھوکہ دینے اور سلسلہ احمدیہ کے برخلاف اُنکے جذبات کو اُکسانے کی کوشش کیجارہی ہے۔ مگر پنجاب میں جس طرح یہ سب کوششیں ناکام رہیں اسی طرح خدا کے فضل و رحم سے اُمید ہے کہ ان علاقوں میں بھی ان لوگوں کی کوششیں ناکام رہیں گی اور جس طرح پنجاب میں باوجود سخت کوشش مخالفانہ کے سلسلہ حقہ احمدیہ پھیلنے سے رُک نہ سکا ایسا ہی انشاء اللہ تعالیٰ ان علاقوں میں ہوگا۔

ان مولویصاحبان میں سے جو آجکل بنگال و بہار کی طرف سلسلہ احمدیہ کی ترقی کو روکنے کے لیئے بہت کوشش کررہے ہیں ایک صاحب ابو احمد رحمانی نام ہیں جنھوں نے چند رسالے حضرت مسیح موعودؑ مہدی مسعودؑ کی مخالفت میں تحریر کیئے ہیں۔ اسوقت اُن کا ایک رسالہ حقیقۃ المسیح ہمارے سامنے ہے۔ اس میں اُنھوں نے عجیب طور سے حق کی مخالفت کی ہے اور حق کی مخالفت

میں وہ اس قدر حد سے بڑھ گئے ہیں کہ انہوں نے یہ بھی نہیں دیکھا کہ انکی تحریر سے خود قرآن شریف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء کی تکذیب ہوتی ہے۔

ذیل میں ہم مصنف حقیقۃ المسیح کے وہ بڑے بڑے اعتراضات درج کرتے ہیں جو انہوں نے حضرت مسیح موعودؑ پر کیئے ہیں اور ناظرین دیکھیں گے کہ جو اعتراض وہ اپنے زعم میں حضرت مسیح موعودؑ پہ کہتے ہیں اگر انکو درست اور صحیح مانا جائے تو نعوذ باللہ قرآن شریف غلط ٹھہرتا ہے اور تمام انبیاءؑ کی صداقت پر حرف آتا ہے۔

وہ اپنی کتاب کو اِن الفاظ کے ساتھ شروع کرتے ہیں "مسلمانوں کے لیئے اور انکے مقدس مذہب کے لیئے یہ وقت کسقدر نازک ہے اور کس کس طرح سے اس پر حملے ہو رہے ہیں اور کتنے دشمنانِ اسلام اُس کے مٹا دینے کے فکر میں ہیں"۔ مصنف حقیقۃ المسیح کا یہ بیان بالکل درست ہے مگر انہوں نے غلطی کی کہ ایسے الفاظ کے ساتھ اپنی کتاب کو شروع کیا کیونکہ ان الفاظ سے تو حضرت مسیح موعودؑ کے دعوے کی تصدیق اور تائید ہوتی ہے۔ جب اسلام پر یہ ایک نازک وقت تھا جسکی نظیر گذشتہ زمانوں میں نہیں مل سکتی تو کیا یہ ضروری نہ تھا کہ ایسے وقت میں خدائے تعالیٰ اپنے وعدہ کے مطابق چودھویں صدی کے سر پر ایک مجدد کو مبعوث فرماتا۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون اسی وعدہ کے مطابق خدائے تعالیٰ ہمیشہ اپنے پاک کلام کی حفاظت فرماتا رہا ہے اور یہ حفاظت دو طرح کی ہے ایک ظاہری اور دوسری معنوی۔ ظاہری حفاظت تو خدائے تعالیٰ نے حفاظ اور قرّاء کے ذریعہ کی اور معنوی حفاظت کے لیئے مجددوں کا سلسلہ قائم کیا مگر مصنف حقیقۃ المسیح کا یہ دعویٰ ہے کہ اگرچہ اس وقت اسلام اور قرآن شریف پر ہر طرف سے حملے ہو رہے ہیں مگر خدا کی طرف سے اس صدی کے سر پر اسلام کی حمایت کے لیئے کوئی مامور مبعوث نہیں کیا گیا اور اس صدی کا تیسرا حصہ گذر چکا ہے مگر ابھی تک کوئی مجدد ظاہر نہیں ہوا اور جو شخص آیا ہے وہ (نعوذ باللہ) کاذب ہے۔ یہ خوب حفاظت اسلام ہے شائد مصنف حقیقۃ المسیح خود مدعی مجددیت ہوں کیونکہ انکی کتاب کے سرورق پر انکے نام کے ساتھ مجدد دوران کا لقب لگایا گیا ہے اور وہ قوم کو یا قومنا اجیبوا داعی اللہ کے الفاظ کے ساتھ مخاطب کرتے ہیں اور چونکہ قرآن شریف میں یہ الفاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں آئے ہیں جو خدا کے برگزیدہ نبی تھے اسلیئے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف حقیقۃ المسیح بھی اس زمانہ میں نبی یا مامور من اللہ ہونیکا

دعویٰ کرتے ہیں لیکن چونکہ انہوں نے کھولکر اپنے دعوی کو پیش نہیں کیا اسلیئے ہم اسوقت کچھ رائے زنی نہیں کرسکتے۔ مگر اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ اُنکو مامور من اللہ اور مجدد دوران بننے کا شوق ضرور ہے غرض اُنکا یہ کہنا کہ یہ زمانہ اسلام کے لیئے ایک نازک زمانہ ہے اور کہ اُسپر ہر طرف سے حملے ہورہے ہیں اس بات کی ایک شہادت ہے کہ مسیح موعود عین وقت پر ظاہر ہوئے۔ اور یہ کہ آپ کا یہ فرمانا کہ

آسماں بارد نشاں الوقت مے گوید زمین

بالکل درست ہے اور مؤلف حقیقۃ المسیح دوسرے لفظوں میں خود اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ حضرت مسیح موعودؑ عین وقت پر ظاہر ہوئے۔ مگر ایک بڑی وجہ جو مصنف حقیقۃ المسیح حضرت مسیح موعودؑ کے نہ ماننے کے لیئے پیش کرتے ہیں یہ ہے کہ اُنکے آنے سے مسلمانوں کی نکبت و ادبار میں کچھ کمی واقع نہیں ہوئی وہ پوچھتے ہیں کہ "مرزا صاحب دعوے کے بعد عرصہ تک دنیا میں رہے اتنے عرصہ میں مسلمانوں کو کیا عروج ہوا؟" پھر لکھتے ہیں کہ "مسلمانوں کو دینی اور دنیاوی ہر قسم کا تنزل ہوا اور ہو رہا ہے۔ اسلامی حکومتیں جہاں تھیں اُن کا خاتمہ اُنہیں کے عہد میں گویا ہوگیا اور ہو رہا ہے۔ مسلمان رئیس کسقدر تباہ ہوگئے اور اُن کی ریاستیں غیروں کے پاس چلی گئیں اور جارہی ہیں" پھر لکھتے ہیں "مسلمانوں کی دینی اور دنیوی حالت روز بروز بدتر ہوتی جاتی ہے" مصنف صاحب ان باتوں سے یہ نتیجہ نکالنا چاہتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود نعوذ باللہ سچے نہ تھے۔ حالانکہ یہی باتیں اُنکی صداقت کا ثبوت ہیں۔ مصنف صاحب خود ہی بتلائیں کہ خدائے تعالیٰ کے مرسلین کے منکروں کا کیا حال ہوا کرتا ہی اور اُنکو اُنکے انکار کا کیا پھل ملا کرتا ہے۔ کیا یہی کہ دنیا میں اُنکی عزت زیادہ ہو اور اُنکی سلطنت زمین پر مستحکم ہو جائے یا یہ کہ ذلیل ہوں اور ناکامی کا مزہ چکھیں۔ قرآن شریف رسل و انبیاء کے مخالفین کا کیا نقشہ کھینچتا ہے۔ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت کرکے کیا دیکھا۔ ابوجہل کی جماعت نے کیا ترقی کی۔ حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کے زمانہ کے یہود نے کونسی عزت حاصل کی۔ مصنف حقیقۃ المسیح مجدد دوران اور داعی اللہ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں مگر اُنکو اتنا بھی علم نہیں کہ انکار کی سزا عزت نہیں بلکہ ذلت ہوتی ہے اور انبیاء کی مخالفت کا پھل کامیابی نہیں بلکہ ناکامی ہوتا ہے۔ مجھے تعجب آتا ہے کہ ایک طرف تو وہ یہ لکھتے ہیں کہ سوائے ایک تھوڑی سی جماعت کے باقی مسلمانوں نے حضرت مسیح موعودؑ کا انکار کیا دوسری طرف وہ یہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کا

مسلمانوں کا ادبار

تنزل کیوں ہو رہا ہے۔ ترقی کیوں نہیں ہوتی۔ کیا قرآن شریف میں سچائی کا یہی معیار لکھا ہوا ہے کہ انبیاء کے انکار اور انکی مخالفت سے مخالفین اور منکرین کی عزت بڑھتی اور انکی شوکت ترقی کرتی ہے۔ کیا خدائے تعالیٰ قرآن شریف میں یہ نہیں فرماتا اذ فوا بعھدی اوف بعھدکم کیا اس زمانہ میں خدائے تعالیٰ کی سُنّت بدل گئی تھی۔ اگر خدا کے مرسلوں کے انکار سے دینی اور دنیوی ترقی حاصل ہوتی ہے تو پھر اُن کو ماننے کی کیا ضرورت اور اُن کو قبول کرنے کی کیا حاجت؟ مولوی صاحب بتلائیں کہ حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کا انکار کرکے اُسکی قوم نے کیا فائدہ حاصل کیا تھا۔ کیا اُنکی قوم کو دینی و دنیوی ترقی حاصل ہوئی تھی یا تنزل؟ اگر انکو مسیح کے انکار سے دینی و دنیوی ترقی حاصل ہوئی تھی تو پھر بے شک مولوی صاحب (مصنف حقیقة المسیح) کو یہ ضرور حق پہنچتا تھا کہ وہ پوچھیں کہ مسیح اسرائیلی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے منکروں کو تو دینی و دنیوی ترقی حاصل ہوئی تھی مگر مسیح محمدی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے منکروں کو دینی و دنیوی ترقی حاصل نہیں ہوئی بلکہ اُسکی بجائے تنزل وادبار شروع ہوگیا ہے۔ غالباً حضرت مسیح ناصری علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں بھی بعض یہودی مولویوں نے مولانا ابو احمد رحمانی کی طرح یہ اعتراض کیا ہوگا کہ یہ مسیح کس طرح سچا ہو سکتا ہے جبکہ اسکے آنے سے ہمیں کوئی عروج اور ترقی حاصل نہیں ہوئی اور بنی اسرائیل کی نکبت وادبار میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ اگر مولوی ابو احمد صاحب اپنے اعتراض کی لغویت کو دیکھنا چاہتے ہیں تو وہ تھوڑی دیر کے لیئے اپنے تئیں ایک اسرائیلی مولوی قرار دیں اور پھر یہی اعتراض اسرائیلی مسیح کے حق میں کریں تب اُنپر یہ کھل جائیگا کہ اُن کا یہ اعتراض کیسا بے ہودہ ہے۔ حضرت مسیح اسرائیلی اور حضرت مسیح محمدی علیہما السلام کے حالات بالکل متشابہ ہیں۔ یعنی جس طرح مولوی ابو احمد صاحب اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے آنے سے مسلمانوں کو کیا فائدہ پہنچا۔ بلکہ اُنکے آنے کے بعد اُنکے ادبار و نکبت میں ترقی ہوئی۔ اسی طرح یہودی مولوی بھی بالکل یہی اعتراض کر سکتے تھے کہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی آمد سے ہماری قوم کو کیا فائدہ پہنچا بلکہ اُلٹا اُنکی آمد کے بعد ہمارے ادبار و نکبت نے ترقی کی۔ پس اگر مولوی ابو احمد صاحب کا اعتراض بجا ہے تو پھر ایک یہودی مولوی کا اعتراض بھی بجا سمجھنا چاہیئے کیونکہ دونوں صورتیں یکساں ہیں۔ اگر ایک صورت میں اعتراض درست ہے

تو دوسری صورت میں بھی درست سمجھنا چاہیئے۔ مولوی صاحب فرماویں کہ کیا حضرت مسیح اسرائیلی کی آمد سے یہودی قوم کا ادبار بڑھا تھا اور تاریخ زمانہ اور موجودہ حالات اسکی گواہی دیتے ہیں پس مولویصاحب فرماویں کہ کیا اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مسیح نعوذ باللہ سچے نبی نہیں تھے۔ اگر یہ ثابت نہیں ہوتا تو پھر آپ کیوں مسلمانوں کے ادبار کو اس دعوے کی تائید میں پیش کرتے ہیں کہ حضرت مسیح موعودؑ نعوذ باللہ سچے نہ تھے۔ مولوی صاحب! کیا آپ کو معلوم ہے کہ کیوں یہود کا ادبار بڑھا؟ اسلیئے کہ اُنہوں نے خدا کے مرسل کا انکار کیا اور اُسپر طرح طرح کے بہتان لگائے اور بجائے اسکے کہ اُسکی پیروی کرتے اُسکی مخالفت کی۔ کیا یہودی قوم کو حضرت مسیح اسرائیلی کی آمد پر بڑی بڑی اُمیدیں نہ تھیں۔ کیا وہ آپ کی طرح یہ عقیدہ نہیں رکھتے تھے کہ جب مسیح موعودؑ آئے گا تو یہودی قوم کو دینی دنیا میں عروج حاصل ہوگا اور اُن کا سارا ادبار جاتا رہیگا اور وہ دین و دنیا میں عزت حاصل کرینگے کیا اُنکی کتابوں میں مسیح اسرائیلی کی آمد کے متعلق بڑے بڑے وعدے موجود نہ تھے؟ مگر کیا یہ سارے وعدے اور یہ ساری اُمیدیں مسیح کو قبول کرنے اور اسکی اتباع کے بغیر پوری ہوسکتی تھیں۔ اگر یہود حضرت مسیح کو قبول کرتے تو ضرور وہ دین و دنیا میں عزت پاتے۔ اور اے مولوی صاحب! اگر آپ لوگ بھی دین و دنیا میں عزت حاصل کرنا چاہتے ہو اور اُن وعدوں کے وارث بننا چاہتے ہو جو مسیح موعودؑ کے متعلق تم پیش کرتے ہو تو آؤ حضرت مسیح موعودؑ کو قبول کرو۔ قبول کرنے کے بغیر تم اپنے حق میں ان وعدوں کے پورا ہونے کے کس طرح امیدوار ہوسکتے ہو۔ مولویصاحب کے فہم پر مجھے تعجب آتا ہے آپ مسیح موعودؑ کو قبول کرنے سے تو انکار کرتے ہیں پھر پوچھتے ہیں کہ ہم دین و دنیا میں کیوں تنزل کر رہے ہیں اور کیوں ہمارا ادبار ترقی پر ہے۔ مولوی صاحب! آپ ذرا سوچکر بات کریں۔ کیا خدا کے مرسلین کے انکار کا یہی ثمرہ ہوتا ہے کہ دین و دنیا میں ترقی ہو کیا آنیوالے مسیح موعودؑ کے لیئے یہ امر بطور نشان کے بتلایا گیا تھا کہ اُسکے انکار سے دینی و دنیوی ترقی ملے گی اور اقبال بلند ہوگا۔ کیا قرآن شریف نے مرسلین کی صداقت کی یہی علامت بیان فرمائی ہے کہ اُنکے انکار پر انعام ملے گا اور اُنکے قبول کرنیوالے مستوجب سزا ٹھہرینگے۔ کیا ایسا معیار قائم کرنے سے قرآن شریف کی تصدیق ہوتی ہے یا تکذیب۔ مولویصاحب! کیا آپ کو اوفوا بعھدی اوف بعھدکم کا الٰہی فرمان بھول گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے مامور کے انکار سے ان

یا کم ہوا تھا۔ قرآن شریف تو یہی شہادت دیتا ہے کہ یہودی قوم کا ادبار بڑھا تھا

لوگوں کی عقلوں پر پردہ پڑ گیا ہے۔ افلا یتدبرون القرآن ام علیٰ قلوب اقفالھا۔

پھر ایک اور اعتراض مولوی صاحب موصوف نے یہ بیان کیا ہے کہ "مرزا صاحب کو دعویٰ نبوت ہے تو انبیائے کرام کی حالت کو دیکھنا چاہیئے۔ اولیائے کرام کی روش پر نظر کرنا چاہیئے کہ انکی کیا حالت تھی۔ جتنے انبیاء گذرے اور جسقدر اولیائے ذی شان ہوئے سب کی مخالفت کی گئی اور بہت زور کے ساتھ مقابلہ کیا گیا اور کوئی دقیقہ اُن کی ایذا دہی میں اٹھا نہیں رکھا گیا مگر اس مقدس گروہ نے بجز صبر و تحمل کے کچھ نہیں کیا۔ نہ کسی نے اپنی تعریف اور مدح کے الہامات جمع کرکے لوگوں کو دکھلائے نہ اپنے دعووں کے ثبوت میں دلیلیں لکھکر شہرہ کرائیں۔ نہ مخالفین کے ردّ و کدّ میں رسالوں کی بوچھاڑ کی نہ اپنی تحریروں میں خدا اور رسول کے ماننے والوں پر موٹے موٹے اور لمبے حرفوں میں لعنتوں کی قطار برسائی۔ نہ کسی مخالف کو بندر اور سور بنایا"۔

ہمارے مخالف مولوی علم قرآن و حدیث کا بڑا دعویٰ کرتے ہیں مگر جب کسی بیان کے لیئے اپنی زبان کھولتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا انہوں نے قرآن کو کبھی دیکھا بھی نہیں۔ جب علماء کا یہ حال ہے تو عوام الناس کا کیا حال ہوگا۔ پھر بھی یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس سب کچھ ہے۔ ہمیں مامور اور معلم کی کیا ضرورت۔ جب علم کا یہ حال ہے تو عمل اور ایمان کا کیا حال ہوگا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا تھا کہ ایک زمانہ ایسا آئیگا جب کہ قرآن زمین پر سے اٹھا لیا جائیگا۔ یہ علماء اپنے حال سے شہادت دے رہے ہیں کہ واقعی قرآن اور ایمان زمین پر سے اٹھا لیے گئے تھے اور کہ درحقیقت اب ضرورت تھی کہ ان چیزوں کو پھر زمین پر قائم کرنے کے لیئے خدا کی طرف سے کوئی شخص مامور ہو کر کھڑا ہوتا۔ مولوی صاحب کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ ہر ایک نبی جو دنیا میں آیا اُس نے خدا کی طرف سے اپنے مامور ہونیکا نہایت ہی کھلے اور پُر زور الفاظ میں دعویٰ پیش کیا اور اپنی اپنی قوم کو کھولکر سنایا کہ خدا نے مجھے تمہاری طرف رسول کرکے بھیجا ہے اور پھر صرف دعویٰ ہی نہیں کیا بلکہ اپنے دعوے کی تائید میں بڑے بڑے زبردست ثبوت بھی پیش کیئے یہ کہنا انبیاء کے حق میں ایک سخت بے ادبی ہے کہ انہوں نے اپنے رسول اور مامور ہونیکا اعلان نہیں کیا اور اپنی نبوت کا دعویٰ پیش نہیں کیا۔ یا دعویٰ تو کیا مگر اسکی تائید میں کوئی ثبوت پیش نہیں کیئے۔ گویا انکا دعویٰ ایک دعویٰ بے دلیل تھا۔ سب نے بڑے زور سے اپنے رسول ہونیکا

نبی کا اعلان دعویٰ

دعویٰ کیا اور بڑی تحدی سے کہا کہ جو شخص ہمارا انکار کریگا وہ ہلاک ہوگا اور یہ کہ ہمارے ماننے اور ہماری اطاعت اختیار کرنے کے بغیر کوئی شخص نجات حاصل نہیں کر سکتا۔

قرآن شریف میں صاف الفاظ میں لکھا ہے کہ ہر ایک نبی نے بڑے زور سے اپنی قوم کے سامنے اپنے مامور اور مرسل ہونیکا دعویٰ پیش کیا اور نہ صرف دعویٰ ہی پیش کیا بلکہ اُس دعوے کی سچائی کے دلائل اور ثبوت بھی ساتھ ہی پیش کیئے۔ دیکھو حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کو کہتے ہیں یٰقوم ارأیتم ان کنت علیٰ بینۃ من ربی و اٰتنی رحمۃ من عندہٖ فعمیت علیکم (سورہ ہود رکوع ۳) پھر حضرت صالح فرماتے ہیں یٰقوم ارأیتم ان کنت علیٰ بینۃ من ربی و اٰتنی منہ رحمۃ فمن ینصرنی من اللہ ان عصیتہ (سورہ ہود رکوع ۶) پھر حضرت شعیب فرماتے ہیں یٰقوم ارأیتم ان کنت علیٰ بینۃ من ربی ورزقنی منہ رزقاً حسناً (سورہ ہود رکوع ۸) پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نسبت خدائے تعالیٰ فرماتا ہے ولقد ارسلنا موسیٰ باٰیٰتنا و سلطٰن مّبین۔ ان آیات بیّنات سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ کسی نبی نے اپنا دعویٰ بلا دلیل پیش نہیں کیا بلکہ سب نے اپنے دعوے کی تائید میں بینہ۔ سلطٰن اور آیات پیش کیئے۔ اسی سورہ ہود میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بارہ میں خدائے تعالیٰ فرماتا ہے افمن کان علیٰ بیّنۃ من ربہ (سورہ ہود رکوع ۲) خدائے تعالیٰ کل انبیاء کی نسبت فرماتا ہے کہ انہوں نے صرف دعویٰ بلا دلیل ہی پیش نہیں کیا بلکہ اپنے دعوے کو مبرہن و مدلل کر کے پیش کیا۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے فان کذبوک فقد کذب رسل من قبلک جاؤ بالبینات والزبر والکتب المنیر۔ مولوی صاحب فرماتے ہیں "جتنے انبیاء گذرے اور جسقدر اولیاء ذی شان گذرے (انہوں نے) نہ اپنے دعووں کے ثبوت میں دلیلیں لکھکر مشہور کرائیں نہ مخالفین کے ردّ و کد میں رسالوں کی بوچھاڑ کی" اولیاء کے [illegible] تو یہاں بحث نہیں۔ انبیاءؑ کی نسبت خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ جاؤ بالبینٰت والزبر [illegible]ب المنیر۔ یعنی انبیاءؑ نے واضح دلائل بھی پیش کیئے۔ چھوٹے رسالے اور بڑی کتابیں [illegible]ائع کیں۔ پھر مولوی صاحب کیوں فرماتے ہیں کہ گذشتہ انبیاءؑ نے اپنے دعووں کے

ثبوت میں دلیلیں مشہور نہ کرائیں اور نہ رسالے شائع کیے اور مرزا صاحب اپنے دعوے کے ثبوت میں دلائل مشہور کراتے ہیں اور رسالے شائع کرتے ہیں۔ مولویصاحب! اگر آپنے پہلے کبھی قرآن شریف نہیں پڑھا تھا تو کم از کم اس رسالہ کے لکھنے سے پہلے تو ایک نظر دیکھ لیتے تا ایسی فاش غلطیوں سے محفوظ رہتے۔ مولویصاحب حضرت مسیح موعودؑ کے رسالوں پر اسقدر کیوں چڑتے ہیں۔ شائد دل میں یہ غصہ ہے کہ مسیح موعود تو چاہیئے تھا کہ تلوار لیکر آتا۔ جو تمام منکران اسلام کا سر قلم کر دیتا۔ یہ سلطان القلم مسیح کیسے پیدا ہو گیا۔ مولوی صاحب۔ قلم خدا کی نظر میں ایسی حقیر چیز نہیں جیسی آپنے سمجھ رکھی ہے - آپ رسالوں کی بوچھاڑ اور دلائل کے لکھنے کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ مگر خدائے تعالیٰ فرماتا ہے اقرا باسم ربك الذي خلق۔ خلق الانسان من علق۔ اقرا وربك الاكرام الذي علم بالقلم۔ علم الانسان مالم يعلم۔ سب سے پہلی آسمانی آواز جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کان میں پہنچی۔ وہ یہی تھی کہ اقراء پڑھ۔ اور پڑھی وہی چیز جاتی ہے جو لکھی ہوئی ہو۔ مگر یہ مولوی صاحب ہیں جو لکھنے کو اسقدر حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اور رسالوں کی بوچھاڑ کو برا سمجھتے ہیں۔ پھر خدائے تعالیٰ اپنی مدح میں فرماتا ہے کہ تیرا صاحب اکرام رب وہ ہے جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا اور قلم کے ذریعے انسان کو وہ وہ چیزیں سکھائیں جن کا اسکو علم نہ تھا۔ مولوی صاحب۔ جب قلم ایسی چیز ہے تو کیا یہ ضروری نہ تھا کہ اس علم و ہنر کے زمانہ میں جو اذا الصحف نشرت کا زمانہ ہے مسیح موعودؑ بھی قلم کے ساتھ ظاہر ہوتا اور قلم کے ہی ذریعہ دنیا کو تعلیم دیتا۔ پھر قلم کا درجہ اگر آپ معلوم کرنا چاہتے ہیں تو وہ سورۃ تلاوت فرما دیں جس کو قلم کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ وہ سورہ اس طرح پر شروع ہوتی ہے ن والقلم وما يسطرون اس میں خدائے تعالیٰ نے قلم کی اور لکھے ہوئے علوم کی قسم کھائی ہے۔ مگر ہمارے ملک کے مولوی کچھ تلوار کے ایسے دلدادہ ہیں کہ جب انکو قسم کھانے کی ضرورت پیش آتی ہے تو وہ اس غلبۂ قلم کے زمانہ میں بھی سیف و سنان کی ہی قسم کھاتے ہیں۔

غرض مولوی صاحب کا یہ اعتراض کرنا کہ یہ اپنے دلائل کو لکھکر کیوں شائع کرتے ہیں اور کیوں رسالوں کی بوچھاڑ برساتے ہیں نہایت ہی حیرت انگیز امر ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ

طریق نہیں ہے۔ دوسرے انبیاء کا ذکر تو فی الحال چھوڑ دو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات پر غور کرو۔ سارا قرآن آپکی رسالت کے دعوے اور دلائل سے بھرا ہوا ہے اور مخالفوں پر بھی آیات قرآنی کی ایک سخت بوچھاڑ برسائی گئی ہے اور ان آیات کو صحابہ نوک زبان یاد کیا کرتے اور اس طرح ان دلائل اور اس بوچھاڑ کی خوب اشاعت کیجاتی تھی۔ پھر بھی مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ انبیاء کا طریق نہیں ہے اگر مولوی صاحب کو اس بات کا علم نہیں کہ قرآن شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے دلائل سے بھرا ہوا ہے اور دشمنوں پر بھی خوب بوچھاڑ برسائی گئی ہے، تو وہ چند روز قادیان دارالامان میں آکر حضرت خلیفۃ المسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کا درس قرآن سنیں تا اُن پر یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہو جائے کہ قرآن شریف میں نہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دعوئ نبوت کا ذکر ہے بلکہ اس دعویٰ کو نہایت ہی پُر زور اور پُر شوکت دلائل کے ساتھ مبرہن بھی کیا گیا ہے۔

قرآن شریف کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اُس کے رسولوں پر بھی ایمان لانا لازم ٹھہرایا گیا ہے۔ اگر ایک شخص خدائے تعالیٰ کو ماننے کا دعویٰ کرتا ہے مگر اُس کے کسی رسول کا انکار کرتا ہے تو وہ قرآن شریف کے رُو سے مومن کہلانے کا حقدار نہیں ہے۔ اگر کسی کو میرے اس بیان پر شک ہو تو وہ قرآن شریف کی مندرجہ ذیل آیات کا مطالعہ کرے۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے ان الذین یکفرون باللہ ورسلہ ویریدون ان یفرقوا بین اللہ ورسلہ ویقولون نؤمن ببعض ونکفر ببعض ویریدون ان یتخذوا بین ذٰلک سبیلا۔ اولٰئک ھم الکٰفرون حقا واعتدنا للکٰفرین عذابا مھینا۔ والذین اٰمنوا باللہ ورسلہ ولم یفرقوا بین احد منھم اولٰئک سوف یؤتیھم اجورھم وکان اللہ غفورا رحیما۔ ان آیات سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ خدا کا ماننے کے مدعی ہیں مگر خدا کے رسولوں کا یا اُن میں سے بعض رسولوں کا انکار کرتے ہیں تو وہ خدائے تعالیٰ کے نزدیک مومن نہیں کہلا سکتے۔ جب رُسل کا ماننا ایسا ضروری ہے تو پھر یہ کیسا ضروری ہے کہ خدا کا رسول صرف اپنے دعوے نبوت ورسالت کو ہی پیش نہ کرے بلکہ اپنے دعوے کے دلائل کو کھولکر

بیان کرے اور اُن دلائل کو خوب شائع کرے اور جہاں تک اُس سے ہو سکے انکا اعلان کرے اور جو جو ذرائع اُن دلائل کی اشاعت کے ہو سکتے ہیں اُن سب کو کام لے تا لوگ اُسپر ایمان لاکر نجات حاصل کریں۔ اور جو جو اُنپر اعتراضات کیئے جاتے ہیں اُن سب کو دفع کرنے کی کوشش کرے تا لوگ شبہ میں پڑکر ہلاک ہو جاویں خدائے تعالیٰ فرماتا ہے وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ۔ یعنی ہم رسولوں کو اسلیئے بھیجتے ہیں کہ لوگ اللہ تعالیٰ کے اذن کے ساتھ ان کی اطاعت اختیار کریں جب لوگوں پر رسولوں کی اطاعت کرنا فرض ہے۔ تو اُن رسولوں کے لیئے یہ لازمی ہے کہ وہ تمام لوگوں کو کھولکر اپنی رسالت کا پیغام پہنچاویں اور اپنے رسول ہونے کے ثبوت بھی واضح اور مکمل طور پر شائع کردیں۔ کیونکہ جب لوگوں پر انکی اطاعت فرض ہے تو لوگوں کا یہ بھی حق ہے کہ جسقدر دلائل اپنی رسالت کے رسولوں کے پاس ہوں وہ جس طرح ہو سکے لوگوں میں شائع کر دیئے جاویں اور جو جو شبہات لوگوں کو انکی رسالت کے بارہ میں پیدا ہوتے ہیں اُنکا ازالہ بھی خوب کھولکر کردیں۔ اگر وہ ایسا نہ کریں تو وہ اپنے فرض کو ادا کرنے والے نہیں کہلا سکتے۔ مگر مولوی ابو احمد صاحب نے رسالت کا عجیب معیار ٹھہرایا ہے۔ وہ اسی بات پر اعتراض کرتے ہیں کہ اگر حضرت مسیح موعودؑ واقعی خدا کے رسول تھے اور خدا کی طرف سے نبی ہو کر آئے تھے تو انہوں نے کیوں اپنے دعووں کے ثبوت میں دلیلیں لکھکر شائع کرائیں" اور کیوں "مخالفین کے ردّ و کد میں رسالوں کی بوچھاڑ کی"۔ مولوی صاحب کی اس بات پر ہمیں بار بار تعجب آتا ہے۔ کیونکہ جس بات کا کرنا ایک نبی اور رسول کے لیئے لازم ہے اُسی کے متعلق مولوی صاحب اعتراض کرتے ہیں کہ اگر حضرت مسیح موعودؑ خدائے تعالیٰ کے رسول اور نبی تھے تو انہوں نے ایسا کیوں کیا؟ انکو اتنا بھی معلوم نہیں کہ ایسا کرنا اُنکی صداقت کا ایک نشان ہے اور اگر وہ ایسا نہ کرتے تو پھر اُنپر الزام آسکتا تھا کہ اگر وہ نبی اور رسول تھے تو انہوں نے کیوں اپنے دعووں کے ثبوت میں دلیلیں لکھکر شائع نہ کرائیں اور کیوں مخالفین کے ردّ و کد میں رسالوں کی بوچھاڑ نہ کی۔ دیکھو ہمارے مسلمانوں کی ناواقفیت کس حد تک بڑھ گئی ہے کہ اُنکو اتنا بھی معلوم نہیں کہ ہر ایک نبی اور رسول اپنے دعوے کو علی الاعلان پیش کیا کرتا ہے اور اپنی صداقت کے دلائل کو خوب شائع کرتا ہے اور مخالفوں کے اعتراضات سُنکر خاموش نہیں بیٹھ رہتا بلکہ جہاں تک

اولیائے کرام اور انبیائے کرام

اُس سے بن پڑتا ہے اُن کا جواب دیتا ہے مگر ہمارے زمانہ کے مولوی صاحب ہیں جو کہتے ہیں کہ نبی ایسا نہیں کیا کرتے اور چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایسا کیا اسلیئے وہ نبی نہیں ہو سکتے۔ جب اس زمانہ کے علماء کے علم و معرفت کا یہ حال ہے تو کیا اب بھی وہ یہ کہیں گے کہ اس زمانہ میں کسی مرسل من اللہ کی ضرورت نہ تھی۔

پھر مولوی صاحب لکھتے ہیں "مرزا صاحب کو دعویٰ نبوت ہے تو انبیائے کرام کی حالت کو دیکھنا چاہیئے۔ اولیائے کرام کی روش پر نظر کرنا چاہیئے کہ اُن کی کیا حالت تھی" یہ تو مولوی صاحب نے بالکل ٹھیک فرمایا کہ چونکہ مرزا صاحب کو دعوٰی نبوت ہے اسلیئے آپکی صداقت کی پہچان اس طرح ہو سکتی ہے کہ انبیائے کرام کی روش کو دیکھا جاوے اور منہاج نبوت کی کسوٹی پر آپکے دعوے کو پرکھا جاوے مگر مولویصاحب کا یہ فرمانا کہ اُنکے دعوٰی نبوت کے جانچنے کے لیئے اولیاء کے حالات پر نظر کیجائے نہائت ہی تعجب انگیز ہے۔ ایک نبی اور رسول کا ایک غیر مامور بزرگ پر قیاس کرنا یہ مولوی ابو احمد صاحب کا ہی کام ہے۔ مولوی صاحب کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ نبی اور رسول خدا کی طرف سے مامور ہوتا ہے اور وہ حکم است زآسماں بزمیں مے رسانمش پر عمل کرتا ہے اسلیئے اُن کی حالت کا ایسے لوگوں پر قیاس کرنا جو خدا کی طرف سے رسول اور نبی ہو کر کھڑے نہیں ہوتے قیاس مع الفارق ہے۔ شائد مولویصاحب کو میری یہ بات اچھی طرح سمجھ میں نہ آئے اسلیئے میں ایک ایسی مثال سے اُن کو یہ بات سمجھاتا ہوں جس سے انشاء اللہ تعالیٰ اُنکو بخوبی سمجھ آجائے گا کہ خدا کے نبیوں اور مشائخ کے گروہ میں کیا فرق ہے۔ غالباً مولوی صاحب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے تو انکار نہ ہوگا۔ لیکن اگر آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روش کا مشائخ اور پیران طریقت کے حالات سے مقابلہ کریں اور ان بزرگوں کی روش کے معیار پر آپکی نبوت کو جانچنا چاہیں تو پھر آپکے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ماننا بھی دشوار ہو جائے۔ حضرت مسیح موعودؑ کے منکر تو وہ پہلے ہی سے ہیں۔ پھر خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا بھی اُنکو انکار کرنا پڑے گا کیونکہ اولیائے کرام اور سلسلہ مشائخ میں ہم یہ طریق نہیں دیکھتے کہ زرہ بکتر پہنکر میدان میں نکلیں۔ تلواروں اور نیزوں بھالوں کو تیز کریں اور دشمن کے خون سے زمین کو سُرخ کردیں۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہ سب کام خود بھی کیئے اور دوسروں سے بھی کرائے۔ پس اگر وہی نبی سچا ہو سکتا ہے

جس کی روش صوفیا و مشائخ کرام اور اُس گروہ کے مطابق ہو جو مسلمانوں کی اصطلاح میں اولیاء کے نام سے مشہور ہے تو پھر نہ صرف آپ کو حضرت مسیح موعودؑ کا انکار کرنا پڑیگا۔ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے مُنکر ہونا پڑیگا۔ جب سکھوں کے برخلاف حضرت سید احمد صاحب بریلوی اور حضرت محمد اسمٰعیل صاحب شہید نے علم جہاد کھڑا کیا تو آپ بتائیں کہ اُس زمانہ کے مشائخ اور گدی نشینوں میں سے کسقدر اُن کے ساتھ شامل ہوئے۔ بلکہ حضرت خواجہ تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عرض بھی کیا گیا کہ سکھوں کی ظالم قوم مسلمانوں کو اذان تک دینے پر قتل کرتی ہے آپ بھی اپنے مریدوں سمیت ان کے برخلاف جنگ کرنے میں ہمارے ساتھ شامل ہوں تو جو جواب حضرت خواجہ تونسوی رحمۃ اللہ علیہ نے دیا وہ یہ تھا کہ یہ کام آپ کو ہی مبارک ہو۔ مَیں نے تو کبھی اپنے ہاتھ سے ایک چڑیا کا بھی خون نہیں بہایا۔ اولیائے کرام کا وجود بے شک اسلام کے لیئے بہت مبارک ہے مگر اُنپر انبیاء اور مامورین من اللہ کا قیاس کرنا سخت غلطی ہے۔ انبیاء کا درجہ اولیاء سے بڑھکر ہے اور بعض کام انبیاء کے متعلق ایسے ہوتے ہیں جو اولیائے کرام کے دائرہ سے بالکل الگ ہیں۔ مولوی ابو احمد صاحب تو اعتراض کرتے ہیں کہ چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مخالفین کے ردّ و کدّ میں رسالوں کی بوچھاڑ برسائی اسلیئے وہ نبی نہیں ہوسکتے کیونکہ یہ طریق اولیائے کرام کی طرز کے موافق نہیں ہے مگر کیا اُنکو معلوم نہیں کہ اگر حضرت مسیح موعودؑ نے مخالفین کے ردّ و کدّ کے لیئے رسالوں کی بوچھاڑ برسائی ہے تو آپکے مطاع حضرت سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وخلفاءہ وبارک وسلم نے تو مخالفین کے قلع و قمع کے لیئے تیروں کی بوچھاڑ برسائی تھی۔ مولوی صاحب فرمادیں کہ حضرت مسیح موعودؑ کس کی روش پر عمل کرتے۔ گوشہ نشین درویشوں اور تارک الدنیا بزرگوں کی روش پر یا خاتم النبیین اور سید المرسلین احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نمونہ پر۔ شائد مولوی صاحب کا یہ منشاء ہے کہ مخالف تو اعتراض پر اعتراض کرتے جلتے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام خاموش بیٹھے رہتے۔ یہی اعتراض مسیحی لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کرتے ہیں کہ دشمن تو بے شک مسلمانوں پر وار پر وار کرتے رہتے مگر آپ اُنکے جواب میں تلوار نہ اُٹھاتے اور بقول مولوی ابو احمد صاحب رحمانی گوشہ نشین درویشوں کے نمونہ پر عمل کرکے خاموش بیٹھے رہتے مگر اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ جو حق وہ

لائے تھے اُس کی اشاعت نہ ہوتی! اسی طرح اگر حضرت مسیح موعود مخالفوں کے مقابل میں خاموش رہتے اور بقول مولوی ابو احمد صاحب رحمانی اُنکے رد و کد میں رسالوں کی بوچھاڑ نہ کرتے تو پھر جس حق کی اشاعت کیلئے وہ مامور کیئے گئے تھے وہ مخفی رہتا اور جس طرح اب اُسکی اشاعت ہوئی ہے یہ اشاعت نہ ہوتی۔ مولوی صاحب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رسالوں کو دیکھ کر کیوں گھبراتے ہیں۔ اگر حضرت مسیح موعودؑ نے مخالفوں کے رد و کد میں رسالے پر رسالے مدینۃ المسیح سے تمام اطراف عالم میں جاری کیئے تو کیا آپ کے مطاع حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمنوں کی سرکوبی کے لیئے رسالے پر رسالے مدینۃ النبی سے تمام اطراف عالم میں نہیں بھیجے تھے؟ اگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مشائخ کی طرز کے برخلاف اپنے مطاع خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے نمونہ پر عمل کیا تو کیا بُرا کیا؟۔

انبیاء کی مخالفت

پھر مولوی ابو احمد صاحب رحمانی فرماتے ہیں۔ کہ جتنے انبیاء گذرے "سب کی مخالفت کی گئی اور بہت زور کے ساتھ مقابلہ کیا گیا اور کوئی دقیقہ اُن کی ایذادہی میں اٹھا نہیں رکھا گیا مگر اس مقدس گروہ نے بجز صبر و تحمل کے کچھ نہیں کیا" مولویصاحب کا یہ فرمانا بالکل درست ہے۔ واقعی جسقدر انبیاء گذرے سب کی مخالفت کیگئی۔ سب کے ساتھ استہزا کیا گیا اور جسقدر دشمنوں سے بن سکتا تھا انہوں نے انبیاء و رسل کو دُکھ دیا بلکہ انکو اور اُنکی جماعت کو جڑھ سے اکھیڑنے کی کوشش کی گئی۔ لیکن یہ تمام کوششیں اکارت گئیں اور باوجود کفار کی تمام جدوجہد کے نبی کامیاب ہوئے اور دشمن اپنے ارادوں میں ناکام رہے۔ اور ذلیل و خوار اور آخر ہلاک ہوئے۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے یٰحسرۃً علی العباد ما یأتیھم من رسول الا کانوا بہ یستھزءون افسوس بندوں پر۔ جو رسول اُنکے پاس آتا ہے وہ اُسکے ساتھ استہزا ہی کرتے ہیں۔ پھر فرماتا ہے ولقد استھزئ برسل من قبلک فاملیت للذین کفروا ثم اخذتھم فکیف کان عقاب۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ تجھ سے پہلے بھی رسولوں پر ٹھٹھا اڑ چکا ہے تو میں نے کافروں کو ڈھیلا چھوڑ دیا پھر اُنکو دھر پکڑا تو میرا عذاب کیسا سخت تھا! اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے خدا تعالیٰ فرماتا ہے واذا راٰک ان یتخذونک الا ھزوا۔ اھذا الذی بعث اللہ رسولاً۔ اور (اے پیغمبر) جب یہ لوگ تجھ کو دیکھتے ہیں تو تجھ

سے ٹھٹھا ہی کرتے ہیں یہی وہ (حضرت) ہیں جن کو اللہ نے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ سنو جناب مولوی صاحب! آپ کا یہ کہنا بالکل درست ہے کہ جتنے رسول آئے سب کی شدّ و مد سے مخالفت کی گئی۔ اور اُن پر ٹھٹھا بھی اُڑایا گیا۔ خدا کا کوئی رسول بھی اس قاعدہ سے مستثنیٰ نہیں رہا اور اسی سُنّت مستمرہ کے موافق اس زمانہ کے مامور کی بھی مخالفت کی گئی اور جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفوں کی نسبت لکھا ہے وَاِذَا رَاَوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا۔ اَهٰذَا الَّذِيْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا۔ اسی طرح جب اس زمانہ کے اکثر مولوی اور اُنکے پیرو اور اتباع حضرت مسیح موعودؑ کو دیکھتے تو اُن پر ہنسی اُڑاتے اور کہتے اَهٰذَا الَّذِيْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا۔ سو اے مولوی صاحب حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت کا ایک نشان تو خود آپ لوگوں نے اپنے ہاتھ سے پورا کر دیا اور خدا کے برگزیدہ کی اُسی طرح مخالفت کی جس طرح پہلے انبیاء و رسل کی کی گئی۔ اُس کا دعویٰ کرنا ہی تھا کہ آپ لوگوں نے خدائے تعالیٰ کی قدیم سُنّت کے موافق اُسکی مخالفت شروع کر دی اور جس طرح آپ فرماتے ہیں کہ ”جتنے انبیاء گذرے اور جسقدر اولیائے ذی شان ہوئے سب کی مخالفت کی گئی اور بہت زور کے ساتھ مقابلہ کیا گیا اور کوئی دقیقہ اُنکی ایذا دہی میں اُٹھا نہیں رکھا گیا“ اسی طرح اب ہوا اور آپکے قول کے عین مطابق اس زمانہ کے مامور کی بھی مخالفت کی گئی اور بہت زور کے ساتھ مقابلہ کیا گیا اور کوئی دقیقہ اُس کی ایذا دہی میں اُٹھا نہیں رکھا گیا“ آپ لوگوں نے اُسکے برخلاف ایک کفر کا فتویٰ تیار کیا۔ جس پر آپکے اکابر نے مہریں ثبت کیں۔ لوگوں کو اُسکی مخالفت پر بھڑکایا اور نہ صرف اُس مامور کے برخلاف طرح طرح کے فتوے جاری کیئے گئے بلکہ اُسکی جماعت کے متعلق بھی آپ لوگوں نے فتوے شائع کیئے یہانتک کہ قتل کا فتویٰ بھی شائع کیا گیا اور اُسی فتوے کے ماتحت اُسکے دو پیرو ایک اسلامی ریاست میں شہید بھی کیئے گئے۔ اور اگر اِس ملک میں خدائے تعالیٰ جماعت احمدیہ کی حفاظت کے لیئے انگریزوں کو نہ لاتا تو تم عملی طور پر اس جماعت سے وہی سلوک کرتے جو تمھارے بھائیوں نے ایک ایسے ملک میں کیا جہاں تمھارا فتویٰ چل سکتا ہے۔ مگر خدائے تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس ملک میں ایک ایسی قوم بھیجا جسکی تلوار سے تم لوگ ڈرتے ہو اسلیئے اِس جگہ تمھارا بس نہیں چل سکتا۔ پھر بھی تم اپنی طاقت کے مطابق خدا کے مامور کی ایذا دہی سے باز نہ آئے۔ تمھارے مولوی عیسائیوں کے طرفدار ہو کر سنگین مقدموں میں مسیح موعودؑ کے برخلاف شہادت دینے کے لیئے آئے۔ سرکار انگریزی کو بھی اس سلسلہ کی نسبت بدظنی کرنیکی

بے سود کوشش کی گئی۔ اور کوئی ایسا طریق ایذا دہی کا نہیں جو تمہارے بس میں ہو اور تم نے مسیح موعودؑ اور اُس کی جماعت کے برخلاف استعمال نہ کیا ہو حال میں ہی تحصیل صوابی ضلع پشاور میں ہمارے مخالف مسلمانوں نے ہمارے دو بھائیوں کے گھروں پر ایک ہی رات میں ڈاکہ مارا اور جو کچھ اُن کا مال و متاع تھا سب لوٹ کرلے گئے آخر سرکار انگریزی نے انصاف کیا اور ہمارے مظلوم بھائیوں کی داد رسی کی۔ اے مولوی صاحب۔ آپ کو یہ شکایت ہے کہ جب پہلے انبیاء کو دُکھ دیا گیا تو انہوں نے صبر سے کام لیا مگر جب حضرت مسیح موعودؑ کے ساتھ یہ سلوک کیا گیا تو انہوں نے صبر سے کام نہیں لیا بلکہ مخالفوں کے ردّ و کدّ میں رسالوں کی بوچھاڑ کی۔ مگر آپ کا یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ مخالفوں کی ایذا دہی کے مقابل میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صبر سے کام نہیں لیا۔ آپ نے نہایت صبر و تحمل سے مولوی صاحبان کی ایذا دہی کو برداشت کیا اور قوم کو بھی صبر کی ہی نصیحت فرمائی۔ آپ فرماتے ہیں۔ گالیاں سُن کے دعا دیتا ہوں ان لوگوں کو

رحم ہے جوش میں اور غیظ گھٹایا ہم نے

پھر آپ فرماتے ہیں وقد زادنی فی العلم والحلم جہلھم + وسکنت نفسی عند غیظ یکرا۔ مولویصاحب خیال کرتے ہیں کہ چونکہ حضرت مسیح موعودؑ نے مخالفین کے ردّ و کدّ میں رسالوں کی بوچھاڑ کی۔ اسلئے گویا انہوں نے دشمنوں کی ایذا رسانی کو صبر و تحمل سے برداشت نہیں کیا۔ مولوی صاحب کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ایذا رسانی پر صبر کرنا الگ چیز ہے اور مخالفین کے اعتراضات کا ردّ کرنا اور اُنکی غلط بیانیوں اور افترا پردازیوں کو کھولنا دوسری چیز ہے۔ مولوی صاحب قرآن کا مطالعہ فرماویں کیا اُسمیں مخالفین کے اعتراضات کا جواب نہیں دیا گیا اور مشرکین۔ یہود اور نصاریٰ کے ساتھ مباحثہ کا رنگ اختیار نہیں کیا گیا۔ کیا اس سے یہ نتیجہ نکالنا چاہیئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمنوں کی ایذا رسانیوں کو صبر کے ساتھ برداشت نہیں کیا تھا۔ ہمارے مخالف مولوی صاحبان کو حضرت مسیح موعودؑ کے تحمل اور بردباری کا خوب علم تھا۔ اسی لئے وہ آپ کی نسبت ایسی تحریریں اور تقریریں بھی شائع کر دیا کرتے تھے جن کو اگر وہ کسی دوسرے شخص کی نسبت شائع کرتے تو ضرور اُنکو جیلخانہ میں بھجوایا جاتا مگر وہ بخوبی جانتے تھے کہ حضرت مسیح موعودؑ کی طرف سے اُن کے حق میں ایسی کارروائی نہیں کی جائیگی اسلئے وہ بعض اوقات مجرمانہ تحریروں سے بھی نہیں رُکتے تھے۔

اگر آپ کو اسکے متعلق شک ہو تو اپنے بھائی مولوی محمد حسین بٹالوی سے دریافت کر لیجیے۔ اگر آپ کو حضرت مسیح موعودؑ کی بردباری اور عفو کا تحریری ثبوت درکار ہے۔ تو ڈاکٹر کلارک والے مقدمہ کی مسل منگوا کر مطالعہ کر لیجیے۔ یہ سنگین مقدمہ ایسے لوگوں کی طرف سے بنایا گیا تھا جنہوں نے آپ کی عداوت میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا تھا آخر وہ مقدمہ جس میں آپ پر اقدام قتل کا الزام لگایا گیا تھا بعض مسیحیوں کی قابل شرم شہادت ثابت ہوا اور آپ سے مجسٹریٹ نے دریافت کیا کہ کیا آپ ان لوگوں پر کوئی قانونی کارروائی کرنا چاہتے ہیں، تو آپ نے فرمایا کہ میں انکو معاف کرتا ہوں اور انکے برخلاف کوئی قانونی کارروائی کرنا نہیں چاہتا۔ کیا یہ عفو کا ایک اعلیٰ نمونہ نہ تھا؟

پھر اسی مقدمہ کے اثنا میں آپ نے اپنے ایک اور شخص سے جو مسلمانوں میں سے تھا مگر آپ سے سخت عداوت رکھتا تھا اعلیٰ درجہ کے عفو کا سلوک کیا۔ یہ صاحب جیسا کہ مَیں اوپر بیان کر چکا ہوں عیسائیوں کی طرف سے حضرت مسیح موعودؑ کے برخلاف شہادت دینے کے لئے پیش ہوئے اور مولوی فضل دین صاحب وکیل نے اُنپر جرح کرتے ہوئے ایک سخت حملہ انپر کرنا چاہا مگر حضرت مسیح موعودؑ نے وکیل مذکور کو رُوک لیا آپ ایسے رحیم و کریم تھے کہ آپ نے پسند نہ کیا کہ اُن کا ایسا سخت دشمن بھی جو بوجہ سخت عداوت کے عدالت میں عیسائیوں کا حامی ہو کر ایک سنگین مقدمہ میں آپ کے برخلاف شہادت دینے کے لئے آیا تھا مجسٹریٹ اور دیگر معزز حاضرین کے سامنے کسی قسم کی خجالت میں گرفتار ہو وہ وکیل غیر احمدی ہے اور اسوقت تک لاہور میں زندہ موجود ہے۔ اور وہ گواہی دے سکتا ہے کہ کس طرح حضرت مسیح موعودؑ نے اپنے شدید ترین دشمن کے بارے میں عفو اور ستاری سے کام لیا۔

اگر جناب مولوی ابو احمد صاحب رحمانی کو یہ اعتراض ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان مخالفوں کی تردید کیوں کی تو یہ اعتراض اُنکو قرآن شریف پر بھی کرنا چاہیئے کیونکہ اگر انہوں نے تردید کی تو قرآن شریف بھی مخالفانِ اسلام کی تردید کرتا بلکہ اُنکے متعلق سخت الفاظ بھی استعمال کرتا ہے اور یہ سخت الفاظ بالکل سچے تھے کیونکہ وہ عین واقعات کے مطابق تھے۔ مولوی صاحب کی آگاہی کے لئے مَیں یہاں قرآن شریف کی ایسی چند آیات نقل کرتا ہوں جو کفار مکہ کے حق میں مکی زمانہ میں نازل ہوئیں۔ مولوی صاحب کو اس بات سے انکار نہیں ہو سکتا کہ سورۃ المدثر کی ذیل کی آیات کریمہ ولید بن مغیرہ کے حق میں نازل ہوئی ہیں۔ ذرنی ومن خلقت وحیدا

وجعلت له مالا ممدودا و بنین شهودا و مهدت له تمهیدا ثم یطمع ان ازید
کلا انه کان لاٰیتنا عنیدا سارهقه صعودا انه فکر و قدر فقتل کیف
قدر ثم قتل کیف قدر ثم نظر ثم عبس و بسر ثم ادبر و استکبر فقال
ان ھذا الا سحر یؤثر ان ھذا الا قول البشر ساصلیه سقر - ان آیات کا
ولید بن مغیرہ کی طرف اشارہ ہے اسکے دو لقب مکہ میں مشہور تھے ایک وحید - اور دوسرا ریحانہ قریش
یہ اپنے شعر و سخن اور منطق کی خوشنمائی میں شہرت رکھتا تھا - مال و فرزند بھی اسکے زیادہ تھے - چونکہ نامی
شاعر تھا اسلئے جب لوگوں نے اس سے قرآن شریف کی نسبت پوچھا تو اس نے اٹکل دوڑائی -
اور کہا کہ یہ تو جادو ہے - اسکے حق میں خدائے تعالیٰ فرماتا ہے وہ تو ہماری آیتوں کا منکر ہے میں اسکو
عنقریب دوزخ میں صعود پر چڑھاؤں گا کیونکہ جب اس سے قرآن کے بارہ میں پوچھا گیا تو)
سوچنے لگا اور اٹکل دوڑائی - اسپر خدا کی مار کیا اٹکل دوڑائی - پھر اسپر خدا کی مار کیسی اٹکل دوڑائی
پھر سوچا - پھر تیوری چڑھائی اور منہ بنا لیا پھر پیٹھ پھیر کر چلتا ہوا اور شیخی میں آگیا کہنے لگا یہ قرآن جادو
ہے - یہ آدمی کا کلام ہے - میں عنقریب اسکو دوزخ میں جھونک دونگا -

پھر ولید بن مغیرہ کی طرف سورہ القلم میں مندرجہ ذیل الفاظ میں اشارہ کیا گیا ہے ولا تطع
کل حلاف مھین ھماز مشاء بنمیم مناع للخیر معتد اثیم عتل بعد ذلک
زنیم ان کان ذا مال و بنین اذا تتلی علیه اٰیتنا قال اساطیر الاولین سنسمه
علی الخرطوم (ترجمہ) اور اسکی بات مت سن جو بہت قسمیں کھاتا ہے - چھوٹا یا بدکار یا ذلیل) عیب
جو (یا طعنے مارنے والا) چغلخور اچھے کام سے روکنے والا - حد سے بڑھ جانیوالا - بڑا گنہگار - اکھڑ (ظالم یا
بڑا بہت کھانیوالا) ان سب باتوں کے سوا بدذات - یہ ساری باتیں اس وجہ سے ہیں کہ وہ بیٹے والا
ہے بیٹے رکھتا ہے جب ہماری آیتیں اسکو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو کہتا ہے یہ اگلے لوگوں کی کہانیاں
ہیں ہم اب اسکی سونڈ (ناک) پر داغ لگائیں گے -

مجھے قرآن شریف سے اس قسم کی اور آیتیں نقل کرنے کی ضرورت نہیں - مولوی صاحب خود
قرآن شریف کا مطالعہ فرما سکتے ہیں -

ہاں میں مولوی صاحب کی خدمت میں اتنا عرض کرتا ہوں کہ آپ یہ تو شکایت کرتے ہیں کہ حضرت

مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مخالفوں کی ایذادہی اور استہزاء کے مقابل میں تحمل اور بردباری سے کام نہیں لیا مگر یہ خیال نہیں کیا کہ وہ ایذا دینے والے اور استہزاء کرنیوالے کون لوگ ہیں۔ ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اگرچہ اس ایذادہی اور استہزاء میں دوسری قومیں بھی شریک ہیں مگر جسقدر حصہ اس کام میں مسلمانوں نے اور خصوصاً مولوی صاحبان نے لیا ہے اُسقدر حصہ اور کسی قوم نے نہیں لیا۔ مولوی صاحب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر تو بڑھ بڑھ کر اعتراض کرتے ہیں مگر اپنے بھائیوں کی کارروائی پر نظر نہیں کرتے کہ انہوں نے اس زمانہ میں وہی کام کیا جو حضرت مسیح ناصری علیہ وعلیٰ نبینا الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں یہودیوں نے کیا تھا۔ استہزاء کرنیوالے کیسے لوگ ہوتے ہیں اُن کی نسبت میں اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا۔ خدائے تعالیٰ کا کلام مولوی صاحب کو سُناتا ہوں۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے وما یأتیھم من رسول الا کانوا بہ یستھزء ون کذلک نسلکہ فی قلوب المجرمین اور جب اُنکے پاس کوئی رسول آتا ہے تو وہ اُس سے استہزاء سے پیش آتے رہے۔ ایسے ہی ہم مجرموں کے دلوں میں (استہزاء) ڈال دیتے ہیں۔ اب مولوی صاحب فرما دیں کہ آپکے بھائی صاحبان نے کن لوگوں کا حصہ لیا۔ متقیوں کا یا مجرموں کا۔

پھر مولوی ابو احمد صاحب رحمانی فرماتے ہیں کہ حضرت مسیح موعودؑ کا دعویٰ نبوت درست نہیں ہو سکتا کیونکہ انہوں نے اپنے مخالفوں پر موٹے موٹے اور لمبے حروف میں لعنتوں کی قطار برسائی اور اُن کو بندر اور سؤر بنایا۔ مولوی ابو احمد صاحب کے معیار بالکل نرالے ہیں۔ مولوی صاحب! آپنے کہاں پڑھا کہ نبی اور رسول اپنے منکرین پر لعنت نہیں کیا کرتے اور جو نبی اپنے مخالفین کے حق میں سخت لفظ استعمال کرتا ہے وہ سچا نبی نہیں ہو سکتا۔ معلوم نہیں ہمارے زمانہ کے مولوی قرآن شریف سے ایسے بے خبر کیوں ہیں۔ اگر مولوی صاحب کو خبر نہیں تو میں اُن کو قرآن شریف کی ایک آیت سناتا ہوں۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے لُعن الذین کفروا من بنی اسرائیل علیٰ لسان داؤد وعیسی ابن مریم ذلک بما عصوا وکانوا یعتدون۔ دیکھئے یہاں ایسے دو نبیوں کا ذکر ہے جنہوں نے اپنی قوم پر لعنت کی تھی اور یہ لوگ بنی اسرائیل میں سے تھے۔ اور لعنت کی وجہ خدائے تعالیٰ یہ بیان فرماتا ہے کہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے نکلنے والے تھے اب میں مولوی صاحب سے پوچھتا ہوں کہ کیا یہ دونوں نبی سچے نبی نہ تھے

مخالفین پر لعنت

اور کیا وہ لوگ جن پر یہ لعنت پڑی توریت اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانیکے مدعی نہ تھے۔ انہوں نے اپنے زمانہ کے رسول کا انکار کیا اور پھر اسی پر بس نہ کی بلکہ عصیان اور اعتداء کے مرتکب ہوئے تب خدا کے دو برگزیدہ نبیوں نے انپر لعنت کی اگر وہ صرف انکار پر اکتفا کرتے اور عصیان اور اعتداء کے مرتکب نہ ہوتے تو اگرچہ وہ اپنے زمانہ کے رسول کے منکر ہونے کی وجہ سے کفر کے فتوے کے نیچے آگئے تھے مگر نبی کی طرف سے لعنت کا تحفہ اُنکو نہ دیا جاتا پس ایسا ہی اگر اس زمانہ کے بعض لوگ اعتداء اور عصیان کے مرتکب ہو کر لعنت کے نیچے آگئے تو اس میں خدا کے مسیح کا کیا قصور۔ یہ لعنت تو لوگوں نے خود حاصل کی۔ اور اس طرح نہ صرف حضرت مسیح موعود کی حضرت مسیح ناصری علیہما الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مماثلت ثابت کردی بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیشگوئی کو بھی پورا کردیا جس میں آپ نے خبر دی تھی کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا جس میں میری اُمت کے بعض لوگ یہودیوں سے مشابہت تامہ حاصل کرینگے اور کوئی کام ایسا نہ رہے گا جو یہودیوں میں سے کسی فرد نے کیا ہو اور اس اُمت کے بعض لوگ اُس کو نہ کریں۔ سو اس پیشگوئی کا پورا ہونا ضروری تھا اور چونکہ یہود میں بعض لوگ ایسے بھی تھے جو اپنے عصیان اور اعتداء کی وجہ سے حضرت مسیح ناصری علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان پر لعنت کیے گئے اسلیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے مطابق اس اُمت میں بھی بعض افراد ایسے بدقسمت نکلے جنہوں نے مسیح قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقابل میں عصیان اور اعتداء سے کام لیکر وہی حصہ پایا جو حضرت مسیح ناصری علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ کے یہود نے حاصل کیا پس مولویصاحب۔ یہ تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کی ایک دلیل ہے اگر آپ اس وجہ سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا انکار کرتے ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ آپ حضرت مسیح ناصری علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت سے انکار کریں۔ آخر یہ مسیح تو اُسی پہلے مسیح کے نقش قدم پر آیا ہے اسلیئے اُس سے مماثلت ضروری تھی پس اگر اس زمانہ کے بعض بدقسمت لوگوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان پر وہی چیز حاصل کی جو پہلے زمانہ کے یہود نے حضرت مسیح اسرائیلی علیہ علی نبینا الصلوٰۃ والسلام کی زبان پر حاصل کی تھی تو انہوں نے نہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کو پورا کیا بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حضرت مسیح اسرائیلی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کا مثیل ہونا ثابت کردیا۔ تعجب ہے کہ مولوی صاحب اُسی بات کو اعتراض کے رنگ میں پیش کرتے ہیں جو حضرت مسیح موعود

علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کا ایک ثبوت ہے۔ باقی رہا کہ ایسے لوگ خدا اور رسول کے ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ سو اس کے متعلق عرض ہے کہ کیا وہ یہود جن پر حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اور ان کے بعد حضرت مسیح ابن مریم علیہما الصلوٰۃ والسلام نے لعنت کی تھی خدا اور رسول کے ماننے کے مدعی نہ تھے۔ اس زمانہ کے مسلمانوں کی طرح وہ بھی یہی دعویٰ کرتے تھے کہ ہم خدا کو مانتے ہیں اور اُسکے رسول موسیٰ علیہ السلام کو سچا نبی قرار دیتے ہیں۔ مگر باوجود اس دعوے کے وہ لعنت کے مستحق ہو گئے مولویصاحب! صرف زبان سے دعویٰ کرنا اس بات کی کوئی دلیل نہیں کہ ایسا دعویٰ کرنیوالا واقعی سچا مومن ہے۔ کیا قرآن شریف میں ایسے لوگوں کا ذکر آپ نہیں پاتے جن کی نسبت خدائے تعالےٰ فرماتا ہے کہ وہ دعویٰ تو کرتے ہیں کہ ہم مومن ہیں اور اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لاتے ہیں اور رسول کو بھی ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں مگر خدا کے نزدیک وہ مومن نہیں۔ مولوی صاحب۔ آپنے سورۃ البقرۃ کا دوسرا رکوع تو ضرور پڑھا ہوگا کیا اس میں خدائے تعالیٰ یہ نہیں فرماتا ومن الناس من یقول اٰمنا باللہ وبالیوم الاٰخر وما ھم بمؤمنین۔ پھر ایک اور سورۃ میں خدائے تعالیٰ فرماتا ہے قالوا نشھد انک لرسول اللہ واللہ یعلم انک لرسولہ واللہ یشھد ان المنٰفقین لکٰذبون۔ پھر مولوی صاحب! بتلایئے کہ جن لوگوں کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی کہ انمیں یہود کے صفات پیدا ہو جائیں گے اور یہودیوں کے تمام افعال اُن سے سرزد ہونگے کیا وہ لوگ یہ دعویٰ کرنے والے نہ ہونگے کہ ہم اللہ اور رسول کو مانتے ہیں پس جب یہودی بننے والے وہی لوگ تھے جو اللہ اور رسول پر ایمان لانے کے مدعی تھے تو لعنت حاصل کرنیوالے بھی ایسے ہی لوگ ہونے چاہئیں تھے۔ کیونکہ لعنت کا حاصل کرنا تھے یہودی بننے کا ایک ثمرہ تھا جو انہیں حاصل ہوا۔

پھر کیا مولوی صاحب کو یہ بھی معلوم ہے کہ وہ لعنت کی قطاریں کن لوگوں کے برخلاف لکھی گئیں اور ان کا واقع ہونا کن شرائط کے ساتھ مشروط کیا گیا تھا جہاں تک مجھے اسوقت یاد ہے تین کتابوں میں ایسی لعنتیں لکھی گئی ہیں ایک نور الحق میں اور دو مسیحیوں کے برخلاف ہیں۔ اور جن حالات کے ماتحت وہ لکھی گئیں وہ یہ ہیں کہ بعض پادریوں نے جو اسلام سے مرتد ہو کر مسیحی گروہ میں داخل ہو گئے تھے امریکہ کی ایک مذہبی کانگریس میں یہ مضمون پیش کیا کہ ہم لوگ پہلے

مسلمان تھے اور ہم عربی زبان سے خوب آگاہی رکھتے ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ قرآن شریف کا ایک بے نظیر
کلام ہونے کا دعویٰ بالکل جھوٹا ہے۔ بے نظیر ہونا تو کجا وہ فاش غلطیوں سے بھرا ہوا ہے اور وہ کسی
طرح خدا کا کلام نہیں ہو سکتا۔ یہ ایک سخت دھوکہ تھا جو مغربی لوگوں کو دیا گیا۔ گویا انہوں نے یہ سنایا کہ ہم عربی
زبان کے ماہر ہیں اور ہم علیٰ بصیرت جانتے ہیں کہ یہ ایک غلط اور غیر فصیح عبارت ہے اور اسی لئے ہم نے
اسلام کو اور اسلام کے نبی کو ترک کیا اور یسوع مسیح کی خدائی پر ایمان لائے۔ اس کے مقابل پر حضرت
مسیح موعودؑ نے ایک کتاب عربی زبان میں تصنیف فرمائی اور ان پادریوں کو جو مولوی ہونے کا دعویٰ
کرتے تھے اور اپنے آپ کو اس قابل ظاہر کرتے تھے کہ قرآن شریف کی زبان پر نکتہ چینی کریں یہ
چیلنج دیا کہ اگر تم واقعی عربی جانتے ہو اور اپنے تئیں اس قابل سمجھتے ہو کہ قرآن شریف کی فصاحت
و بلاغت پر اعتراض کرو تو آؤ قرآن شریف کے ایک ادنیٰ غلام کے ساتھ مقابلہ کرو اور میری
اس کتاب کے مقابل میں ایک فصیح عربی میں کتاب لکھو تا یہ ثابت ہو کہ واقعی تم عربی زبان میں مَس
رکھتے ہو اور فی الحقیقت تم اس قابل ہو کہ قرآن شریف کی زبان پر نکتہ چینی کرو۔ لیکن اگر تم قرآن شریف
کے ایک خادم اور رسول عربی صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وخلفاءہ وبارک وسلم کے ایک غلام کے
مقابل میں بھی نہ نکلو گے تو پھر یہ ظاہر ہو جائے گا کہ تم اپنے دعوے میں جھوٹے ہو اور تمہارا یہ ظاہر کرنا
کہ ہم اس قابل ہیں کہ قرآن شریف کے کلام پر نکتہ چینی کر سکیں ایک دھوکہ ہے۔ اور اگر تم اسکے بعد بھی
اپنی دروغ گوئی سے باز نہ آئے اور لاجواب ہونیکے بعد بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ
وخلفاءہ وبارک وسلم کی توہین اور قرآن شریف کے بارہ میں اپنی ہرزہ درائی سے باز نہ آئے تو پھر
ان لعنتوں سے جو ذیل میں لکھی جاتی ہیں ڈرو۔ مولویصاحب فرمائیے کیا یہ لوگ بھی آپکے نزدیک
اللہ اور رسول کے ماننے والے ہیں۔ آپ خود ہی فرماویں کہ ایسے لوگوں کی نسبت قرآن شریف کا کیا
فتویٰ ہے۔ دوسری کتاب جسمیں حضرت مسیح موعودؑ نے دس لعنتیں لکھی ہیں وہ آئینہ کمالات اسلام ہے
اسمیں ایک شخص کے سامنے جس نے آپ کو کاذب اور دجال مشتہر کیا۔ قرآن شریف کی بنا پر ایک
طریق فیصلہ پیش کیا ہے اور لکھا ہے کہ اگر وہ اس کھلے کھلے فیصلہ کو منظور نہ کریں اور بھاگ جائیں
اور خطا کا اقرار بھی نہ کریں تو انکے لئے خدائے تعالیٰ کی عدالت کی دس لعنتوں کا انعام ہے۔ اب
مولویصاحب فرماویں کہ ایک شخص دوسرے کو جھوٹا اور دجال قرار دیتا ہے اور اسطرح خلق خدا کو

گمراہ کرتا ہے اور پھر طریق فیصلہ کی طرف بھی نہیں آتا اور نہ اپنے خطا کا اقرار کرتا ہے تا لوگ دھوکہ سے بچ جاویں تو پھر ایسے آدمی کی نسبت قرآن شریف کا کیا فتویٰ ہے۔ مامور من اللہ کو اس بات کا طبعاً بڑا فکر ہوتا ہے کہ لوگ گمراہی سے بچ جاویں اسلیئے وہ ایسا طریق اختیار کرتا ہے جس سے لوگوں کے سامنے حق اور باطل میں فرق ظاہر ہو جاوے اور لوگ دھوکہ کھانے سے بچ جائیں۔ ایسا شخص خدا کی نظر میں کس قدر گنہگار ٹھہرتا ہے جو لوگوں کا لیڈر ہونیکا مدعی ہے اور عالم و فاضل کے نام سے مشہور ہے اور وہ لوگوں کو کہتا ہے کہ یہ مدعی نبوت مفتری اور دجال ہے اسکے نزدیک مت جاؤ۔ اس صورت میں کیا مامور من اللہ کا یہ فرض نہیں کہ وہ کوئی ایسی راہ تجویز کرے جس سے افترا کا الزام لگانیوالے کا کذب ظاہر ہو جاوے اور لوگوں پر یہ امر واضح ہو جاوے کہ خدا کے مامور کو دجال کہنے والا جھوٹا ہے۔ پس اگر حضرت مسیح موعودؑ نے ایک ایسے ہی شخص کو مجبور کیا کہ وہ ایسے فیصلہ کی طرف آئے جس سے حق و باطل میں فرق ہو جاوے اور لوگوں کو معلوم ہو جاوے کہ صادق کون ہے اور دجال کون ہے کیا ایک دنیا کا گمراہ ہو جانا ایک چھوٹی سی بات ہے۔ کیا مامور من اللہ کا یہ فرض نہیں ہے کہ وہ دجال کہنے والوں کا جھوٹ ظاہر کر دے تا لوگ دھوکہ سے بچ سکیں اور گمراہی میں نہ پڑیں اور ان پر کھل جائے کہ جس نے دجل اور افترا کا الزام لگایا تھا وہ اپنے بیان میں جھوٹا تھا۔ پس اسی فرض کو ادا کرنے کے لیئے حضرت مسیح موعودؑ نے اپنے بعض خاص دشمنوں کو جنکا اثر بہت لوگوں پر پڑ سکتا تھا ایک فیصلہ کے لیئے بلایا اور ان کو سنا دیا کہ اگر تم کھلے کھلے فیصلہ کی طرف نہ آؤ گے اور نہ دجال و مفتری کہنے سے رکو گے تو یاد رکھو کہ خدائے تعالیٰ کے دربار سے لعنت کا انعام تمکو دیا جائے گا۔ اس طریق میں دو قسم کا فائدہ عظیم تھا ایک فائدہ تو اس الزام لگانیوالے کے نفس کے لیئے تھا تا وہ خدائے تعالیٰ کے عذاب سے ڈرے اور خدا کے مامور کو دجال اور کاذب کہنے میں جلدی نہ کرے بلکہ تقوےٰ سے کام لے تا ایسا نہ ہو کہ کہیں خدائے تعالیٰ کی لعنت کے نیچے آجائے۔ پس حضرت مسیح موعودؑ کا اپنے بعض مخالفین کو یہ کہنا کہ اگر تم طریق فیصلہ کی طرف نہ آؤ گے اور نہ اپنی روش کو چھوڑو گے تو خدا کی لعنت سے ڈرو یہ ان مخالفوں پر ایک قسم کا رحم تھا تا وہ غور کریں اور جلدی کر کے اپنے تئیں اور نیز دوسرے لوگوں کو ہلاکت کے گڑھے میں نہ پھینک دیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف میں خدائے تعالیٰ منکروں کو بار بار عذاب سے ڈراتا ہے اور نبی بھی اسی لیئے

مولوی ثناء اللہ کے اعتراض کی اصلیت

آتے ہیں تا لوگوں کو خدا کے عذاب اور لعنت سے ڈرائیں اور کئی لوگ اس سے فائدہ بھی اٹھاتے ہیں۔ پس اگر حضرت مسیح موعودؑ نے اسی طریق پر عمل کیا تو مولوی ابو احمد صاحب کیوں اعتراض کرتے ہیں پس ایک فائدہ تو اس سے یہ ہے افترا کا الزام لگانے والا خود خدا سے ڈرے اور تقویٰ سے کام لے تا لعنت کا شکار نہ ہو جاوے دوسرا فائدہ اس طریق میں یہ ہے کہ حق کے طالبوں پر حق کھل جاتا ہے۔ یا تو وہ شخص جو جرات کرکے افترا اور دجل کا الزام لگاتا ہے خدا کی لعنت سے ڈرکر تقویٰ سے کام لیتا ہے اور اپنی خطا کا اقرار کر لیتا ہے جس سے حق کے طالبوں پر کھل جاتا ہے کہ اُس کا الزام جھوٹا تھا اور اگر وہ شخص اپنی خطا کا اقرار نہ کرے تو پھر دو صورتیں ہونگی یا تو وہ اُس کھلے کھلے فیصلہ کی طرف آجائے گا اور اس طرح حق اور باطل میں فرق ہو جائے گا اور اگر وہ اُس کھلے فیصلہ کی طرف نہ آئے تو اُس کا گریز کرنا حق کے طالبوں پر یہ ظاہر کر دیگا کہ وہ حق پر نہیں ہے کیونکہ اگر وہ حق پر ہوتا تو ہرگز گریز اختیار نہ کرتا خصوصاً جبکہ گریز کی صورت میں لعنت جیسا خطرناک انعام اُسکے آگے پیش کیا گیا ہو۔ پس باوجود لعنت کے خوف کے اُس کا گریز کرنا حق کے طالبوں پر اُس کا باطل پر ہونا ظاہر کر دیتا ہے۔

تیسری کتاب جس میں ذیل لعنتوں کی فہرست دی گئی ہے وہ اعجاز احمدی ہے اور وہ بھی بعینہٖ اُسی قسم کی صورت ہے جیسے اوپر مذکور ہوئی۔

مدح کے الہامات کیوں شائع کیے

پھر ایک اور اعتراض مولوی ابو احمد صاحب حضرت مسیح موعودؑ پر یہ کرتے ہیں کہ وہ اپنی مدح کے الہامات شائع کرتے ہیں حالانکہ یہ طریق انبیاء کا نہیں ہے۔ معلوم نہیں مولویصاحب نے نبوت کے یہ معیار کہاں سے جمع کیے ہیں اور کس الہامی کتاب میں انہوں نے یہ پڑھا ہے کہ جو نبی اپنی مدح کے الہامات لوگوں میں شائع کرتا ہے وہ سچا نبی نہیں ہو سکتا۔ مولویصاحب! اگر آپ کا یہ معیار درست ہے تو پھر اور تو اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے آپکو انکار کرنا پڑیگا کیونکہ قرآن شریف میں ایسے الہامات موجود ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح پائی جاتی ہے۔ اُمید ہے کہ مولوی صاحب کو اس امر سے انکار نہیں ہوگا۔ اگر انکو انکار ہو تو ایسی آیات قرآنی پیش کیجا سکتی ہیں۔ پھر کیا مولویصاحب آپ کو قرآن شریف کا یہ حکم یاد نہیں واما بنعمت ربك فحدث کیا آپ کو اُن احادیث کا علم نہیں جن میں آپ نے اس امر الٰہی کی تعمیل فرمائی۔ اور ایسی نعمتوں کا اظہار فرمایا جو دوسرے لوگوں اور دیگر انبیاء سے بڑھکر آپ کو خصوصیت کے ساتھ عطا کی گئی تھیں۔ کیا آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کا یہ فرمانا یاد نہیں انا سید ولد آدم ولا فخر۔ تعجب ہے خدائے تعالیٰ تو یہ فرمائے واما بنعمت ربك فحدث۔ اور مولویصاحب اعتراض کریں کہ مدح کے الہامات شائع کرنیوالا نبی نہیں ہو سکتا۔

پھر ایک اور اعتراض مولویصاحب یہ کرتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے مخالفوں کو بندر اور سؤر کہا اسلیئے وہ سچے نبی نہیں ہو سکتے۔ مولویصاحب کے اعتراضات کو پڑھکر شک گذرتا ہے کہ شائد مولویصاحب نے کبھی قرآن شریف کو پڑھا ہی نہیں اور اگر کبھی پڑھا ہے تو اب بالکل دماغ سے نکل گیا ہے اور بالکل نسیاً منسیا ہو گیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جتنے انبیاءؑ گذرے اُنہیں سے کسی نے موٹے موٹے اور لمبے حرفوں میں لعنتوں کی قطار نہیں برسائی" "نہ کسی مخالف کو بندر اور سؤر بنایا" حالانکہ انبیاءؑ کے مخالفوں کا بندر اور سؤر بننا قرآن شریف میں کھُلے الفاظ میں لکھا ہُوا ہے۔ اگر مولویصاحب کو معلوم نہیں تو مَیں اُنکو سُنا دیتا ہوں قل یاھل الکتٰب ھل تنقمون منا الا ان اٰمنا باللہ وما انزل الینا وما انزل من قبل وان اکثرکم فٰسقون۔ قل ھل انبئکم بشر من ذٰلك مثوبۃ عند اللہ من لعنہ اللہ وغضب علیہ وجعل منھم القردۃ والخنازیر وعبد الطاغوت اولٰٓئك شر مکانا واضل عن سواء السبیل (اے پیغمبرؐ) کہدے کتاب والو تم ہم میں کچھ نہیں مگر یہی عیب نکالتے ہو کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اور جو ہم پر اُترا اُسپر اور جو ہم سے پہلے اُترا اُسپر ایمان لائے اور یہی کہ تم میں اکثر فاسق ہیں (اے پیغمبرؐ) کہدے میں تمکو وہ دین والے بتلاؤں جن کو اللہ تعالےٰ کے پاس سے بُرا بدلہ ملنے والا ہے جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی اور اُنپر غصہ ہُوا اور اُن میں سے کتنوں کو بندر اور سؤر بنا دیا اور جنہوں نے شیطان کو پوجا (مائدہ - ۹) دیکھیئے مولویصاحب! یہاں خدا تعالےٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیتا ہے کہ تو اہل کتاب کو سُنا دے کہ تمپر خدا کی لعنت اور خدا کا غضب ہُوا اور خدا نے تمھیں بندر اور سؤر بنا دیا۔ اب کیا اُس زمانہ کے اہل کتاب آپ کی طرح یہ اعتراض کر سکتے تھے کہ یہ کیسے سچا نبی ہو سکتا ہے یہ تو اپنے مخالفوں کو ملعون اور بندر اور سؤر کہتا ہے کیا اب بھی آپ یہی کہیں گے کہ آپ کا یہ اعتراض بالکل بجا ہے اور جو مامور من اللہ اپنے مخالفوں کو ملعون اور بندر اور سؤر کہے وہ سچا نبی نہیں ہو سکتا۔ مولویصاحب! کچھ تو سوچکر بات کرنی

بندر اور سؤر

چاہیئے۔ آپ کی باتیں تو دُور چلی جاتی ہیں۔ پھر مولوی صاحب! آپ نے یہ بھی سوچا کہ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے زمانہ کے اہل کتاب کو آیات مندرجہ بالا کے الفاظ میں مخاطب کر سکتے تھے ایسا ہی حضرت مسیح موعودؑ بھی اس زمانہ کے مسلمانوں کو یہ کہہ سکتے تھے ھل تنقمون منا الا ان اٰمنا باللہ وما انزل الینا وما انزل من قبل و ان اکثرکم فسقون ۝ یعنی تم ہم میں کچھ نہیں مگر یہی عیب نکالتے ہو کہ ہم اللہ تعالیٰ پر[۲] اور جو الفاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ کے یہود کو فرمائے بعینہٖ وہی الفاظ حضرت مسیح موعودؑ اس زمانہ کے مسلمانوں کو کہہ سکتے تھے۔ اور پھر مولوی صاحب! میں آپ سے ایک اور بات دریافت کرتا ہوں۔ آپ جانتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی تھی کہ آپکی اُمت کے بعض لوگ ایک زمانہ میں یہودی صفت ہو جاوینگے اور جو کام پہلے یہود نے کیئے تھے وہ سب کام یہ لوگ بھی کرینگے۔ جب یہ بات ہے تو کیا یہ ضروری نہیں تھا کہ اس اُمت میں بھی بعض بدقسمت لوگ ایسے پیدا ہوتے جن پر پہلے زمانہ کے یہود کی طرح وجعل منھم القردۃ والخنازیر کی آیت کریمہ صادق آتی۔ تو جب یہ امر ضروری تھا تو پھر آپ کیوں اعتراض کرتے ہیں کہ مسیح موعودؑ نے اپنے بعض مخالفوں کی نسبت یہ الفاظ کیوں استعمال کیئے؟ مولوی صاحب! اس میں حضرت مسیح موعود کا کیا قصور؟ ان سب باتوں کی تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۳۰۰ سال قبل خبر دیدی تھی۔ اور یہ سب امور حضرت مسیح موعودؑ کے وجود کی ضرورت کے شاہد اور اُس کی صداقت کے نشان ہیں اور آپ کو یہی پیرایہ اعتراض کے رنگ میں نظر آتی ہیں۔ آپ کو تو چاہیئے تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر سُنکر حضرت مسیح موعودؑ کے وجود کی ضرورت کو تسلیم کر لیتے۔ کیونکہ بیماروں کے لیئے مسیحا کی ضرورت ہے۔ مولوی صاحب یہ اُمت خیر الامم کس طرح کہلا سکتی ہے جبکہ یہودی تو اسی قوم میں سے پیدا ہوں اور مسیح باہر سے آئے۔ اگر اس اُمت میں مسیحا پیدا کرنے کا مادہ نہیں تو پھر تو یہ اُمت سب سے گری ہوئی ٹھہری۔ کیونکہ یہود خواہ کیسی ہی بُری حالت میں ہو گئے تھے مگر پھر بھی اُن میں ایک ایسی عورت تھی جس کے پیٹ سے ایک مسیحا پیدا ہو گیا۔ تو کیا اُمت محمدیہ اس سے بھی گئی گذری ہے کہ یہود تو ان میں پیدا ہوں مگر مسیحا کیلیئے بنی اسرائیل کی طرف دیکھنا پڑے افسوس آپکی مولویت پر۔

پھر مولوی صاحب ایک اور بڑا بھاری اعتراض پیش کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں " بھلا ہو ذرا نظر

[۲] اور اُس وحی پر جو ہماری طرف اُتاری گئی اور اُس پر جو پہلے اُتاری گئی ایمان لاتے اور تم میں سے اکثر فاسق ہیں

قحط اور وبا

اُٹھا کر دیکھو کہ پچاس برس پہلے یعنی مرزا صاحب کی کمسنی میں غلہ کس بھاؤ سے فروخت ہوتا تھا اور اب کیا نرخ ہے۔ مثلاً دودھ اور گھی پہلے کئے سیر بکتا تھا اور مرزا صاحب کی مسیحیت میں کسقدر ہو گیا۔ اُسوقت سیروں کا انداز تھا۔ اور اب چھٹاکوں کا انداز ہے" مولوی صاحب! اگر آپ کو قرآن شریف کی خبر ہوتی تو آپ یہ اعتراض نہ کرتے۔ کیونکہ قرآن شریف کے رُو سے سچے رسول کی ایک یہ بھی علامت ہے کہ اُسکے عہد میں گرانی ہو اور وبائیں پڑیں سو ایک نشان کی آپ خود تصدیق فرما رہے ہیں دوسرے نشان کی زمانہ گواہی دے رہا ہے۔ اگر آپ پوچھیں کہ وہ کونسی قرآنی آیت ہے جس میں مرسلین کیلئے یہ دو امر بطور نشان کے بیان کیئے گئے ہیں۔ تو اُسکے جواب میں عرض ہے کہ مندرجہ ذیل آیت میں یہ دونوں نشان ہر ایک مرسل من اللہ کے لیئے بیان کیئے گئے ہیں۔ اور وہ آیت کریمہ یہ ہے وما ارسلنا فی قریۃ من نبی الا اخذنا اھلھا بالبأساء والضراء لعلھم یضرعون (اعراف - ۱۲) اس آیت کا مولوی وحید الزمان صاحب جو مولوی ابو احمد صاحب رحمانی کی طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مخالف ہیں اس طرح ترجمہ کرتے ہیں (جو خطوط وحدانی کے اندر تشریحی الفاظ لکھے گئے ہیں وہ بھی مولوی وحید الزمان صاحب ہی کی طرف سے ہیں)

ترجمہ" اور ہم نے جب کبھی کسی بستی میں کوئی پیغمبر بھیجا تو وہاں کے رہنے والوں پر ہم نے محتاجی (مثلاً قحط وغیرہ) اور بیماری (طاعون وغیرہ) بھیجی اسلیئے کہ وہ گڑگڑائیں" دیکھیئے اس آیہ کریمہ میں خدائے تعالیٰ یہ اپنی سنت بیان فرماتا ہے کہ ہر ایک رسول کے زمانہ میں ہم دو چیزیں بھیجتے رہے ہیں۔ ایک قحط سالی دوسرے وبا پس اسی سُنت کے مطابق اس زمانہ کے رسول کے وقت میں بھی خدائے تعالیٰ نے ان دونوں چیزوں کو بھیجا۔ اگر آپ صاحبان غور کرتے تو یہ امر حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت کا ایک زبردست نشان تھا مگر پہلے زمانہ کے لوگوں کی طرح آپ لوگوں نے بھی اس نشان سے کچھ فائدہ نہ اُٹھایا بلکہ اسی امر کو اعتراض کے رنگ میں پیش کرتے ہو۔ آپ خود تسلیم کرتے ہیں کہ چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نبوت و رسالت کا دعویٰ کرتے ہیں اسلیئے ان کے دعوے کو گذشتہ انبیاء کے حالات کے مطابق کر کے دیکھنا چاہیئے۔ پس میں کہتا ہوں کہ آپ مقابلہ کر کے دیکھ لیں حضرت مسیح موعودؑ میں تو نبیوں اور رسولوں کی ساری شانیں چمکتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ مگر پھر بھی آپ لوگ نہیں مانتے۔ بلکہ اُنکے مقابل میں وہی باتیں کہتے ہو جو پہلے لوگ کہ گئے جیسا کہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے

بل قالوا مثل ما قال الاوّلون - خدائے تعالیٰ سچ فرماتا ہے - کذٰلک قال الذین من قبلھم مثل قولھم تشابھت قلوبھم قد بینا الاٰیٰت لقوم یوقنون۔

مولویصاحب! آپ لوگ تو اپنی ہی باتوں اور کارروائیوں سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کی گواہی دے رہے ہو - کیونکہ آپنے اس مامور من اللہ کے مقابل میں وہی کچھ کرکے دکھا دیا جو پہلے مامورین کے مخالف کیا کرتے تھے - پس اگر آپ صاحبان نے مسیح موعودؑ کی صداقت کا نشان دیکھنا ہے تو اپنے نفسوں پر غور کرو جیسا کہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے - وفی انفسکم افلا تبصرون

مسیحی دنیا کا ایک تنگ وتار ایک پہلو

(ایک احمدی کے قلم سے)

خودکشی بھی مسیحی دنیا کی تہذیب کا ہی ایک کرشمہ ہے - مہذب عیسائیوں میں اس مرض کی گرم بازاری بڑی تحیر خیز ہے - مثال کے طور پر میں ناظرین کے سامنے اخبار لینیسٹ کا ایک اقتباس پیش کرتا ہوں - جس میں صرف شہر وی آنا میں اس مرض کے بھینٹ چڑھنے والوں کا اندازہ کیا گیا ہے - اخبار مذکور کا ایک نامہ نگار لکھتا ہے "نقشہ تعداد وشمار اموات خودکشی ظاہر کرتا ہے - کہ صرف شہر وی آنا میں خودکشی سے اس سال ۱۵۵۸ جانیں تلف ہوئیں - سال گذشتہ کی تعداد ۱۴۷۰ تھی - قابل ذکر بات یہ ہے کہ اس اضافہ کی ذمہ وار زیادہ تر عورتیں ہیں - جنکی تعداد گذشتہ سال کی تعداد ۵۱۰ کے مقابل امسال ۶۲۷ ہے - مردوں نے بھی اضافہ تو کیا مگر صرف ۳۵ جانوں کا" اس سے بظاہر نتیجہ نکل سکتا ہے کہ عورتیں بیشک وشبہ مردوں کے مقابل جسمانی وروحانی تکالیف کی برداشت میں زیادہ نازک اور کمزور واقع ہوئی ہیں - اور وہ روزانہ زندگی کے بوجھ کی تحمل نہیں ہوسکتیں - لیکن اس نقشہ کا ایک دوسرا روح فرسا پہلو یعنی چھوٹے بچوں کا بھی اس مہلک مرض میں گرفتار ہونا ہمیں اوپر کے نتیجہ پہنچے رہنے سے باز رکھتا ہے - سن وسال پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے - کہ ہر عمر کے لوگ اس بلائے نابکار کا شکار ہوتے ہیں سب سے بڑا آدمی

جو اس مرض کا شکار ہوا ۸۸ سال کا بوڑھا تھا اور سب سے چھوٹا ۹ سال کا ایک بچہ تھا۔"

جو صاحب مہذب عیسائی دنیا کی ترقی کو عیسائیت کی پُراثر تعلیم کا نتیجہ سمجھتے ہیں میں ان سے سوال کرنے کا ضرور مجاز ہوں۔ کہ جب مہذب ممالک مسیحیہ میں خودکشی کی یہ نوبت۔ بہ کثرت اس کو عیسائیت ہی کا ثمرہ کیوں نہ کہا جائے۔ مسیحی مذہب ایسا کمزور ثابت ہوا ہے کہ ایک معمولی سے معمولی اور خفیف سے خفیف قباحت کی روک تھام بھی اسکے ضبط اختیار سے باہر نظر آتی ہے۔ اب تو یہ قباحت انکی تہذیب کا ایک دھبہ ہے۔ بھلا جو مرض اس کے اندر سے پھوٹے وہ خود ہی اسکا علاج کرے یہ کیسے ممکن ہے عیسائیوں میں مرض خودکشی کی یہ کثرت۔ کیا اس امر کا ثبوت نہیں۔ کہ ان لوگوں کو کسی آیندہ زندگی کا یقین نہیں معلوم ہوتا ہے۔ کہ عملی طور پر انکا مذہب یہاں تک ہی پہنچتا ہے۔ کہ موت کے ساتھ انسان کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور اس زندگی کے بعد کوئی ایسا عالم نہیں جہاں اعمال کی جزا و سزا ملتی ہو۔ پس کیا ضرور۔ کہ دنیاوی و سفلی مشکلات میں کوئی ہمت دکھا دیں۔ ذرا مشکل کا سامنا ہوا۔ اپنا کام آپ تمام کر دیا۔ گلا ہاتھ سے گھونٹ لیا۔ نہ کوئی مشکل۔ نہ کوئی غم۔ اگر انکو اس بات کا یقین ہو کہ موت کے بعد ایک اور زندگی ہوگی جس میں انکے اس فعل کی انکو سزا دیجاویگی تو وہ ہرگز ایسے فعل کا ارتکاب نہ کریں۔

دوسرا امر جو خودکشی کے رواج سے مستنبط ہوتا ہے یہ ہے کہ ان لوگوں کو خدا کی قدرت اور طاقت پر ایمان نہیں اور نہ اس بات پر یقین ہے کہ ایک ایسی ہستی ہے جو انکی دعا کو سُن سکتی ہے اور ہر ایک مشکل سے اُن کو نجات دے سکتی ہے۔ ذرا سا سفلی اشکال دیکھا۔ نظر دوڑائی۔ دل نے فیصلہ کیا اب راستہ بچنے کا نہیں۔ عالم یاس میں گھبر گئے۔ موت کے سوائے انہیں چھٹکارا کون دے سکتا ہے۔ اگر عیسائیت نے اپنے پیرووں کے دلوں میں قبولیت دعا اور خدا کی قدرت کا یقین مضبوط طور پر گاڑ دیا ہوتا تو اس مرض کا عیسائیت میں نام و نشان نہ ہوتا۔ ایک انسان جسے یہ ایمان نصیب ہے کہ خدائے قدوس کی ذات اس بات پر قادر ہے کہ اسے ہر مشکل سے نجات دے سکے اور یہ کہ وہ اسکی آواز کو اور اسکی دُعا کو سُنتی اور قبول کرتی ہے تو بھلا اسکے پاس یاس پھٹکنے بھی کیوں پاسکتی ہے رسول اللہ صلعم کے کفار مکہ تنگ و تار غار کے مُنہ پہ آ کھڑے ہوتے ہیں۔ اُس غار میں دو پاکیزہ نفس حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پناہ گزین ہیں۔ آپ دونوں باہر کفار کے پاؤں تک آنکھ سے دیکھ رہے ہیں مکہ کا کھوجی غار کے مُنہ پہ اپنا سامنہ لے کے آسمان کی طرف تکتا رہ جاتا ہے

اور مُنہ اُٹھا کے کہ دیتا ہے۔ کہ جن کی ہمیں تلاش ہے وہ یا تو اس غار کے اندر ہیں یا آسمان کی طرف اُٹھائے گئے ہیں۔ اس موقعہ پر جبکہ دشمن اپنے شکار کو غار کے اندر تھوڑی سی نظر دوڑانے سے پا سکتے ہیں۔ رسولِ خدا اپنے ساتھی کو یہ کہکے تسلی دیتے ہیں لا تحزن ان اللہ معنا۔

اسی طرح حضرت موسیٰ کے ساتھی سامنے سمندر اور عقب میں خونی دشمن فرعون گھوڑوں گاڑیوں اور فوجوں کے ساتھ چڑھا آرہا دیکھکر کہ اُٹھتے ہیں انا لمدرکون۔ ہم تو پکڑے گئے حضرت موسیٰ کمال اطمینان سے فرماتے ہیں کلا ان معی ربی سیھدین۔ ہرگز نہیں۔ میرا مولیٰ میرے ساتھ ہے۔ وہ مجھے ضرور کوئی راستہ دکھا دیگا۔

ان دونوں ہی موقعوں پر بظاہر بچ نکلنے کی ذرا گنجائش باقی نہیں۔ اولاً پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنے ساتھی کے ہمراہ غار میں ہیں اور دشمن غار کے مُنہ پر۔ ثانیاً ایک نبی اللہ اور اسکے ہمراہیوں کے سامنے تو ایک بحر پر تلاطم موجزن ہے۔ اور پیچھے دشمن غضب میں بھرا ہوا ماردھاڑ کرتا چلا آرہا ہے۔ ہر دو موقعہ پر تباہی کی تصویر سامنے لٹکتی ہے۔ تاہم اللہ کے دونوں پیارے اپنے مولیٰ کی ذات کامل الصفات پر پورا بھروسہ اور یقین واثق رکھے ہوئے ہیں۔ کہ وہ ذات انہیں دشمن کے ہاتھ پڑنے سے محفوظ رکھے گی۔ اور پھر لطف یہ ہے۔ کہ بظاہر بچنے کی کوئی راہ نظر نہیں آتی۔ اگر کوئی اُمید ہے تو یہی ہے۔ کہ مولیٰ انکے لیئے راہ کھول دے گا۔ اگرچہ آنکھ سے وہ راستہ سردست مخفی ہے۔

یہ دو مثالیں اس بات کے ثبوت میں کیا کم ہیں کہ اللہ کے پیاروں کا اللہ تعالیٰ پر۔ اللہ تعالیٰ کی مدد پر۔ اللہ تعالیٰ کی دستگیری پر کیسا غیر متزلزل ایمان ہوتا ہے۔ اور یہی لوگ اس اعلےٰ شخصیت کی تصویر و خاکہ ہوتے ہیں۔ جو ہمارے لیئے قابل تقلید نمونہ ہوتی ہے۔ رسول مقبولؐ کی نسبت قرآن کریم فرماتا ہے۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ قرآن کریم ایک جگہ اور رقم فرماتا ہے لا تایئسوا من روح اللہ انہ لا ییئس من روح اللہ الا القوم الکفرون لیکن عیسائی اقوام میں خودکشی کی یہ کثرت زبان حال سے پکار پکار کر کہ رہی ہے۔ کہ الرحمن الرحیم خدا کے رحم پر وہ ایمان جس کی قرآن مجید میں خاص طور پر تاکید ہے ممالک عیسویہ میں اس جرم کی خصوصیت سے مفقود ہے۔

یہ بلاد اسلامیہ میں اسکا عنقا ہونا اس مقابلہ کو دیکھکر فطرت طبعاً ہمیں اس فیصلہ پر

پہنچاتی ہے۔ کہ الحمد للہ خدا کے رحم پر جو ایمانی روح اسلام اپنے معتقدین میں پھونک سکتا ہے۔ اسے عیسائیت (عیسائیوں میں پھونکنا تو کیا انکے سامنے پیش کرنے سے بھی عاجز ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ آلہ وسلم نے صرف یہی نہیں کیا کہ اپنے پیرووں کے دلوں میں خدا کی قدرت اور اُسکے مجیب الدعوات ہونے کا یقین ڈالدیا۔ بلکہ بخلاف حضرت مسیح علیہ السلام کے آنحضرت صلعم نے بوضاحت اس خطرناک جُرم سے اپنے پیرووں کو روک بھی دیا آپ فرماتے ہیں من قتل نفسہ بشیئ فی الدنیا عُذّب بہ یوم القیٰمہ۔ جو شخص دنیا میں کسی چیز کے ساتھ اپنے تئیں قتل کرتا ہے وہ اُسی چیز کے ساتھ قیامت کے دن عذاب دیا جائیگا۔ ایک اور جگہ فرماتے ہیں۔ من تردّی من جبل فقتل نفسہ فھو فی نار جھنم یتردّی فیہ خالداً مخلداً فیھا ابداً ومن تحسی سمًا فقتل نفسہ فسمہ فی یدہ یتحساہ فی نار جھنم خالداً مخلداً فیھا ابداً ومن قتل نفسہ بحدیدۃ فحدیدتہ فی یدہ یجابھا فی بطنہ فی نار جھنم خالداً مخلداً فیھا ابداً (بخاری جلد ۴۔ صفحہ ۱۵) یعنی جو شخص پہاڑ سے گر کر اپنے تئیں قتل کرے وہ دوزخ کی آگ میں ہمیشہ ایسا ہی کرتا رہے گا اور جس نے زہر کھا کر خودکشی کی تو دوزخ میں وہی زہر اُسکے ہاتھ پر ہوگی اور وہ اُسکو ہمیشہ کھاتا رہے گا۔ اور جس نے کسی آلہ سے اپنا کام تمام کیا تو دوزخ میں وہی آلہ اُسکے ہاتھ میں ہوگا اور وہ اُسکو ہمیشہ اپنے پیٹ میں گھونپتا رہیگا۔ رسول اللہ صلعم نے یہانتک تو اپنی اُمت کو منع فرمادیا۔ کہ کوئی شخص مصیبت میں موت اپنے منہ سے نہ مانگے۔ موت کی دعا نہ کرے۔ موت کی آرزو کا کلمہ مُنہ سے نہ نکالے۔ آپنے ارشاد فرمایا لایتمنین احدکم الموت من ضر اصابہ فان کان لا بد فاعلا فلیقل اللھم احینی ما کانت الحیاۃ خیرالی وتوفنی اذا کانت الوفاۃ خیرالی۔ یعنی تم میں سے کوئی شخص موت کی تمنا نہ کرے جب اُسکو کوئی تکلیف پہنچے اور اگر اُس نے ضرور دعا کرنی ہی ہو تو اس طرح دعا کرے۔ اے اللہ جب تک جینا میرے لئے اچھا ہے اُسوقت تک مجھے زندہ رکھ۔ اور جسوقت مرنا میرے لئے اچھا ہو

جو برکات ہم نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ حاصل کیں۔ انکا گننا محال ہے۔ اور خودکشی کی دبا سے جس کا مسیحی اقوام میں یہ زور ہے مسلمان خدا کے فضل سے بالکل پاک ہیں۔ یہ صرف فخر کائنات محسن خلق اللہ رسول عربی کا طفیل ہے۔ اور ان احسانات و برکات میں سے۔ دیکھتے ہیں۔ کہ مسیحیوں میں تو اس مرض کی حد ہی نہ رہی۔ اور مشرقی اقوام بھی اس سے صرف جائز ہیں

بلکہ اسے استحسان کی نظر سے دیکھتے ہیں تھوڑا ہی عرصہ ہوا کہ جاپان کے اُس بہادر جرنیل نے جس نے
روس کو شکست دی تھی اپنے بادشاہ کی موت پر خود بھی خودکشی کر لی اگر اُس ملک میں اسلام کا مذہب ہوتا
تو ایسی قیمتی جان ایسی جہالت کا شکار نہ بنتی۔ ہندو عورتیں اپنے خاوندوں کی موت پر خودکشی کر لیتی
ہیں اور یہ بڑی نیکی سمجھی جاتی ہے۔ پر ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات کا جتنا بھی شکریہ
ادا کریں کم ہے۔ اُس پاک وجود نے اس مرض کا بیج اُکھیڑ دیا۔ اور ہمیں صاف بتا دیا۔ کہ ہم کریں تو وہ
جو بھلا ہو۔ نہ کریں تو وہ جو بُرا ہو۔ بجز رسول اکرم کے کسی اور کا نام لینا جس نے اسقدر جامع خیر احکام
نافذ کیئے ہوں حد امکان سے باہر ہے۔ جو کچھ انسان کے لیئے مفید ہو سکتا ہے ان میں سے کچھ
بھی چھوڑا نہیں گیا۔ اور غیر مفید نقصان دہ چیزیں مطلقاً شامل ہی نہیں کوئی ایسی نیکی نہیں جس کے کرنیکا
اُس رحمۃ للعلمین نے حکم نہیں دیا اور کوئی ایسی بُرائی نہیں جس سے آپ نے منع نہیں فرمایا۔
ہر بھلائی جو غیر مذاہب میں کہیں ڈھونڈے مل سکتی ہے۔ قرآن کریم اسے اپنے اندر کہیں بڑھ چڑھ کر لیئے
ہوئے ہے۔ اور ہر بُرائی کی جڑھ تک کھول کھول کر پیش کر دی گئی ہے۔ کہ ہم اس سے بچیں۔

اس زمانہ کی مسیحی تہذیب بجنسہ ایک پھوڑے کے مشابہ ہے۔ جو بظاہر خوشنما اور چمکیلا اور
بدن کے سب باقی حصّہ سے اچھا دکھائی دیتا ہے۔ مگر اندر گندے مواد سے پُر ہے۔ بے انتہا بُرائیاں ہیں
جو مسیحی تہذیب کے چہرے کو سیاہ کر رہی ہیں اور افسوس ہے کہ عیسائیت اس بدی کا علاج کرنے سے
بالکل عاجز ہے۔ اسلام کے معجز نما پاکیزہ دست شفا کے ماسوا اس بدی کا علاج ہونا خیال است و
محال است و جنوں۔ مسیحیوں کا سچّا نجات دہندہ تو رسولِ عربی ہی ہو سکتا ہے۔ اچھا اسی مرض کو
دیکھ لو جس کا ہم اوپر ذکر کر چکے یعنی منحوس خودکشی۔ ہم قرآن مجید فرقان حمید اور رسول اکرم صلعم کے
اقوال و احادیث میں صاف کُھلے احکام پاتے ہیں جو ہمیں خودکشی سے منع کرتے اور اس جُرم کو کبیرہ
گناہ ظاہر کرتے ہیں۔ جسکا مرتکب دائمی عذاب میں گرفتار ہوگا۔ اگر حضرت مسیحؑ نے بھی اس فعل قبیح سے
بچنے کا حکم نافذ کر دیا ہوتا۔ تو کیا مجال تھی کہ یہ بیہودہ مرض مسیحیوں میں اس کثرت سے پھیلتا۔ خود میں نے
ایک مسلمان عورت کو یہ کہتے سنا۔ کہ مجھے کئی دفعہ اپنا کام تمام کرنے کا خیال آیا مگر رسول اکرم صلعم کے
اس فرمان نے کہ جو شخص اپنے تئیں زہر نگلنے سے تباہ کریگا۔ اُسکے ہاتھ میں زہر کا ایک پیالہ پکڑایا جائیگا
جسے وہ جہنم کی آگ میں جلتے ہوئے پیا کریگا۔ اس جُرم کے ارتکاب سے باز رکھا۔ کیونکہ مجھے فکر ہوئی کہ

افکار و اندوہ کا خاتمہ کرنا تو کہیں رہا خودکشی تمہیں اُن میں دوام کے لیئے گاڑ دیگی۔ یہی وہ خوف تھا جس نے اس عورت کو خودکشی سے باز رکھا۔ اور یہ عورت آخرت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان رکھنے سے ایک مہلک قدم اُٹھانے سے محفوظ رہی۔ ہر ایک شخص کے دل میں یہ خواہش ضرور پیدا ہوگی۔ کہ یہ مسیحی مرد اور عورتیں جو اپنی اس دنیا کی زندگی کو اپنے ہاتھوں ختم کر دینے سے اپنی مصائب کا خاتمہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ لوگ کاش اس مسلمان عورت کے ایمان سے حصہ لیتے۔ اگر عیسائیوں کو اس عورت جتنا ایمان بھی نصیب ہوتا۔ تو وہ اس سے محفوظ رہتے۔ لیکن یہ ایمان اس سردار انبیاءؑ کی حلقہ بگوشی کی بدولت ہی نصیب ہو سکتا ہے۔ جو تیرہ سو سال ہوئے جزیرہ نما عرب کی صحرا میں ظاہر ہوا۔ اُس نے عملی طور پر دکھا دیا کہ دنیا کا نجات دہندہ وہ تھا۔ نہ کوئی اور۔ اور اگر مسیحی ممالک اُن امراض سے پاک ہونا چاہیں جو انکی دلربا آبادیوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ تو کیا ہے۔ اسلامی نبیؐ کی حلقہ بگوشی اختیار کریں نجات دروازہ پر کھڑی ہے ۔۔ (راقم ایک احمدی)

رپورٹ ماہوار صدر انجمن احمدیہ قادیان بابت ماہ دسمبر ۱۹۱۳ء

صیغہ یتامیٰ۔ آمد ماہ نومبر ۱۹۱۳ء ما ہے آمد ماہ دسمبر ۱۹۱۳ء ۱۱ (عہ)۔ صیغہ یتامیٰ کی آمد اس ماہ میں بہ نسبت گذشتہ ماہ کے پستی کی حالت میں ہے گذشتہ ماہ میں حضرت خلیفۃ المسیحؑ کے ارشاد کی طرف احباب اور اخوان کو متوجہ کیا گیا تھا کہ خرچ ماہوار یتامیٰ کا دو سو روپیہ سے اوپر ہو رہا ہے اور آمد ما ہے ہے جس کا کوئی اثر نہیں ہوا ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔

۔۔ ۔۔ مگر ہماری دینی توجہ اس بات پر منحصر نہیں ہونی چاہیئے کہ کسی کی یاددہانی یا تاکید اسکی محرک ہو سب دوست خوب جانتے ہیں کہ قادیان میں یتامیٰ اور مساکین کی پرورش کا ایک خاص اہتمام ہے پھر اگر ہم دین کو دنیا پر مقدم کرنے والے ہیں تو کیوں اپنے اخراجات میں سے یتامیٰ اور مساکین کا حصہ نہیں نکالتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان لوح قلب پر آب اخلاص سے لکھنے کے قابل ہے کہ انا وکافل الیتیم کھاتین فی الجنۃ یعنی آپ فرماتے ہیں کہ میں (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اور یتیم کا متکفل ۔۔ ۔۔ ۔۔ ان دو انگلیوں کی طرح (دو شادوش) جنت میں رہیں گے یعنی جس طرح

یہ دو انگلیاں سبابہ اور میانہ ہیں اسی طرح متکفل یتیم میرے ساتھ ہوگا اسی بنا پر حضرت خلیفۃ المسیح یتامیٰ سے جو اُنسے پرورش پاتے ہیں ایسا سلوک فرماتے ہیں کہ دیکھکر حیرت ہوتی ہے یہ نبوی فرمان کی قدر ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسی قدردانی کی توفیق بخشے۔ آمین

صیغہ زکوٰۃ کی آمد اس ماہ میں قابل شکر گذاری ہے گذشتہ ماہ سے ایک سو کی بیشی ہے مگر گذشتہ سے پیوستہ مہینہ کی نسبت ایک سو کے قریب کمی معلوم ہوتی ہے کیونکہ ماہ اکتوبر کی آمد ۱۱۱۱عہ اور دسمبر کی ۱۱۲عہ ہے اللہ تعالیٰ ہماری قوم کو اپنے فضل سے وسیع پیمانہ پر کام کرنیکی توفیق عطا فرماوے تاکہ ان مدات میں اخراجات سے زیادہ آمد نظر آوے و باللہ التوفیق۔

مقبرہ بہشتی اس ماہ میں کوئی میت مقبرہ بہشتی میں مدفون نہیں ہوئی اور صرف ایک وصیت سڑوعہ ضلع ہوشیارپور سے درج رجسٹر ہو کر وصیت حوالہ صدر انجمن ہوا مگر میت قبرستان میں ابھی نہیں پہنچ سکی۔ اس ماہ میں کل آمد مقبرہ بہشتی کے صیغہ میں ۱۳۱۴عہ ہوئی اور بالمقابل خرچ ۱۳۳۲عہ رہا مندرجہ ذیل بڑی رقوم اس ماہ میں داخل خزانہ ہوئیں۔

(۱) ڈاکٹر غلام دستگیر صاحب۔ مگوئی ۵۰عہ (۲) بابو عبدالرحمٰن صاحب۔ شملہ۔ ۲۰عہ (۳) منشی غلام نبی صاحب مدرس۔ رامپور۔ ۲۰عہ۔ (۴) مسمات بیگم زوجہ مولا بخش صاحب بھاگی ننگل ضلع گورداسپور ۲۰عہ۔ (۵) منشی طفیل احمد صاحب چندوسی۔ ۲۰عہ۔ (۶) محمد یوسف صاحب زرگر۔ پنڈی چیری ضلع منٹگمری ۵۰عہ (۷) دوست خانصاحب۔ قلات ۵۰عہ (۸) مولاداد خانصاحب انسپکٹر پولیس پٹیالہ ۵۰عہ (۹) اکبر خانصاحب خادم حضرت اقدس علیہ السلام سنور۔ ۵۰عہ۔ (۱۰) مولوی عظیم اللہ صاحب۔ نابھہ ریاست ۲۰عہ (۱۱) جماعت فیروزپور بحساب میاں نور محمد مرحوم۔ فیروزپور۔ ۱۰۰عہ۔ (۱۲) منشی محمد دین صاحب مدرس۔ گکرالی۔ ۵۰عہ (۱۳) مستری احمد دین صاحب۔ بھیرہ ۲۵عہ (۱۴) میاں عبداللہ صاحب بھڈوی مرحوم بذریعہ غلام محمد صاحب پدھلوی ۱۲عہ (۱۵) ڈاکٹر بشارت احمد صاحب از راولپنڈی ۸۰عہ

صیغہ اشاعت اسلام۔ اس ماہ میں ریویو اردو کی اشاعت میں ایک سو کی بیشی ہوئی اور ریویو انگریزی میں ۷ کی کمی اور تفسیر القرآن کی اشاعت میں ۱۸ کی کمی واقعہ ہوئی اردو ریویو بھی ریویو انگریزی کی تقویت کے لئے ہے اصل علت غائی تو اسکی ممالک مغربی

میں (جو زیادہ تر انگریزی زبان کے زیر اثر ہیں) اشاعت و تبلیغ اسلام ہے۔ اب سال کا شروع ہے لہٰذا ہر فرض ہے کہ وہ ریویو کی اشاعت کی طرف خاص توجہ کریں اور احمدی جماعتوں کے پُرجوش ممبر دوسروں کو بھی اس کی خریداری کے لیئے تحریک کریں۔ اُمید ہے کہ ابھی تک حضرت مسیح موعودؑ کا ارشاد اُنکو نہیں بھولا ہوگا لیکن اُنکو دوبارہ توجہ دلانے کے لیئے اُس ارشاد میں سے چند سطریں بطور یاددہانی یہاں نقل کیجاتی ہیں۔

"چونکہ ہماری تمام جماعت کو معلوم ہوگا کہ اصل غرض خدائے تعالیٰ کی میرے بھیجنے سے یہی ہے کہ جو جو غلطیاں مذہب نے پھیلائی ہیں اُنکو دُور کرکے دنیا کے عام لوگوں کو اسلام کی طرف مائل کیا جاوے .... اور انہیں اغراض کے پورا کرنیکے لیئے رسالہ انگریزی جاری کیا گیا ہے .... اگر خدانخواستہ یہ رسالہ کم توجہی اس جماعت سے بند ہوگیا تو یہ واقعہ اس سلسلہ کے لیئے ایک ماتم ہوگا۔ اسلیئے مَیں پورے زور کے ساتھ اپنی جماعت کے مخلص جوانمردوں کو اس طرف توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اس رسالہ کی اعانت اور مالی امداد میں جہانتک اُنسے ممکن ہے اپنی ہمت دکھلادیں...... اگر اس رسالہ کی اعانت کے لیئے اس جماعت میں دس ہزار خریدار اردو یا انگریزی کا بھی پیدا ہوجائے تو یہ رسالہ خاطرخواہ چل نکلیگا اور میری دانست میں اگر بیعت کرنے والے اپنی بیعت کی حقیقت پر قائم رہ کر اس بارہ میں کوشش کریں تو اسقدر تعداد کچھ بہت نہیں۔" اب یہ احباب کے اختیار میں ہے کہ جہانتک چاہیں اس ارشاد کی تعمیل کریں۔

ٹیچنگز آف اسلام کا ترجمہ گجراتی زبان میں شائع کرنے کے لیئے مسرز اللہ دین اینڈ سنز۔ سوداگران ۔ سکندرآباد نے صدر انجمن سے اجازت حاصل کی تھی۔ اب اُنکی اطلاع آئی ہے کہ ترجمہ مکمل ہوگیا ہے۔ جو عنقریب چھپکر تیار ہوجائیگا۔ اللہ تعالیٰ کس طرح دلوں میں مسیح موعودؑ کی صداقت کی تحریک کر رہا ہے سبحان اللہ وبحمدہ ولایت میں تبلیغ اسلام کا سلسلہ سرگرمی سے شروع ہے۔ نومسلمین کے لیئے حضرت خلیفۃ المسیح نے خواجہ صاحب صاحب کی معرفت کچھ ہدایات لکھی ہیں۔ کہ اُنکو بعد اسلام قبول کرنیکے کیا کرنا چاہیئے۔

شفاخانہ اس ماہ اندرون قصبہ میں تعداد مریضان جدید و قدیم ۱۱۶۷ ہے جسکی اوسط روزانہ ۳۷/۸۴ ہے ۱۱ مائنر اوپریشن ہوئے بیرون قصبہ یعنی دارالعلوم میں تعداد جدید و قدیم ۹۴۹ ہے اوسط روزانہ ۳۰/۶۱ ہے مائنر اوپریشن ۵ ہوئے۔

صیغہ عمارت میں رنگ اور روغن بورڈنگ کا کام ختم ہوگیا ہے عمارت کے بالائی حصہ پر

ٹیوٹر ہوس بنوانے شروع ہو گئے یہ عمارت اب مکمل ہو گئی ہے سکول کی عمارت کی تکمیل باقی ہے اللہ تعالیٰ توفیق بخشے اور مدد فرمائے آمین۔

تعلیم الاسلام مقابلہ ٹورنیمنٹ میں پچھلے سالوں کی طرح ہماری ٹیمیں ڈسٹرکٹ ٹورنیمنٹ پر اول رہکر انعام لائیں علاوہ ازیں دو عدد کپ ملے اور ایک کپ بسبب متواتر چار سال جیتنے کے ہمیشہ کیلئے سکول کی ملکیت ہو گیا اس سال ٹورنیمنٹ بٹالہ میں ہوا جو مولوی محمد حسین کا وطن ہے وہاں دیسی اور انگریز ہندو اور مسلمان قادیان کے طالبعلموں کی تعریف نہ صرف کھیل کے متعلق کرتے تھے بلکہ اخلاق پر بھی بہت تحسین کرتے تھے مولویصاحب محمد حسین کے خاص کوچہ میں ایک رئیس نے ہمارے طالبعلموں کو دعوت دی جہاں حضرتؑ کے خدام چالیس کے قریب گئے اور حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے دعوے کے متعلق وہاں تبلیغ بھی کر آئے اور کھانا بھی خوشی سے کھا کر آئے اللہ تعالیٰ یہ فتح احمدی جماعت کو مبارک کرے۔ آمین۔

صیغہ متفرقات۔ دفتر محاسب کی آمد اس ماہ میں للعہ روپے اور خرچ سمالہ ہوا جلسہ سالانہ کی وجہ سے جو چندہ وصول ہوا اسلئے آمد میں نمایاں تبدیلی معلوم ہوتی ہے:

جلسہ سالانہ۔ جلسہ امسال اللہ تعالیٰ کے فضل سے رونق اور کامیابی سے ہوا۔ اس دفعہ ۲۵۔ دسمبر کو ہی تعداد مہمانان دو ہزار کے قریب ہو گئی تھی۔ اور ۲۶ کو اندازاً تین ہزار سے زائد آدمی جمع ہو گئے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ظہور کا ایک بیّن نشان دکھائی دیتا تھا۔ غرضکہ جلسہ سالانہ بڑا ہی خیر و خوبی کے ساتھ ختم ہوا۔

شبیر علی سکرٹری صدر انجمن احمدیہ

ریویو

البلاغ المبین:۔ یہ کتاب مندرجہ ذیل مضامین کا مجموعہ ہے جسکو قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل نے جمع کر کے شائع کیا ہے۔ (۱) حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سب سے آخری لیکچر جو رؤسائے لاہور کے سامنے ۱۷ مئی کو دیا۔ اور (۲) ۲۵ مئی ۱۹۰۸ء بوقت عصر کی تقریر (۲۶ مئی کو بوقت ۱۰½ بجے صبح آپنے انتقال فرمایا) اور (۳) حضرت خلیفۃ المسیحؑ کی سب سے پہلی تقریر جو

حضرت مسیح موعودؑ کی وفات کے بعد جماعت احمدیہ سے بیعت لینے وقت فرمائی - اور (۴) آپکے لکھے ہوئے جماعت احمدیہ کے عقائد پھر (۵) ثبوت صداقت - یہ ایک بیش بہا مجموعہ ہے جسکی قیمت قاضی صاحب نے صرف ۱؎ رکھی ہے - مؤلف سے مل سکتی ہے -

آیات بیّنات :- یہ کتاب شیخ رحیم بخش صاحب (راجپال) نومسلم محمڈن مشنری قادیان نے میتھوڈسٹ مشنری سوسائٹی لکھنؤ کے ایک رسالہ بنام آیات اللہ یعنی معجزات کے جواب میں لکھی ہے جسمیں اُنہوں نے قرآن شریف کے رُو سے ثابت کیا ہے کہ حضرت مسیح ابن مریم بھی دوسرے انبیاء کی طرح ایک نبی تھے - اُنہیں اس سے زیادہ کوئی فضیلت نہیں - اسکا پڑھنا اور شائع کرنا انشاء اللہ تعالےٰ مفید ہوگا - اسمیں اسلامی فائدہ بھی ہے اور شیخ صاحب کی حوصلہ افزائی بھی - خدائے تعالیٰ شیخ صاحب کو انکی اس محنت اور اسلامی جوش کی جزائے خیر عطا فرمائے - قیمت ۲؎ - مصنف سے مل سکتی ہے -

مسیح پر خیال - یہ رسالہ مرزا عبدالغنی صاحب (قادیان) نے اس سوال کے جواب میں لکھا ہے کہ آج مسیح ابن مریم کی بابت تمہارا کیا خیال ہے - یہ سوال ایک پادری نے آپ پر کیا تھا جسکا اُنہوں نے نہایت معقول جواب دیا ہے - مصنف صاحب نے اس چھوٹے سے رسالہ میں بہت سی سچائیاں جمع کردی ہیں اگرچہ عبارت بعض جگہ پیچیدہ ہے - یہ رسالہ مصنف سے بہ قیمت ۱؎ مل سکتا ہے -

کلمہ طیبہ :- ضرورت قرآن - المسیح المہدی والمسیح الدجال - یہ تین رسالے حکیم محمد حسین صاحب مرہم عیسیٰ منزل نولکھا - لاہور نے شائع کئے ہیں - اور اُنکا ارادہ ہے کہ اس قسم کے ۸۰ ٹریکٹ شائع کریں جنکے مضامین کی فہرست اُنہوں نے شائع کردی ہے - اُنکا یہ ارادہ نہایت ہی نیک ہے اور خدائے تعالیٰ اُنکو اس ارادہ میں کامیاب کرے اور اس سلسلہ کو نہایت ہی بابرکت بنادے جن تین ٹریکٹوں کے نام اوپر لکھے گئے ہیں اُنمیں سے ہر ایک کی قیمت ۔ ہے - ملنے کا پتہ محمد یٰسین صاحب تاجر کتب قادیان - احباب بہت سے ٹریکٹ خریدکر اور عام لوگوں میں شائع کرکے ثواب حاصل کریں -

اقبال :- اس نام کا رسالہ حال میں زیر ایڈیٹری شہزادہ محمد صابر صاحب درّانی لُدھیانہ سے نکلنا شروع ہوا ہے پہلے نمبر کے مضامین پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ موجودہ اردو لٹریچر میں یہ رسالہ ایک مفید اضافہ ثابت ہوگا - اچھے اچھے اہل قلم کے مضامین اور چیدہ چیدہ اہل سخن کا کلام اسمیں درج کیا گیا ہے اور ایڈیٹر خود ایک بااثر مضمون نگار ہیں - خدائے تعالیٰ اس رسالہ کو اہل ملک کے لیے مفید بنائے - قیمت عہ سالانہ ایک پرچہ کی قیمت ۳؍ - ترسیل زر

تقریر جلسہ اعظم مذاہب یا لیکچر لاہور

یعنی حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کا عظیم الشان لیکچر جو ۱۸۹۶ء کے جلسہ لاہور میں حضرت مولوی عبدالکریم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سنایا تھا۔ چوتھی دفعہ نہایت عمدہ کاغذ پر خوب خوشخط لکھواکر چھپوایا گیا ہے تقطیع بھی نہایت موزون ہے اس کتاب میں حضرت اقدسؑ نے ذیل کے پانچ امور پر فلسفیانہ رنگ میں بحث کی ہے۔ اور تمام دلائل قرآن شریف سے پیش کیے ہیں (۱) انسان کی جسمانی۔ اخلاقی اور روحانی حالتیں (۲) انسان کی زندگی کے بعد کیحالت یعنی عقبیٰ (۳) دنیا میں انسان کی اصل غرض اور اس غرض کی تکمیل کے اسباب (۴) اعمال کا اثر دنیا و عاقبت میں (۵) علم اور معرفت کے ذرائع اور وسیلے۔ تقریباً ۱۵۰ صفحہ کی کتاب ہے۔ قیمت ۵ر

اس کتاب کا انگریزی ترجمہ جو ولایت سے چھپکر آیا ہے۔ نہایت خوبصورت جلد قیمت عہ

قاعدہ یسرنا القرآن نو ترمیم

یہ قاعدہ جسقدر مفید اور مقبول ثابت ہوا ہے محتاج بیان نہیں۔ عام طور پر کئی کئی سال تک بچوں کی عمریں ضائع ہوتی تھیں اور قرآن شریف ختم نہیں ہوتا تھا۔ اور جو کسی بچے نے قرآن شریف ختم بھی کیا تو ایسا کہ دوبارہ پڑھاؤ تو ایک سطر رواں اور صاف نہیں پڑھ سکتا۔ مگر اس قاعدہ کے پڑھانے سے ایک بچہ چھ ماہ میں قرآن شریف ختم کرلیتا ہے۔ اور اُس میں اس قدر طاقت پیدا ہوجاتی ہے کہ عربی کی کوئی کتاب جسپر اعراب دیئے ہوں بلاتکلف پڑھ لیتا ہے۔ اس قاعدہ کے چار ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ فروخت ہوگئے۔ مصنف صاحب قاعدہ مذکور نے نہایت محنت اور جانفشانی سے سابق قاعدہ میں ترمیم کرکے بہت سی مفید باتیں اور ایزادی کی ہیں اور جا بجا اساتذہ کیلئے کارآمد نوٹ دیئے ہیں۔ لکھائی اور چھپائی عمدہ ہے۔ کاغذ بھی اعلیٰ لگایا گیا ہے۔ جو احباب اپنے عزیز بچوں کو صحیح قرآن شریف پڑھانے کے خواہشمند ہوں۔ وہ یہ قاعدہ شروع کروائیں قیمت مکمل قاعدہ عربی ۲ر صرف حصہ اول ۱ر اُردو کا قاعدہ محصولڈاک ۱ر

پارہ اول دوم سوم

چونکہ ایسے قرآن شریف یا علیحدہ پارے بہت کم ملتے ہیں جنپر اعراب صحیح لکھے ہوں اور قاعدہ یسرنا القرآن ختم کرکے بچے بآسانی قرآن شریف پڑھ سکیں۔ ہم نے یہ دقت محسوس کرکے قاعدہ یسرنا القرآن کی طرز پر پارہ اول۔ دوم سوم خاص اہتمام سے چھپوائے ہیں۔ جو احباب اپنے بچوں کو قاعدہ یسرنا القرآن شروع کرواتے ہیں۔ انہیں چاہیئے کہ قاعدہ ختم ہونے پر پہلے یہ پارے پڑھائیں [illegible] قرآن شریف [illegible] پڑھانے کیلئے بھی مفید ہیں جو دوسرے قاعدے پڑھتے ہیں کیونکہ انپر اعراب بہت صحیح [illegible] ہیں قیمت فی پارہ ۱ر۔ درخواستیں بنام مینیجر میگزین قادیان آنی چاہیئیں۔

Reg. NO.
قیمت عہ
چھ مشہور دوایوں کا بکس
قیمت عہ
آزمائش کیلئے
نمبر ۹
آزمائش کیلئے
ڈاکٹر ایس کے برمن کی مجرب دوائیں گذشتہ ۳۰ سال سے تمام ہندوستان میں استعمال ہوتی رہی ہیں - اس لیئے قدیم خریدار کو مخاطب کرنے کی ضرورت نہیں رہی - صرف نئے اصحاب کے لیئے جو اشتہاری ادویات سے متنفر ہو گئے ہوں - یقین دلانے اور آزمائش کے لیئے یہ مندرجہ ذیل چھ مشہور اور مجرب ادویات کا (نمونہ بکس) بنا ہے - جس میں اسقدر کافی ہر ایک ادویہ ہیں کہ آزمائش پورے طور سے ہو سکتی ہیں - یہ پیٹنٹ شیشیوں میں بھری ہوئی خوبصورت کاغذ کے بکس میں بند رہتی ہیں جن کے ساتھ انکے حالات کی چھپی ہوئی کتاب اور استعمال ترکیب بھی رہتی ہے گھر باریوں کے لیئے یہ انمول ہے - اور مسافرت کی حالت میں بہت کام دیتی ہے - تھوڑے خرچ میں ڈاکٹر ایس کے برمن کی خاص مفید دواؤں کا فائدہ ملتا ہے - اپنی خواہ دوسروں کی تھوڑے ہی خرچ میں بہت بہتری ہو سکتی ہے ہر ایک پوری شیشی کے دام الگ ہیں
دواؤں کا نام
عرق کافور - ہیضہ اور گرمی کے دست کی ایک ہی دوا -
دمہ کی دوا - دمہ کیسا ہی زور میں ہو فوراً دباتی ہے -
کولاٹانک - ہر ایک کے لیئے طاقت بڑھانے کی دوا
مقوی باہ کی گولیاں - جیسا نام ویسا فائدہ -
جلاب کی گولیاں - شب کو سوتے وقت کھانے سے صبح کو خلاصہ اجابت ہوتا ہے -
عرق پودینہ سبز - درد شکم دریائی درد کی دوا -
پوری حالت فہرست بلاقیمت طلب کرکے دیکھئے
مل سکتی ہیں ورنہ کارخانہ سے طلب
ڈاکٹر ایس کے برمن نمبر
مطبع میگزین پریس

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے

لو تمھیں طور تسلّی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دُنیا کے مذاہب پر نظر

بابت ماہ فروری سنہ ۱۹۱۴ء

مطابق ربیع الاول سنہ ۱۳۳۲ ھجری

چندہ سالانہ

عام عام طلبا سے

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ - فروری سنہ ۱۹۱۴ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا۔

خدارا یکزماں بردار از رُخ پردہ اے لیلی
کہ ناصح پُر ملامت میکند مجنونِ شیدارا

یہ انسانی فطرت ہے کہ جن لوگوں کے نام دنیا میں شہرتِ تام رکھتے ہیں اُن کے حالات زندگی تفصیلی طور پر معلوم کرنے اور سُننے کی خواہش دل میں پیدا ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ سلطان صلاح الدین اور نپولین کی سوانح عمریاں جس شوق سے مطالعہ کیجاتی ہیں کسی معمولی آدمی کی لائف کو ہرگز یہ بات میسّر نہیں ہوسکتی۔ اور اسی تقاضائے فطرت کا نتیجہ ہے کہ لوگوں نے شیطان علیہ اللعن کو مشہور آفاق دیکھکر اُس کی بھی فرضی سوانح عمری لکھ ڈالی اور وہ بھی بہت سے احمقوں کا شغلِ بیکاری بنی لیکن شائع اور متداول ہونے والی سوانح عمریوں میں بہت ہی تھوڑی ایسی ہوتی ہیں جو لوگوں کو بہت زیادہ نفع پہنچاسکتی ہیں اسوقت مَیں لوگوں کو ایک ایسی لائف کی طرف توجہ دلاتا ہوں جو اپنے ایک ایک صفحہ میں جواہرات کے انبار رکھتی ہے۔ مصنف نے ٹائٹل پیج پر یہ شعر لکھا ہے جو اس اعلان کا ہیڈنگ ہے اور اس شعر سے سوانح عمری کی صرف ایک ہی خوبی کی طرف اشارہ ہوتا ہے یعنی سلسلۂ احمدیہ کے موجودہ امام کی سوانح عمری کو پڑھکر مخالفین و معاندین سلسلہ شرمندہ ہوجائیں گے اور تبلیغ سلسلہ کا بہترین ذریعہ یہ ہے کہ اس کتاب کو غیر احمدیوں میں بکثرت شائع کیا جائے لیکن اسی قسم کی اور اس سے بھی بڑھ چڑھکر اور بہت سی خوبیاں اس سوانح عمری میں

جس کا نام

مرقاۃ الیقین فی حیوۃ نورالدین ہے

اکبر نجیب آبادی مؤلفِ کتاب کی کوششوں سے جمع ہوگئی ہیں اور تمام خوبیوں کا اندازہ صرف کتاب کے مطالعہ پر منحصر ہے۔ یہ کتاب دفتر میگزین سے سوا روپیہ (دعہ) قیمت پر ملتی ہے اور تعداد میں بہت تھوڑی چھپی ہے۔ دوسرے ایڈیشن کے لیئے خدا جانے کسقدر انتظار کرنا پڑے۔ درخواستیں بنام منیجر میگزین قادیان ضلع گورداسپور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

تصدیق المسیحؑ نمبر ۲

بجواب

حقیقۃ المسیحؑ

(سلسلہ کے لیئے ملاحظہ ہو ریویو بابت جنوری ۱۹۱۴ء)

پیداوار - دودھ اور گھی کی کثرت

مولوی ابو احمد صاحب فرماتے ہیں کہ مسیح کے زمانہ میں تو چاہیئے تھا زمین کی پیداوار کی کثرت اور دودھ اور گھی کی زیادتی ہوتی۔ مولوی صاحب۔ اگر آپ کا یہ بیان درست ہے تو یہ نشان بھی موجود ہے اس زمانہ میں اس مسیح موعودؑ کے زمانہ میں خدائے تعالیٰ نے ایسے سامان پیدا کیے ہیں کہ ویران زمینیں آباد ہو گئی ہیں جہاں مسیح کے زمانہ سے پہلے بیابان پڑے تھے اب وہاں نہریں چلتی ہیں کھیتیاں لہلہاتی ہیں۔ اور سبزہ زار کا خوشنما نظارہ آنکھوں کو خوش کرتا ہے۔ اور جہاں کانٹے دار جھاڑیاں اور ویرانے تھے۔ اب وہاں باغ اور آبادیاں دکھائی دیتی ہیں اور جہاں مسیح کے زمانہ سے پہلے میلوں آب و دانہ کا نشان نظر نہیں آتا تھا اب وہاں چشمے جاری ہیں اور نہریں چلتی اور پھولوں اور پھلوں کے باغ لہلہاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اور اس میں کچھ بھی شک نہیں کہ اب زمین کی پیداوار بہت بڑھ گئی ہے اور جب زمین آباد ہو گئی تو اس کا ضروری نتیجہ یہ ہونا چاہیئے کہ دودھ اور گھی بھی اسی

نسبت سے بڑھ جائے۔ پس یہ نشان تو خدا نے پورا کر دیا۔ پس اے مولوی صاحب۔ اگر آپ اس امر کو واقعی مسیح موعودؑ کے زمانہ کا نشان سمجھتے ہیں تو پھر یہ نشان تو کھلے طور پر پورا ہو گیا پھر آپ کو اس مسیح کے ماننے میں کیا تامل ہے۔ اگر آپنے پیداوار کا نشان دیکھنا ہو تو آپ مسیح موعودؑ کے ملک یعنی ملک پنجاب میں تشریف لا کر بچشم خود اس نظارہ کا تماشا کریں اور پنجاب کی نو آبادیوں کی سیر کر کے اپنے ایمان کو زندہ کریں اور یہ امر صرف پنجاب تک ہی محدود نہیں بلکہ دنیا کے مختلف حصوں میں یہ نشان اپنا جلوہ دکھا رہا ہے اور غیر آباد علاقے آباد کیئے جا رہے ہیں اور بنجر زمینیں مرغزار کا نمونہ بن رہی ہیں۔ مگر مولویصاحب۔ آپ ایک اور تماشا دیکھیئے کہ باوجود اس کثرت پیداوار کے پھر بھی آپ کو گرانی کی مصیبت نے میں گرفتار کر رکھا ہے اور جو چیز پہلے منوں کے حساب سے ملتی تھی اب وہ سیروں کے حساب سے ملتی ہے اور یہ دکھ آپ کو اسلیئے دے رکھا ہے تا آپ تضرع سے کام لیں آپ کو اس امر کا بہت دکھ ہے کہ اگرچہ "ہندوستان زمین کی پیداوار کا مخزن" ہے مگر اس سے یہاں کے مسلمانوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا کیونکہ "اکثر پیداوار دوسرے ملک کو دوسری قومیں لیجاتی ہیں" آپ فرماتے ہیں کہ یہ ساری مصیبت "مرزا صاحب کے قدوم میمنت لزوم کی برکت ہے"۔ ہاں مولوی صاحب! پہلے بھی ایک قوم تھی جس نے آپکی مانند کہا انا تطیرنا بکم۔ اسکے آپ جیسے مہذب لوگوں کی زبان میں یہی معنے ہیں کہ یہ مصیبت آپکے قدوم میمنت لزوم کی برکت ہے۔ مگر مولویصاحب! آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ مرسلین نے ایسا کہنے والوں کو کیا جواب دیا۔ وہی جواب آپ بھی سمجھ لیجئے۔ اس سے زیادہ آپ کو ہم کیا جواب دیں سورہ یٰسین تو اکثر ملاّ صاحبان کو یاد ہوتی ہے کیونکہ اکثر انکو اپنے کاروبار میں اسکے پڑھنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ پس مَیں اُمید کرتا ہوں کہ آپ کو بھی یاد ہو گی ورنہ آپ قرآن شریف کھولکر دیکھ لیں کہ خدائے تعالیٰ نے انا تطیرنا بکم کہنے والوں کو کیا جواب دیا۔ وہی جواب آپ اپنے حق میں سمجھ لیجئے۔

۲۳ کروڑ مسلمان کافر کیسے

پھر مولویصاحب حضرت مسیح موعودؑ کے مقابل میں اپنے خیال میں ایک بڑا بھاری اعتراض پیش کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ کس طرح سچے نبی ہو سکتے ہیں "انکی ذات مبارک سے ۲۳ کروڑ کے قریب مسلمان کافر ہو گئے"۔ اس اعتراض کی تفصیل مولویصاحب اس طرح فرماتے ہیں "۲۳ کروڑ مسلمانوں میں سے بعض نے انہیں مانا۔ انکی تعداد اُن کے بیان کے بموجب چار لاکھ ہے۔ اب مرزا صاحب اور اُنکے خلیفہ صاحب کا ارشاد ہے کہ

جو مرزا صاحب پر ایمان نہیں لایا وہ مردہ اور کافر ہے اور مثل یہود کے ہے جو حضرت مسیحؑ پر ایمان نہیں لائے"
(اسکے ساتھ مولویصاحب یہ الفاظ بڑھاتے ہیں نعوذ باللہ من ھذہ الکفریات) اور پھر لکھتے
ہیں "اس کا حاصل یہ ہوا کہ دنیا میں جو تیرہ سو برس کے عرصہ دراز میں جسقدر مسلمانوں کی تعداد ہوئی
تھی وہ نیست و نابود ہو گئی اور ۲۳ کروڑ میں سے مرزا صاحب کی کوشش سے چار لاکھ مسلمان رہے
اور سب کافر ہوگئے" مولویصاحب نے اس اعتراض کو لکھکر بہت واویلا کیا ہے اور عام مسلمانوں کو جماعت
احمدیہ کے برخلاف بہت اُکسانے کی کوشش کی ہے۔ آپ گویا روتے ہوئے فرماتے ہیں "انہوں نے تو گویا
اسلام کو مٹا دیا اور اُس کی تیرہ سو برس کی عمارت کو ڈھا دیا۔ اب دوسری عمارت بنانا چاہتے ہیں۔ افسوس
صد افسوس۔ بھائیو۔ کچھ تو غور کرو۔ جماعت احمدیہ ایسی بدیہی باتوں کو نہیں دیکھتی اور اندھی بنکر دھکتی آگ
میں گری پڑتی ہے" مولوی صاحب نے اسی مضمون کے متعلق اپنے رسالہ کے آخر میں ایک تتمہ بھی لگایا ہے۔
گویا اس اعتراض کو بڑی وقعت دی ہے۔ اور یہ اعتراض اُنکے نزدیک بالکل ناقابل جواب ہے۔ لیکن
اگر انہوں نے اپنے اعتراض کا بودا پن دیکھنا ہو تو وہ یہ دیکھ لیں کہ ایک اسرائیلی بھی حضرت مسیحؑ ناصری کی
نسبت بعینہٖ یہ اعتراض کرسکتا تھا کہ یہ کیسا مسیح ہے۔ اُس نے تو ساری قوم بنی اسرائیل کا خاتمہ ہی کر دیا
اور ساری قوم کو مغضوب علیہم بنا دیا اور اُنکو لعنت کا تمغہ عطا کر دیا۔ اُس نے آکر سارے نبیوں کی محنت
پر پانی پھیر دیا اور جس باغ کی آبپاشی کے لیئے اسقدر نبی اور رسول بھیجے گئے تھے اُسکو جڑھ سے
کاٹ دیا۔ لاکھوں بنی اسرائیل میں سے صرف معدودے چند کو راہ راست پر لایا باقی سب کو مردہ اور
کافر بنا دیا۔ انجیل میں لکھا ہے کہ مسیح کے ایک شاگرد نے اُس سے اجازت مانگی کہ اُسکا ایک رشتہ دار
فوت ہو گیا ہے۔ اُسے اجازت دی جاوے کہ وہ جاکر اُسکی تجہیز و تکفین میں شریک ہو تو مسیحؑ نے اُسے
جواب دیا کہ تو مجھے چھوڑ کر اُنکے پاس کیوں جاتا ہے۔ مردے اپنے مردوں کو دفن کرلیں گے۔ اس میں
حضرت مسیح علیہ السلام نے اُن بنی اسرائیل کا نام جنہوں نے اُنکے قبول نہیں کیا تھا مُردے رکھا پس
اگر مہدی مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے منکروں کا نام مُردہ رکھا تو مولوی صاحب اسقدر شور کیوں
مچاتے ہیں۔ مولوی صاحب حضرت مسیح موعودؑ اور حضرت خلیفۃ المسیحؓ کی طرف یہ قول منسوب کر کے کہ جو شخص
حضرت مسیح موعودؑ کا منکر ہے وہ مثل یہود کے ہے لکھتے ہیں نعوذ باللہ من ھذہ الکفریات
مگر مولویصاحب کو اعوذ پڑھتے وقت یہ خیال نہیں رہا کہ مثل یہود کا لفظ حضرت مسیح موعودؑ یا حضرت

خلیفۃ المسیح علیہما الصلوٰۃ والسلام نے ایجاد نہیں کیا بلکہ یہ لفظ تو پہلے کسی اور مُنہ سے نکل چکا ہے اور حضرت مسیح موعود اور حضرت خلیفۃ المسیح علیہما الصلوٰۃ والسلام نے اگر یہ لفظ حضرت مسیح موعودؑ کے منکروں کی نسبت استعمال کیا تو اپنی طرف سے تجویز نہیں کیا بلکہ ایک مبارک وجود کا بولا ہوا لفظ دُہرایا ہے۔ غالباً مولویصاحب کو نعوذ باللہ کہتے وقت یہ امر خیال میں نہیں آیا ورنہ نعوذ باللہ من ھٰذہ الکفریات کا کلمہ مُنہ سے نکالنے کی جرأت نہ کرتے مگر اب تو یہ کلمہ اُن کے مُنہ سے نکل چکا ہے اور ایسے فعل کا جو نتیجہ ہونا چاہیئے اُسکو وہ خود سوچ سکتے ہیں۔ مولوی صاحب جس قول کو آپ کفریات میں داخل فرماتے ہیں وہ حضرت مسیح موعود یا حضرت خلیفۃ المسیح علیہما الصلوٰۃ والسلام کا قول نہیں بلکہ یہ تو حضرت خاتم النبیین سید المرسلین حضرت محمد مصطفٰے احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وخلفائہٖ وبارک وسلم کا قول ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث معلوم نہ ہو جس میں آپ نے یہودی صفت لوگوں کی خبر دی ہے پس آپ کو تو اس امر سے خائف ہونا چاہیئے تھا کہ کہیں آپ ہی اُن لوگوں میں شامل نہ ہوں جو اُس حدیث کا مصداق بننے والے تھے۔ مگر آپ کی جرأت یہ ہے کہ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک مُنہ سے نکلی ہوئی بات کو کفریات میں داخل فرماتے ہیں۔ مولویصاحب! اب بھی وقت ہے۔ آپ سچّے دل سے توبہ کرلیں اور اپنے اس قول سے رجوع کرلیں۔ یہ ایک بہت بڑی بات ہے جو آپکے مُنہ سے کسی منحوس گھڑی میں نکلی ہے۔ آپنے ایک ایسی بات کو جو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک مُنہ سے نکلی ہے کفریات میں داخل کر دیا ہے۔ مولویصاحب۔ توبہ کرو۔ توبہ کرو۔ آپنے ایک ایسا کلمہ مُنہ سے نکالا ہے جو جہنّم میں اوندھا گرا سکتا ہے۔ آپ تو فرماتے ہیں کہ جماعت احمدیہ ایسی بدیہی باتوں کو نہیں دیکھتی اور اندھی ہوکر دھکتی آگ میں گری پڑتی ہے۔ مگر آپنے یہ نہ دیکھا کہ جماعت احمدیہ اگر کچھ کہتی ہے تو وہی کہتی ہے جو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے ہیں۔ مگر آپ ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک قوال کو کفریات میں داخل فرماتے ہیں۔ مولوی صاحب! آپ کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ جن کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ وہ یہودی صفت ہو جاوینگے وہ خود اپنے یہودی صفت بنجانے کا اقرار نہیں کرینگے اور یہ ضروری تھا کہ اُنکی نسبت جب مسیح موعود یا اُس کا خلیفہ علیہما الصلوٰۃ والسلام یہ کہتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کو اِن لوگوں نے پورا کر دیا ہے تو وہ ناراض ہوتے اور کہتے کہ ہم تو کلمہ گو ہیں ہمیں کیوں یہودی صفت کہا جاتا ہے اور یہ مسیح کیسا ہے کہ ایسے لوگوں کو جو مسلمان ہونے کا اقرار کرتے ہیں یہودی صفت

قرار دیتا ہے۔آپ شکایت کرتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعض الہامات میں آپ کی نسبت کفر کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اور اس کی شہادت میں آپ ازالۂ اوہام میں سے یہ الہام پیش کرتے ہیں قل یا ایھا الکفار انی من الصادقین فانظروا ایاتی حتی حین ایسا ہی حضرت مسیح موعودؑ کا ایک اور الہام بھی ہے اور وہ یہ ہے انی جاعل الذین اتبعوك فوق الذین کفروا الیٰ یوم القیٰمة۔مولوی صاحب۔غالباً آپ عربی زبان سے واقف ہونگے آپ ہی فرمائیے کہ کفر کے کیا معنے ہیں۔کیا اسکے معنے انکار کے نہیں۔پس اگر ایک عربی الہام میں آپکی نسبت کفار یا کفروا کا لفظ آگیا تو اس میں کونسی غلطی ہے؟ کیا آپ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے منکر نہیں؟ پھر آپ اس لفظ کو کیوں بُرا مناتے ہیں؟ اگر ایک شخص حضرت مسیح موعودؑ کو قبول کریگا اور اُنپر ایمان لائیگا تو وہ اٰمنوا میں داخل ہوگا ورنہ جو لفظ اُسکے بالمقابل ہے وہ اُس پر صادق آئے گا۔جو شخص لغت عرب سے واقفیت رکھتا ہے اور حضرت مسیح موعودؑ کا منکر ہے وہ خود اس بات کا اقرار کریگا کہ مندرجہ بالا الہام میں جو کفروا کا لفظ ہے وہ اُسکے متعلق جائز طور سے استعمال کیا گیا ہے دیکھو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر خود اپنے تئیں کافر کہتے تھے۔جیسا کہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب خدائے تعالیٰ کے ہر ایک رسولؑ نے اپنی قوم کو کہا اولو جئتکم باھدیٰ مما وجدتم علیه اٰباءکم۔یعنی کیا اس صورت میں بھی جب کہ مَیں اُس راہ سے جسپر تم نے اپنے باپ دادوں کو پایا زیادہ اچھی راہ لایا ہوں تم اپنے باپ دادوں ہی کی راہ کو اختیار کروگے۔تو اسکے جواب میں اُنکی قوم نے کہا۔انا بما ارسلتم به کافرون یعنی ہم اُس ہدایت کے کافر ہیں جو تم لائے ہو (زخرف۔رکوع ۲) اسی طرح قوم عاد اور ثمود کی نسبت لکھا ہے کہ اُنہوں نے اپنے نبیوں کو کہا۔لوشاء ربنا لانزل ملٰئکة فانا بما ارسلتم به کٰفرون (فصلت-۲) اسی طرح خدائے تعالیٰ فرماتا ہے وما ارسلنا فی قریة من نذیر الا قال مترفوھا انا بما ارسلتم به کٰفرون (سبا-۴) اسی طرح خدا تعالےٰ سورہ ابراھیم رکوع ۲ میں فرماتا ہے جاءتھم رسلھم بالبینٰت فردوا ایدیھم فی افواھھم وقالوا انا کفرنا بما ارسلتم به وانا لفی شك مما تدعوننا الیه مریب۔ یہ سب قومیں اپنے تئیں راہِ راست پر یقین کرتی تھیں اور اُنکو اپنے جہنمی ہونیکا خیال تک بھی نہ تھا۔

پھر بھی قرآن شریف کی مندرجہ بالا آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے خود اپنا نام کافر رکھا۔ تعجب ہے
مولوی صاحبان ایک طرف عربی دان ہونے کے مدعی ہیں دوسری طرف حضرت مسیح موعودؑ کے عربی الہامات
میں اپنی نسبت کفر کا لفظ دیکھکر آگ بگولا ہو جاتے ہیں اُسوقت ساری عربی اُنکو بھول جاتی ہے۔ مولوی
صاحب سے مَیں پوچھتا ہوں کہ اگر حضرت مسیح موعودؑ کے الہامات میں آپ صاحبان کی نسبت کفر کا لفظ
نہ ہوتو دوسرا کونسا لفظ ہے جو آپ لوگوں کی نسبت استعمال ہونا چاہیئے تھا۔ اگر آپ اس لفظ کو ناپسند
فرماتے ہیں تو پھر آپ حضرت مسیح موعودؑ پر ایمان لائیں تب آپ اٰمنوا کے مصداق ہو جاوینگے جب تک
آپ اُنکے منکر ہیں تب تک آپ پردہ دوسرا لفظ ہی چسپاں ہوگا کیونکہ اُسکے معنے ہی منکر کے ہیں۔
یہ تو ایک امر واقعہ کا بیان ہے۔ اسمیں کسی کی ہتک ہی کیا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو پہلے انبیاء کے منکر
خود اپنے تئیں کافر کیوں کہتے۔ اور اگر آپ بھی اُس لفظ کے معنوں کو مدنظر رکھتے تو اس لفظ پر گھبرانا تو کجا خود پہلے
منکرین کی طرح اپنے حق میں یہ لفظ بلا تامل استعمال کرتے۔ باقی رہا یہ سوال کہ اس انکار کا کوئی نتیجہ بھی بھگتنا
پڑیگا۔ یا نہیں؟ تو اس سوال کا جواب مَیں آپ ہی پر چھوڑتا ہوں۔ آپ خود ہی فیصلہ فرما دیں۔ آپ ایسے
لوگوں کی نسبت کیا فتویٰ دیتے ہیں جو مسیح موعودؑ کے ظہور پر اُسکو قبول کرنے سے انکار کریں اور اُس پر
کفر کا فتویٰ جاری کریں اور کذاب دجال اُس کا نام رکھیں۔ آپ حضرت مرزا صاحب کی ذات کو جانے
دیں۔ آپ سے ہم یہ پوچھتے ہیں کہ جسکو تم سچا مسیح سمجھو اُسکو کاذب اور دجال کہنے والے کی نسبت آپ کی کیا
رائے ہے مولوی صاحب۔ ہمارا کام لوگوں پر کفر کا فتویٰ جاری کرنا نہیں یہ تو آپنے ہی اپنے ذمہ لیا ہوا ہے
ہمارا کام سمجھانا اور تبلیغ کرنا ہے اور اسی غرض کو مدنظر رکھکر ہم آپ لوگوں کو متنبہ کرتے ہیں اور بتاتے ہیں
کہ وعدے کا مسیح آگیا۔ تم اُسکو قبول کرو۔ خدائے تعالیٰ نے تمہاری بہتری کے لیئے مسیح موعودؑ کو مبعوث
فرمایا ہے اور اگر تم اپنی بہتری چاہتے ہو تو اُس کیطرف دوڑو اور اُسکے سلسلہ میں اپنے تئیں منسلک کرو۔
اور اگر تم اس مسیح کو رد کرو تو اسکا نتیجہ یہی ہوگا جو مسیح ناصری علیہ السلام کے رد کرنے کا ہوا تھا۔ ہم تو صرف
ہمدردی اور خیر خواہی کی نیت سے تمھیں حضرت مسیح موعودؑ کی طرف بلاتے ہیں۔ اگر ہم تمھیں یہ بتلاتے
ہیں کہ خدا کے رسول کا انکار تمھارے دین و دنیا کے لیئے اچھا نہ ہوگا تو اس سے ہماری یہ غرض نہیں ہوتی
کہ ہم تمھارے دلوں کو دُکھائیں بلکہ صرف تمھیں جگانا اور بیدار کرنا ہمارا مقصد ہوتا ہے۔ اگر ہم قرآن شریف
کی آیات کو تمھارے سامنے پیش کرکے تمام رسولوں کے ماننے کی ضرورت کو تم پر ثابت کرتے ہیں تو یہ

صرف اسلیئے کہ تم اپنی غلطی سے آگاہ ہو جاؤ تا ایسا نہ ہو کہ بعد میں پچھتاؤ۔ کیا آپ چاہتے ہیں کہ ہم تمھیں خوش کرنے کے لیئے یہ کہیں کہ خدا کے مسیح کی تمھیں کوئی ضرورت نہیں۔ اگر ہم ایسا کریں تو ہم تمھارے دوست نہیں بلکہ دشمن ہیں۔ اسلیئے ہم تمھیں صاف الفاظ میں سناتے ہیں کہ مسیح موعودؑ کا ماننا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ماننا ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسکے آنے کی خبر دی اور اُسکے قبول کرنے کا حکم دیا۔ اور اُس کا انکار گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرمائی ہوئی باتیں پوری ہوتی ہیں اور آپ انکا انکار کرتے ہیں بلکہ میں اس سے بھی بڑھ کر کہونگا کہ حضرت مسیح موعودؑ کا انکار خود خدائے تعالیٰ کی نافرمانی ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ آسمانی نشانوں کے ذریعہ سے اُس کی تصدیق کرتا ہے اور تم اُن الٰہی نشانوں کا انکار کرکے آیات اللہ کے مکذب بنتے ہو۔ پس کیا ہم آپ کو متنبہ نہ کریں۔ کیا ہم آپ صاحبان کو اُن الٰہی نشانوں کی طرف متوجہ نہ کریں جو خدائے تعالیٰ اپنے پیارے مسیح کی تائید و تصدیق میں ظاہر فرمارہا ہے۔ غرض جو کچھ ہم تمھیں کہتے ہیں وہ تمھیں متنبہ اور ہوشیار کرنے کیلیئے کہتے ہیں نہ دل دکھانے کے لیئے ہمدردی کی راہ سے کہتے ہیں نہ عداوت کی وجہ سے۔ تمھاری بھلائی کے لیئے کہتے ہیں نہ بُرائی کے لیئے۔ تمھیں خدا کی رضا کی راہ کی طرف بلاتے ہیں اور ہم نہیں چاہتے کہ تم مسیح موعودؑ کا انکار کرکے خدا کے غضب کے نیچے آجاؤ۔ اگر تم قبول کرو گے تو تمھارا اپنا فائدہ ہے اور اگر نہیں مانو گے تو اسکا نتیجہ تمھیں خود بھگتنا پڑیگا۔ قد جاءکم بصائر من ربکم فمن ابصر فلنفسہ ومن عمی فعلیھا۔

حضرت مسیح موعودؑ مسلمان بنانے آئے تھے نہ کافر

مولویصاحب کے تتمہ کا عنوان ہے "چودھویں صدی کے مسیح کا آنا اور تمام دنیا کے مسلمانوں کو کافر بنانا" مولوی صاحب۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تو ایک مسلمان کو بھی کافر نہیں بنایا۔ آپ کا الہام ہے چو دور خسروی آغاز کردند۔ مسلماں را مسلماں باز کردند۔ پس حضرت مسیح موعودؑ تو مسلمانوں کو مسلمان بنانے کے لیئے آئے تھے اور اُنھوں نے ایسا ہی کیا۔ اگر کسی نے اُنکو کافر و دجال کہکر بموجب حدیث نبوی کفر خریدا یا خدائے تعالیٰ کے نشانات کا منکر ہوا یا خدا کے مامور کا انکار کیا تو یہ اس کا اپنا قصور ہے۔ اس میں حضرت مسیح موعودؑ کا کیا قصور۔ ہاں اگر آپ یہ فرمادیں کہ اگر حضرت مسیحؑ موعودؑ ظاہر نہ ہوتے تو اُنکو کافر و دجال کہنے والے بھی پیدا نہ ہوتے اور نہ اُن کے نشانوں کا انکار ہوتا اور نہ کوئی اُنکی تکذیب کرتا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اس طرح

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اعتراض وارد ہوتا ہے تو یہی اعتراض تمام انبیاءؑ پر بھی وارد ہوگا کیونکہ اُن کے آنے پر ہزاروں لاکھوں لوگوں نے اُن کی مخالفت کی اور اُن کے منکر یعنی کافر ہوگئے بنی اسرائیل حضرت مسیحؑ کی مخالفت کرکے اور اُن کے ساتھ عداوت اور بُغض کا برتاؤ کرکے خدا تعالیٰ کے غضب کے مورد بن گئے پس کیا یہ کہنا جائز ہے کہ وہ نعوذ باللہ سچے نبی نہیں تھے کیونکہ اُن کے آنے سے ہزاروں لاکھوں آدمی کافر ہوگئے۔

اولیاء اللہ اور کفرنامہ

مولوی ابو احمد رحمانی صاحب حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ اور بعض دیگر بزرگوں کا ذکر لکھتے ہیں کہ "اُن کی ذات سے کوئی مسلمان کافر نہیں ہُوا" مَیں اوپر لکھ چکا ہوں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تو مسلمانوں کو مسلمان بنانے کے لئے آئے تھے نہ کہ کافر اور یہ کہ اگر کوئی کافر بنا تو یہ اُس کا اپنا قصور ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اُس میں کوئی قصور نہیں۔ مگر جس طرح مولویصاحب فرماتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آنے سے لاکھوں آدمی کافر ہوگئے اس قسم کے کافر بنانے میں تو تمام انبیاءؑ شریک ہیں بلکہ اولیاءؒ اور صلحاءؒ بھی حصہ دار ہیں مولوی ابو احمد صاحب رحمانی ایسے آدمی کے حق میں کیا فتویٰ دیتے ہیں جو ایک مومن کو کافر کہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ایسے آدمی کو کافر ہی ٹھہرایا ہے۔ اب جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کے بموجب ایک شخص ایک مومن کو کافر کہکر کافر ہوجاتا ہے تو ایسے آدمی کی نسبت مولوی ابو احمد صاحب کیا فتویٰ دیتے ہیں جنہوں نے حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ جیسے بزرگ کی تکفیر کی۔ کیا مولویصاحب ایسے آدمی کی نسبت کفر کا فتویٰ نہیں دینگے؟ مَیں یقین کرتا ہوں کہ مولویصاحب ایسے انسان کی نسبت ضرور کفر کا فتویٰ دینگے۔ اب مولویصاحب بعض اولیاءؒ اور صلحاءؒ کا ذکر کرکے تسلیم کرتے ہیں کہ "لوگوں نے انہیں کافر کہا" پس کیا وہ لوگ جنہوں نے ان بزرگوں کو کافر کہا خود کافر ہوئے یا نہ؟ اور کیا یہ سب لوگ کلمہ گو تھے یا نہیں؟ اس سے معلوم ہُوا کہ صرف حضرت مسیح موعودؑ کے زمانہ میں ہی کلمہ گو لوگ منکر نہیں بنے بلکہ گذشتہ اولیاء اللہ کے زمانہ میں بھی کئی کلمہ گو لوگ منکر بنے۔ اور کوئی زمانہ ایسا نہیں گذرا جس میں اس قسم کے منکر نہیں بنتے رہے۔ اور نہایت افسوس کی بات ہے کہ اس طرح کا انکار اکثر اسی گروہ کے حصہ میں آتا رہا ہے جس گروہ میں مولوی ابو احمد صاحب رحمانی شامل ہیں یہ ہمیشہ یہ گروہ اپنی بدقسمتی سے مسلمانوں اور خصوصاً صلحاء اور اولیاء اللہ کی مخالفت

مولویصاحبان کی ایک بڑی تعداد نے اسی سُنّت پر عمل کرکے دکھا دیا۔ اور ہر روز تازہ بتازہ کفرنامہ جاری کرتے رہتے ہیں تا یہ سُنّت کہیں

حیٰوۃِ نورِ دین پر سرسری نظر

{ذیل کا ریویو ہمیں جناب خان بہادر مرزا سلطان احمد صاحب نے مرحمت فرمایا ہے جو ہم بڑی خوشی سے درج ریویو کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ آئندہ بھی آپ ریویو کیلئے اپنے مضامین ارسال فرما کر ہمیں شکریہ کا موقعہ دیتے رہینگے۔} ایڈیٹر

بیانِ شوق چہ حاجت کہ حالِ آتشِ دل ٭ تواں شناخت ز سوز یکہ در سخن باشد

ہم جس دنیا یا جس کائنات میں رہتے ہیں وہ مختلف سانحات اور واقعات کا ایک ایسا مجموعہ ہے کہ جسے ایجازاً کیا تفصیلاً بھی بیان کرنا ہمارے اختیار سے باہر ہے ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں ہی روزمرہ کیا ہر ساعت اور ہر منٹ اور سیکنڈ ایسے ایسے واقعات گذر جاتے ہیں جو اپنی دلچسپی دلاویزی اور ندرت کی وجہ سے اُس کائنات کے لیئے جو کچھ بھی شعور اور فہم فراست رکھتی ہے صدہا نکات اور ہزاروں عبرتوں کا زندہ مجموعہ ہوتے ہیں شب و روز اگرچہ ہمارے مشاہدہ میں ایسے واقعات اور سانحات آتے رہتے ہیں۔ لیکن ہم میں سے بہت تھوڑے ہیں جو اُنہیں ضمیری مشاہدہ اور عبرت کی نگاہوں سے دیکھنے کے عادی ہوں یا اُن کے دلوں پر اُن کا کوئی اثر پڑتا ہو۔ ہم اکثر سرسری رنگ میں واقعات اور سانحات کا مشاہدہ یا مطالعہ کرنے کے عادی ہیں وہ لاپروائی اور وہ غفلت جو ہماری زندگی کا رفتہ رفتہ لازمہ ہوتی جاتی ہے ہمیں بسا اوقات اُن واقعات اور اُن سانحات سے محض خالی اور کورا واپس لے جاتی ہے جو ہماری زندگی کے واسطے ایک قیمتی سبق ہوتے ہیں بعض وقت ہم کہا کرتے ہیں کہ ایسی غفلت نہ ہوتی تو ہماری چہیتی دنیا کا کام ہی نہ چلتا۔ شاید یہ کسی حد تک درست بھی ہو مگر اگر یوں کہا جاوے تو زیادہ تر درست ہوگا کہ ان حالات میں ہماری زندگیوں کی داغ بیل کی روش کچھ اور ہی ہوتی۔ انسان میں یہ طبعی یا فطرتی خاصہ ہے کہ وہ مختلف مشاہدات میں سے ایک حد تک انتخاب کرنے کا عادی ہے اور اکثر اوقات نظائر اور تماثیل سے اُس کا دل اور دماغ بہت کچھ حاصل کرتا ہے اسی خیال سے وہ چیدہ چیدہ مشاہدات اور واقعات کے جمع کرنے کا عادی ہے تاریخ اور تذکرات کی یہیں سے بنیاد پڑی ہے۔ جب عام طور پر بعض واقعات کا بیان ہوتا ہے تو وہ ایک تاریخ یا تذکرہ ہوتا ہے تحریر ہی ان کی حامل نہیں ہوتی حافظہ بھی بہت کچھ محفوظ رکھتا ہے سوانح عمریوں کی بنیاد بھی یہی ہے لوگ عموماً اس امر کے مشتاق ہوتے ہیں کہ وہ اپنے ہی ابنائے جنس کی زندگی کے حالات سے واقفیت پیدا کریں اور دیکھیں کہ اُن کی زندگیوں اور دوسروں کی زندگیوں میں کیا کچھ فرق ہے اسی لیئے اور اسی شوق میں

ہر ملک اور ہر قوم میں صدہا سوانح عمریاں لکھی گئیں کچھ دوسروں نے لکھیں اور کچھ خود ہی لکھنے والے لکھ گئے ہر سوانح عمری ایک خاص شخص کی زندگی اور رفتارِ زندگی کا ایک فوٹو ہوتا ہے ممکن ہے کہ اُس فوٹو کے کھینچنے یا کھنچانے میں کوئی خامی اور نقص ہی رہ گیا ہو اور اس وجہ سے اُس پر نکتہ چینی ہو سکتی ہو۔ لیکن باوجود اسکے بھی اگر کوئی سوانح عمری نیک نیتی اور احتیاط سے لکھی گئی ہے تو اُس سے دوسرے ابنائے جنس اخذ اور ترک کے سلسلہ یا شکل میں بہت کچھ فائدہ اُٹھا سکتے ہیں بعض لوگ کبھی کبھی سوانح عمریوں کے پڑھنے سے اسواسطے اُکتاتے اور دل چُراتے ہیں کہ اُن کے خیال میں سوانح عمری وُہی پڑھنے کے قابل ہوتی ہے جو کسی پہلو سے بھی نکتہ چینی کی زد میں نہ آسکتی ہو یا اُن کے خیالات کے موافق ہو۔ یہ خیال درست نہیں اختلافِ خیالات اور متضاد مذاق ہونے کی وجہ سے کوئی بھی ایسی سوانح عمری نہیں مل سکتی ہے جو سب قسم کے خیالات کا مجموعہ ہو۔ اور جس کو سب لوگ ہی پسند کریں۔ سوانح عمری میں ایک خاص شخص کے چیدہ واقعات اور رفتار یا افتادِ زندگی کا ذکر ہوتا ہے وہ بجائے خود اُس شخص کی زندگی کا ایک ریویو یا ایک تنقید ہے ہمارا فرض ہے کہ اپنے مطبوعہ اور پرستیدہ خیالات یا عقیدت کو چھوڑ کر فطرت اور انسانیت کے اعتبار سے اُن کا مطالعہ کریں اور دیکھیں کہ باوجود تضادِ خیالات کے ایسے شخص کی زندگی اور زندگی کے کارنامے کیا کچھ کیفیت اور قیمت رکھتے ہیں پڑھنے سے پہلے ہی اپنے پرستیدہ خیالات کے ہجوم سے دین میخ نکالنا رہ تحقیق سے بعید ہے انسانیت کا یہ فرض ہے کہ وہ پوری طمانیت سے حسنات کے اخذ کی کوشش کرے نکتہ چینی کا میدان اسقدر وسیع ہے کہ اُس سے انسانی ذات کیا ملکوتی ذات بھی نہیں بچ سکی۔

جو شخص کسی کی زندگی کا ریویو کرتا ہے وہ دراصل پیش کردہ معلومات کے مطابق ایسی زندگی کے مختلف واقعات کیفیات اور سانحات سے ایک مجموعی نتیجہ نکالتا ہے۔ یہ جُدا بات ہے کہ بعض لوگ اُس سے اتفاق نہ کریں لیکن واقعات کے پیش کرنے میں بہت کم اختلاف کی نوبت آتی ہے اسمیں کچھ بھی شک وشبہ نہیں کہ انسانوں کی زندگیوں کے مختلف واقعات ایک ہی خیال یا تنقید کے تابع نہیں رہ سکتے لیکن بایں ہمہ واقعات اور افتادِ زندگی خود ہی ایک فیصلہ کن فیصلہ ہوتا ہے۔

معشوقہ عیاں مے گزرد بر تو و لیکن
اغیار ہمے بینند ازاں بستہ نقاب است

زندگی یا زندگیاں جن جن خوفناک گردابوں میں سے گذرتیں اور جو جو طوفان اُن کی رہ میں آتے ہیں اور جن جن آزمائشوں اور مشکلات میں اُن کا امتحان ہوتا ہے وہ ایسی نہیں ہیں کہ اُن کی واجبی قیمت نہ لگائی جائے اگر کوئی زندگی کسی حد تک ایسے تلاطم اور ایسے گرداب سے محفوظ گزر گئی ہے تو وہ واقعی تعریف اور حوصلہ افزائی کے قابل ہے۔ جن لوگوں نے زندگی کے گردابوں اور تلاطموں کا خوفناک سماں دیکھا اور مشاہدہ کیا ہے وہ کہہ سکتے ہیں کہ ساحل مقصود پر پہنچنا کسقدر مشکل ہے۔

شبِ تاریک و بیمِ موج و گردابِ چنیں ہائل
کجا دانند حالِ ما سبکسارانِ ساحلہا

وہ لوگ جو زندگی کی ایسی مشکلات کا شعور اور احساس نہیں رکھتے وہ دراصل زندگی کے مفہوم اور زندگی کی مشکلات سے واقف ہی نہیں ہیں وہ صرف نام کے انسان ہیں ورنہ اُن میں انسانیت اور انسانی فطرت بوجوہ مردہ ہو رہی ہے وہ زندہ نہیں بلکہ مردہ ہیں۔

خیالِ زلف تو پختن نہ کار خامان است
کہ زیر سلسلہ رفتن طریق عیاری است

وہ زندگیاں جو شروط انسانیت اور قواعد فطرت کے ماتحت گذرتی ہیں وہ زندگیاں جو اپنی راہ میں جیسے پُرخار ہی نہیں بلکہ خارستان پاتی ہیں جو پھونک پھونک کر قدم رکھنا زندگی کا پہلا اصول خیال کرتی ہیں اُن کا صحیح و سالم اور مامون رہنا بہت ہی قیمت رکھتا ہے اگر ہم فرائض کے ساتھ ساتھ تدین اور حزم و احتیاط بھی رکھنے کے عادی ہیں تو ہماری زندگیوں اور دوسروں کی زندگیوں میں ضرور فرق ہونا چاہیئے ایک طرف ہمارے سامنے ہمارے اردگرد لاکھوں قسم کی تحریکات کا ہجوم ہے اور دوسری طرف ہم سے یہ عہد و پیمان لیا جاتا ہے کہ ہمارا پاؤں نہ پھسلے اور ہم لغزش نہ کھائیں۔

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ
باز میگوئی کہ دامن تر مکن ہوشیار باش

جو لوگ یہ ذمہ واری سمجھتے اور جو لوگ عہد و پیمان نباہنے والے ہیں وہی جانتے ہیں کہ اس گرد و غبار اور ان تحریکات میں سے صحیح و سالم نکلنا کیسا مشکل ہے۔

بآستان تو مشکل توان رسید آرے ؁ عروج بر فلک سروری بدشواری است

لوگ سمجھتے ہیں کہ دنیا میں صرف زندہ رہنا ہی زندگی ہے بول چال پھرنا چلنا اٹھنا بیٹھنا ہی انسانیت اور زندگی کا بڑا لازمہ یا بڑا کارنامہ ہے ایک دوسرے سے لڑائی جھگڑا شیخی تکبر و رعونت وغیرہ ہی سامان زندگی ہے نہیں نہیں زندگی ہاں سچی زندگی کا سماں اور روپ ہی کچھ اور ہے اگر زندگی میٹھی ہے تو ہم سے جانوروں کی زندگیاں سو درجہ اچھی ہیں سانس اور دم تو وہ بھی لیتے ہیں اُن کی بعض طاقتیں ہم سے کہیں سبک دلچسپ اور بہتر ہیں نہیں نہیں زندگی اس سامان کا نام نہیں ہے وہ کچھ اور ہی ہے اُسے صدہا میں سے کوئی ایک آدھ ہی حاصل کرتا ہے اور وہ بھی بصد مشکل اور فضل باری سے زندگی صادقہ یا حیاتِ نوری کی راہوں سے کوئی اس بندہ ہی بہ سلامت جاتے ہیں۔

جمال شخص نہ چشم است نہ زلف و عارض و خال
ہزار نکتہ دریں کاروبار دلداری است۔

ایسی زندگیاں جو ان مشکلات اور ان خوفناک یورشوں سے کسی حد تک بھی صحیح و سالم اپنے تئیں لے نکلتی ہیں وہ اور ابنائے جنس کے واسطے ایک فخر اور ایک پاک نمونہ ہوتی ہیں ایسا نمونہ جس پر اور زندگیوں کی رفتار رفتہ رفتہ اُسی راہ پر آسکتی ہے زندگیوں پر ریویو کرتے ہوئے وہ خیالات دماغ سے نکلنے ہی پڑینگے جو بعض وجوہ سے پہلے ہی سے متموج ہو رہے ہیں کیونکہ ریویو میں پرستیدہ خیالات دُور ہی رہنے چاہیئے اگر پہلے کے متموجہ خیالات کی پابندی سے ہم کسی زندگی اور اُس کے واقعات کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہم اپنے تئیں ایک فریب دہ راہ پر ڈالتے ہیں اس صورت میں اور زندگیوں اور اُن کے مختلف واقعات سے جو سبق ہمیں لینے چاہیئے اُن کی نوبت نہیں آتی یہ تمام باتیں ایسی ضروری ہیں جنہیں ہمیں سوانح عمریوں پہ ریویو کرنے کے وقت یاد رکھنا چاہیئے۔

خموش حافظ و ایں نکتہ ہائے چوں زرِ سرخ
نگاہ دار کہ قلاب شہر صراف است

جس سوانح عمری کا نام عنوان میں لکھا گیا ہے وہ حضرت مولوی نورالدین صاحب خلیفۃ المسیحؑ کی سوانح عمری ہے جو جلد اس وقت ہمارے ہاتھ میں ہے وہ پہلی جلد ہے یہ جلد اول بہ فضل خدائے کریم مولوی صاحب کی زندگی ہی میں لکھی گئی ہے ہمیں حضرت اکبر نجیب آبادی کا بدل مشکور ہونا چاہیئے کہ اُن کی بدولت یہ بے بہا سوانح عمری ہمارے ہاتھوں میں پھر رہی ہے مولوی نورالدین صاحب کے

انٹروڈیوس کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ وہ ایک عرصہ دراز سے اپنی بعض خصوصیات علمی۔ طبی۔ مذہبی اتقار کی وجہ سے کافی سے بھی زیادہ شہرت حاصل کر چکے ہیں بلکہ یہ کہ اُن کی شہرت اُن کے نام سے ایک ممتاز شہرت کا درجہ رکھتی ہے۔

ایسی ہی زندگیاں اپنے مختلف واقعات میں مختلف جذبات اور تصرفات رکھتی ہیں اگر ہم چشم انصاف سے دیکھیں گے تو یہ ماننا پڑیگا کہ اکثر مشاہیر اسلام کی زندگیاں اس نمونہ کی تھیں جنپر ہمیں بہت کچھ فخر اور ناز ہے۔ ؎

جاں پرور است قصۂ ارباب معرفت ❊ رمزے برو بہ پرس و حدیثے بیا بگو

سوانح عمری زیر ریویو میں صفحہ ۳۰ سے ۵۳ تک مولوی صاحب کے عقاید کا خاکہ کھینچا گیا ہے ہمارا یہ کام نہیں کہ عقائد کی نسبت فروعی بحث کریں اصولی رنگ میں ناظرین بانصاف فیصلہ کر سکتے ہیں کہ اُن کے عقائد باوجود احمدی کہلانے کے اسلاف اور مشاہیر اسلام سے کہاں تک ملتے ہیں اگر بعض امور میں اعتقادی اور اجتہادی تفاوت ہے تو اُسی حد تک ہے جتنا اور مشاہیر اسلام کے عقائد میں پایا جاتا یا زیر بحث چلا آتا ہے فروعی اجتہادات کی رُو ہم کبھی بند نہیں کر سکتے اصولی عقائد کی اہم ضرورت ہے کیونکہ اسلام کی بنیاد فروعات پر نہیں ہے بلکہ اصول پر۔ ۵۵ صفحہ سے لیکر ۱۴۱ صفحہ تک ولادت عنفوان شباب سیاحت طالب علمی تعلیم۔ سفر مکہ و مدینہ حج وغیرہ وغیرہ کے حالات قلمبند ہوئے ہیں ان حالات یا ان کیفیات کے پڑھنے سے پڑھنے والے پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوتی اور عجیب نکات سے آشنا ہونے کا موقعہ ملتا ہے پڑھنے کے بعد یہ کہنا ہی پڑیگا کہ علامہ نور دین کی فطرت شروع ہی سے ایک انوکھا یا نرالا ڈھنگ یا سماں رکھتی تھی طالب علمی کے زمانہ ہی میں مولوی صاحب کی طبیعت میں غیرت دینی محبت رسول اکرم عزم راست گوئی صاف بیانی جرأت کا پایا جانا زندہ دلیل اس امر کی ہے کہ قدرت نے اُن کا وجود خاص اغراض اور خاص مقاصد کے تابع بنایا تھا اُن سے وہ کام لینے تھے جو خواص ہی سے لیئے جاتے ہیں رام پور اور لکھنؤ کے سفرالیہ میں مولوی صاحب نے ساتھیوں سے یہ ٹھہرالیا کہ اسلامی شعائر کے مطابق سفر میں ضرور ایک امیر قافلہ ہونا چاہیئے یہ وہ تجویز اور وہ خیال تھا جو انضباط افراد مختلفہ کے واسطے ایک تمدنی گر ہے مسلمانوں نے جب سے یہ روش چھوڑی اُنکی امارت اور تمکنت میں قریباً فرق ہی آ گیا جب طب پڑھنے کے

واسطے حکیم علی حسین صاحب کے پاس شہر لکھنؤ میں گئے تو ایک معترض کی نکتہ چینی پر اس جرأت اور اس صفائی سے ایسا خوش آیند اور مسکت جواب دیا۔ جو اسلام کی تعلیم کا ایک جوہر بے بہا یا صرف اُسی کا خاصہ ہے ہمیشہ اس بات پر زور دیا جاتا ہے کہ اسلام میں جسقدر جذب اور جس حد تک مساوات ہے وہ کسی اور مشرب یا مذہب میں نہیں ہے مولوی صاحب نے علمی رنگ میں اسکے ثبوت میں کمال ہی کیا کس خوبصورتی سے فرمایا۔ "یہ بے تکلّفیاں اور السلام علیکم کی بے تکلف آوازوادی غیر ذی زرع کے اُمّی اور بکریوں کے چرواہے کی تعلیم کا نتیجہ ہے صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی و اُمّی"۔

یہ وہ جواب تھا جو ہزاروں دلائل اور صدہا براہین پر ایک عاملانہ زندگی کے رنگ میں برتری اور فوقیت رکھتا ہے یہ وہ جواب تھا جو ہر مُنہ سے نہیں نکل سکتا۔ یہ وہ الفاظ تھے جنہیں اسلامی جوش بھرا ہوا تھا اس پُر جوش پُر صداقت جواب سے ثابت ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے باوجود فرق مراتب اور حالات ہم سرانہ یا آزادانہ گفتگو کرنے کی روح کہاں تک رکھتا ہے جو جذب اور مساوات کا ایک پہلا زینہ ہے روشن دل حکیم اس روشن فقرہ کے سننے سے وجد ہی میں تو آگئے ایک طالب علم وہ بھی صدہا کوس کا مسافر اور یہ جرأت اللہ اللہ اسلامی تعلیم کی کیسی اعلیٰ شان ہے یہ روشن فقرہ اُس جرأت حوصلہ اور عزم کا اثر تھا جو اسلام کی مقدس تعلیم سے اُن کی پاک طبیعت میں شروع ہی سے منقوش ہو چکا تھا اور جو کبھی بھی جھلک مارنے سے نہیں رُک سکتا تھا۔ ؎

ما آبروئے فقر و قناعت نمے بریم ٭ با پادشہ بگو کہ روزی مقدر است

اس عزم اور اس جرأت کے ساتھ بھی حکیم صاحب کو خدا پر جو اعتماد تھا اور دعا کی فلسفی جس رنگ میں اُن کے ذہن نشین تھی وہ ثابت کرتی ہے کہ اُن کی گھٹی ہی میں یہ باتیں رکھی گئی تھیں مختلف مواقع پر اُنہیں اپنی دعاؤں کی قبولیت کا ثمرہ اُٹھانا پڑا ہے اور اس جرأت سے اُس کا اعلان اور اظہار کیا جاتا رہا ہے کہ کوئی کوئی ہی کر سکتا ہے طالب علمی ہی میں اُن کا یہ خیال یا عقیدہ تھا کہ جب ہم قرآن مجید کو سمجھ سکتے ہیں تو اور علوم کیا ہیں یہی ہمّت اُنہیں بہت سی مشکلات سے نکال کر لے گئی اور اُستادوں کو بھی اُن کی ذہانت اور محنت کا اعتراف کرنا پڑا۔ اُن کی اس ہمت نے آپ کی اکثر موقعوں پر بہت کچھ مدد بھی کی اور اُن کی پارسایانہ زندگی بہتوں کے واسطے ایک نظیر ہو گئی

جب کبھی اُن کی کسی نے مخالفت کی تو خداوند کریم نے اُن کی مدد اور فتح کے واسطے غیب ہی سے سامان مہیا کر دیئے دیکھو رام پور میں عبدالقادر خاں اور کلّن خاں کے درمیان کیا کچھ گذرا اور کلّن خاں کس طرح ایک مسافر طالب علم کا حامی بن گیا اور کس ہمت اور استقلال سے نورالدین کی کلّن خاں نے مدد کی اور اخیر تک کیسا مستقل رہا۔

نورالدین کا یہ استقلال اور حمیّت یا غیرت مکتبوں ہی تک نہ رہی بلکہ راجوں اور نوابوں کے درباروں میں بھی اُس کے یہی دم و خم رہے مہاراجہ کشمیر کے روبروئے نذر دکھاتے جو استقامت جو حوصلہ نورالدین نے دکھایا وہ کوئی کوئی ہی دکھلا سکنے کا دل و گردہ رکھتا ہے یہ اسی راستبازی اور استقامت کا نتیجہ تھا کہ خدا اُن کی وقت پر مدد کرتا رہا۔

رام پور میں ایک بیمار زیر علاج کے ناگہانی حادثہ نے جس کش مکش میں مولوی صاحب کو ڈالا انکی ہمت اور اُن کا استقلال اور خدا پر توکّل اُنہیں اس مخمصے میں سے کس خوبصورتی سے نکال لے گیا ایسی مثالیں بہت کم ملتی ہیں ایسے وقتوں یا ایسی حالتوں میں قائم رہنا سوائے اسکے نہیں ہو سکتا کہ خدا پر پورا بھروسہ اور یقین ہو ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء استقامت اور بھروسہ اور بھی کرتے ہیں لیکن جو استقامت اور بھروسہ خدائی رنگ رکھتا ہو وہ کچھ اور ہی ہے۔ مکّہ اور مدینہ کا سفر جس عقیدت سے مولوی صاحب نے کیا ہے وہ اُن کے حُسن عقیدت پر ایک نیک شہادت ہے جس شخص کے دل و دماغ میں نام کو بھی فریب دِہ فلسفہ کا غبار ہوتا ہے وہ سو سو باتیں نکالتا ہے مولوی صاحب ایسا حکیم مزاج انسان جس عجز و نیاز سے باب السلام پر جھکتا ہے وہ اللہ ہی کا فضل و کرم ہے باوجود اس عقیدت کے بھی مولوی صاحب کی نظروں میں جو باتیں قابل جرح قدح معلوم ہوئیں اُنپر نوٹس لینے سے اخیر تک نہیں چوکے جب دوسری مرتبہ مکّہ میں جاکر ایک عرب کو ننگے نہاتے دیکھا تو ٹوک ہی دیا مذہب میں فضول اور تکلیف دِہ بحثیں جب کبھی سُنیں اُن سے نہ رہا گیا مولوی صاحب کی کشادہ دلی اور حق پسندی ہمیشہ اُنہیں کامیاب بناتی رہی وہ باوجود اسقدر پابند مذہب ہونے کے بھی کشادہ دل رہے اُن کے مباحثات نے کبھی بھی مجادلانہ رنگ اختیار نہیں کیا لطیفوں ہی میں وعظ و رشد کی لطیف راہ نکالتے رہے بڑے بڑے سخت دل باحث بھی حکمت نما بحث سے اُن کا لوہا مان گئے۔

مکّہ جانیوالے اکثر لوگ یہ کہتے ہیں کہ مکّہ والوں میں اُلفت اور محبت نہیں مولوی صاحب نے کیا عمدہ نتیجہ نکالا ہے فرماتے ہیں جب ہر سال نئے حاجی آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں اُن سے مکّہ والوں کی محبت اور راہ ورسم کیا ہو چونکہ وہاں خدائی محبت کا زور ہے اسواسطے انسانی محبت قدم نہیں جما سکتی سچ ہے ایسے گھمسان میں کوئی کسی سے محبت کیا کرے پھر اُن لوگوں سے جو مختلف ملکوں کے رہنے والے اور بھانت بھانت بولیاں بولنے والے ہوں۔ اسحالتیں تو واقفیت بھی مشکل ہو سکتی ہے گلگوٹی کیٹڑین میں اُترنے کے بعد کوئی کسی کا واقف اور رُوشناس بھی نہیں رہتا اور آپسمیں مسافر محبت نہیں تو اُس کی بھی وہی صورت ہو گی جو سفر مکّہ کی ہے طبیعت میں استقامت اور عزم اسقدر ہے جس کی نظیر بہت کم ملتی ہے۔ بھیرہ میں کیمٹی کے حدود میں مکان بنانے اور صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر کی ملاقات کی کیفیت استقامت اور بھروسہ خدا کا ایک زندہ نمونہ ہے اور اُس پر صحیح عزم دیکھنے والے دیکھ سکتے ہیں کہ پھل بھی کیسا ملتا رہا ہے۔

ہر دم چو بے وفایاں نہ تواں گرفت یارے
مائیم و آستانش تا جاں زتن برآید

اگر اس قسم کے واقعات اور تصرفات کو کم سے کم شرح صدر اور عزم ہی کہ لو تو وہ بھی اپنی آپ ہی نظیر ہے۔ ع

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

اعترافِ احسان شکریہ اظہارِ حق اعتراف حسنات سے طبیعت مخمر ہے جسکے ساتھ کشادہ دلی گذر اور ہی رنگ پیدا کرتا ہے تھوڑی سی نیکی اور احسان بھی اعتراف اور شکریہ کے بغیر نہیں رہا بڑی بڑی باتوں کا تو ذکر ہی کیا اور پھر لُطف یہ ہے کہ احسان اور نیکی کو ہمیشہ بحیثیت احسان اور نیکی کے تسلیم کیا جاتا ہے مذہب اور قومیت کا شائبہ بھی نہیں اغیار کے صفات حسنہ اور احسان و مروت کو جس کشادہ دلی سے مانا ہے وہ ایک بڑے وسیع الظرف دل و دماغ کا ثبوت دیتا ہے ملک فتح خاں پادری گوکل ناتھ اور بعض ہندو و آریہ دوستوں کی خوبیوں اور حسنات کا جن الفاظ میں اعتراف کیا گیا ہے وہ مولویصاحب کی کشادہ دلی پر ایک زندہ نظیر ہے یہ وہ زندہ دلی ہے جو اسلام ہر مسلمان کو سکھاتا ہے غیروں اور دیگروں کی خوبیوں کا

اُسی رنگ میں تسلیم اور تصدیق کرنا بڑی خوبی اور بڑی جوانمردی کا کام ہے یکم فروری ۱۹۱۴ء کا ذکر ہے کہ مَیں نے مولویصاحب کی خدمت میں مولوی محرم علی چشتی صاحب کا اسلام علیکم کہا بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ چشتی میرے دیرینہ دوست ہیں وہ بڑی خوبیوں کے انسان ہیں اُن میں تین باتیں خاص ہیں اور مَیں اُن کی بڑی قدر کرتا ہوں۔

(الف) اخفائے راز یا حفظ اسرار۔ (ب) محبت و ہمدردی صادق۔ (ج) استقلال۔

یہ ظاہر ہے کہ مولوی صاحب اور چشتی صاحب کے عقاید فروعی یا اجتہادی میں ایک حد تک اختلاف ہے باوجود ان اختلافات کے بھی مولویصاحب کا اس وسعت قلبی اور اس کشادہ دلی سے چشتی صاحب کی ان خوبیوں کا اعتراف جو واقعی اُنکی ذات میں پائی جاتی ہیں اُن کی روشن دماغی پر ایک عملی دلیل ہے اور اس بات کا سبق کہ اسی روشن دماغی اور کشادہ دلی سے ہم سب کو پیش آنا چاہیئے۔ جیسے اور انسان ابتلاء اور تکلیف میں پڑتے ہیں ایسے ہی مولویصاحب بھی مبتلا ہوتے رہے ہیں کبھی کسی تکلیف میں پڑے اور کبھی کسی میں کبھی قرضہ کی وجہ سے حیرانگی ہوئی کبھی دشمنوں نے گھیرا اور کبھی مار دینے کی خبریں اُڑیں یا اُڑائی گئیں ان حالات میں بھی مولویصاحب نے حوصلہ نہیں ہارا وہی آن بان رہی جو تھی غیرت اور حمیت سے جو کبھی بھی نہ مرے۔ ہمیشہ خدا ہی کا بھروسہ رہا۔

مسلماناں مرا وقتے دلے بود
که باوے گفتمے گر مشکلے بود

جب پہلے سفر کے وقت ۱۲ سو قرضہ ہوگیا دل چل نکلے پانچ سو روپیہ ملنے پر دل میں یہ آیا کہ رقم پوری نہیں آئی ابھی وہاں جانا ہے جہاں یہ کمی پوری ہوگی۔ بھیرہ میں تحصیلدار کو جب پچھاڑا کہاں؟ ایک بڑی کثیر جماعت میں جب جموں سے حکماً استعفا لیا گیا ایک مہاجن نے جو کچھ کہا اور جو کچھ کہتا تھا اُسکے اعادہ سے طبیعت جس استقلال جس ہمت میں اور جس توکل پر رہی باوجودیکہ اُس شہر میں ہزاروں روپیہ قرضہ بھی دینا تھا وہ اُس استقلال اور توکل کا عملی ثبوت ہے جو بعض طبائع ہی رکھتی ہیں۔ یہ نوردین کی ہمت نہ تھی بلکہ اُس توکل اُس خدا پرستی کا اثر جو نوردین کی فطرت عالیہ میں مودعہ ہے۔ نوردین باتیں نہیں کرتا بلکہ عمل بھی کر کے دکھاتا ہے اُس کی پاک فطرت میں جوہر عمل رکھا گیا ہے

سخنِ عشق نہ آن است کہ آید بزباں ٭ ساقیا مے دہ و کوتاہ کن ایں گفت و شنود

چونکہ تدین اور تبحر کے ساتھ طبیعت فلسفی رنگ میں بھی ڈوبی ہوئی ہے اسواسطے بعض وقت وعظ و نصیحت میں اس قسم کے نکات فاضلہ سے کام لیا گیا ہے کہ منصف طبائع عش عش کر اُٹھتی ہیں۔ وزیر لعل دین کے مکان پر جاکر جس پیرایہ میں نصیحت کی اور جس جرأت کے ساتھ۔ وہ خاص طبائع کا ہی حصہ ہوسکتا ہے کیا جامع نکتہ بیان ہوا ہے کہ ہر شخص کے واسطے اپنی زندگی میں کوئی نہ کوئی واعظ موجود ہوتا ہے اگر ایک امیر کے گھر کے پاس کسی دوسرے امیر کا اُجڑا ہوا گھر موجود ہے تو موجودہ امیر کے واسطے اُس کا نظارہ بھی ایک واعظ ہی ہے کیسا دل ہلا دینے والا نکتہ اور مسکت استدلال ہے اگر اسی پر انسان دھیان رکھے تو چند در چند منہیات سے باز رہ سکتا ہے۔

چہ فرصت ہاکہ گم کردم دریں راہ
ز بخت خواب ناک غافل خویش

راست گوئی میں مولوی صاحب کی طبیعت بالکل نڈر واقع ہوئی ہے اور اب تک اُسی پیمانہ پر چلی جاتی ہے باوجودیکہ ضعف و ناتوانی نے جسم میں گھر کر لیا ہے مگر روح اور حوصلہ ناتوان اور ضعیف نہیں ہوا ہے اُسی آن بان میں ہے صداقت کے اظہار میں صداقت ہی سے صادقانہ کام لیا جاتا ہے کشمیر میں دیوان لچھمن داس صاحب ایسے جری افسر کو پشتونیوں کی دست برد سے جس ہمت اور جس حوصلہ سے روکا وہ مولوی صاحب کی جرأت کی ایک زندہ مثال ہے اسی طرح صد امیروں۔ نوابوں اور راجوں سے یہ جرأت و ہمت خطاب اور سلوک رہا۔

صفحہ ۱۷۰ سے صفحہ ۲۶۹ تک عطر مجموعہ ہے یہ مجموعہ یا یہ گلدستہ واقعی عطر بیز یا عطر فشاں ہے اور یہ مجموعہ نادرات اُن ہی الفاظ میں قلمبند ہوا ہے جو خود مولوی صاحب کی اپنی زبان کے ہیں اس مجموعہ میں ناظرین کو بیسیوں ایسی باتیں ملیں گی جو بڑے بڑے حکیموں اور فلاسفروں کے حصہ میں بھی بمشکل آئی ہیں یہ گراں بہا نکات یا قیمتی باتیں چند لفظوں میں بیان کر دی گئی ہیں ایسے روپ میں کہ غبی سے غبی طبیعت اور متعصب سے متعصب انسان بھی اثر کے بغیر نہیں رہ سکتا یہ باتیں اور یہ نکات مشاہداتی ہی نہیں ہیں بلکہ تجربی بھی فلسفی ہی نہیں ہیں بلکہ روحانی بھی۔ اخلاقی ہی نہیں بلکہ تمدنی بھی تمدنی ہی نہیں ہیں بلکہ سوشل اور سیاسی بھی ان نکات سے کیا کھلتا ہے

" مولوی صاحب کی زود رسی - توکل - خدا پر اعلیٰ بھروسہ تدیّن -

" ذہانت -

" حاضر جوابی -

" موقعہ شناسی -

" حسن جواب حسن تبلیغ -

" کشادہ دلی -

" وسعت قلبی -

یہ وہ باتیں اور یہ وہ نکات ہیں جو بعض ہی کا حصہ ہوتے ہیں ع

ایں سعادت بزور بازو نیست

اس عطر مجموعہ سے ناظرین مندرجہ ذیل باتیں خصوصیت سے دیکھ سکتے ہیں کہ ان میں مولوی صاحب کی روش کیا رہی ہے -

(الف) اہل خاندان کے ساتھ - (ب) اہل وعیال کے ساتھ (ج) اپنے شباب کے ساتھ (د) احباب کے ساتھ - (ھ) اہل وطن کے ساتھ -

ان شعبوں میں آپ کو بہت سی اس مجموعہ میں سے ایسی باتیں ملیں گی جو ملکی اور قومی جمیت غیرت اور دُور اندیشی کے گُر ہوں گے ساتھ ہی اس کے آپ کو یہ بھی پتہ لگ جائے گا کہ مولوی صاحب کی پاک طبیعت بناوٹ تصنع فریب دہی خوشامد معیوب وجاہت جاہ طلبی خودغرضی خودپسندی سے کہاں تک نافر رہی ہے اور نافر ہے - اور خدا کا فضل وکرم یہ ہے کہ وہی روش اب تک بھی چلی جاتی ہے علم دوستی علم پروری علم پروہی ہیں گویا اُن کی طبیعت اور اُن کا مذاق اپنی آپ ہی نظیر ہے ہزاروں روپے کا کتب خانہ اُن کی اپنی ہی خرید ہے اور اب تک وہ سلسلہ جاری ہے اور دوسری طرف کھانے پینے اور لباس کا یہ حال ہے کہ دیکھنے سے کوئی اجنبی نہیں کہہ سکتا کہ یہ وہی نورالدین ہے جو زمانہ بھر میں شہرت رکھتا ہے - اُن کی بیرونی وجاہت اندرونی وجاہت اور اندرونی عظمت اور علو شان کا عکس ہے کیونکہ باایں حالات رعب اور وہی شان لیے ہوئے ہے ایک طرف احسان پروری کی کوئی حد نہیں اور دوسری جانب احسان فراموشی اور احسان خواہی

سے طبیعت کوسوں بھاگتی ہے یہ بات کسی نمائش کی غرض سے نہیں بلکہ طبیعت بھی مستغنی واقع ہوئی ہے اور یہ کہ کوئی دوسرا کیوں تکلیف میں پڑے۔ بہ مورخہ ندارد ایک رقعہ مجھے لکھتے ہیں جس کی میں ذیل میں نقل دیتا ہوں۔

مکرم معظم مرزا

یہ کتاب خاکسار نے مرزا محمود احمد سے لیکر کسی ملا کو دی اُس نے وہ غیر ناقص کتاب گم کردی اب مجھے محمود احمد سے حجاب آتا ہے اُن کی کتاب کیوں گم ہوئی۔ لکھنؤ کان پور دہلی میں بہت جستجو کی مگر عمدہ بے نقص کتاب نہیں ملی بہاولپور میں شائد اس کا نسخہ مل سکے عـ۵ روپے تک میں دے سکتا ہوں۔ آپ لاہور میں سید نادر شاہ کیوریٹر سے پتہ لگائیں کتاب بے نقص ملجائے

(نور الدین)

جس کتاب تہذیب النحو کا رقعہ بالا میں ذکر کیا گیا ہے وہ حجم میں ۱۴ صفحے کی ہے میری رائے میں ار حد ۲ ر سے اُسکی قیمت زیادہ نہیں ہے جس کے بدلہ میں مولویصاحب عـ۵ روپیہ تک بھی خرید لینا چاہتے ہیں تاکہ میاں محمود صاحب کو واپس دیجائے اللہ اللہ کیسی آزاد کیسی غیرت پسند کیسی پُر حق کیسی خیر جو طبیعت واقعہ ہوئی ہے۔ اس رقعہ نے مجھے اس بات پر آمادہ کیا کہ میں ایسے شخص کی سوانح عمری دیکھوں۔ ایک فلاسفر کا قول ہے کہ بعض اوقات معمولی اور چھوٹی چھوٹی باتیں اور چھوٹے چھوٹے واقعات ہی بڑی بڑی باتوں اور بڑے بڑے واقعات کی راہ دکھاتے ہیں۔ فتدبر۔

مشکل سے ایسے لوگوں کے ایسے افعال اور ضبط افعال کو کوئی خود غرضانہ نکتہ چینی سے بدنام کرسکتا ہے اگرچہ نورِ دین بھی انسان ہے اور انسانوں ہی میں سے ہے مگر اُن انسانوں میں سے جو جامہ انسانیت رکھتے ہیں یا جو انسانیت شناس اور انسانیت کے دلدادہ ہیں۔

گدائے میکدہ ام لیک وقت مستی بین
که ناز بر فلک و حکم بر ستاره کنم

۲۔ فروری ۱۹۱۴ء کا ذکر ہے کہ مولوی صاحب نے یہ فرمایا کہ انسان کی زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں ہمارے بعد ہماری اولاد کی امداد چندوں۔ زکوٰۃ۔ اور صدقات سے نہ کی جائے جس طرح

میرا حامی خود خدا رہا ہے اسی طرح میری اولاد اور میرے وابستگان کا بھی رہے گا۔

یہ وہ بات وہ توکل وہ بھروسہ اور وہ قربانی ہے جو ہر کسی سے نہیں ہو سکتی یہ وہ دردناک اور نتیجہ خیز حکایت ہے جو ہر کوئی نہیں سنا سکتا یا ہر منہ اس قابل نہیں خدا پر بھروسہ اور توکل ہو تو ایسا ہی ہو یہی شعائر اسلام اور روش مشاہیر اسلام ہے بایسے ہی لوگ عملی رنگ میں اسلام کے واسطے ارکان عزم اور اصحاب ارادہ ہیں۔

روز نخست چوں دم رندی زدیم و عشق
شرط آں بود کہ جز رہ ایں شیوہ نسپریم

ادھر یہ صورت اور ادھر یہ کہ اگر کوئی اپنی کمزوری بھی ہے تو چھپائی تک نہیں عطر مجموعہ کے حصہ میں دیکھ لوگے کہ جب کوئی وسوسہ خطیر خاطر ہوا یا کوئی اور ایسی ہی صورت پیش آئی ہے تو اس کا بھی ذکر کر ہی دیا گیا ہے۔

صوفیائے کرام اور حضرات اولیائے عظام کی خدمت میں جو کچھ عقیدت ہے اس کا ہر رنگ میں اعتراف ہے چار مشاہیر اسلام سے بیعت ہے اور چاروں سے اب تک وہی عقیدت ہے اور اسی ادب و عزت سے اُن کا ذکر کیا جاتا ہے جو شروع میں تھا ایک وہ لوگ بھی ہیں جو ایک پیر کے چھوڑنے یا مرنے پر اس کی نسبت عقیدت رکھنا تو درکنار ادب سے نام لینا بھی گوارا نہیں کرتے۔

سوچنے والے سوچیں کہ مولوی صاحب کو بزرگان دین سے کہاں تک عقیدت اور محبت ہے اور مختلف انساب صوفیائے عظام سے اُنہیں کیسی اعلیٰ نسبت ہے اسی حسن عقیدت کا یہ اثر اور یہ نتیجہ ہے کہ خود مولویصاحب بھی اُسی سلسلہ عظام سے وابستہ ہو چکے ہیں۔

ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء

ز محرماں سراپردۂ وصال شوم
ز بندگان خداوندگار خود باشم

جیوۃ نور الدین کی قیمت عہ ہے ہماری رائے میں ہر مذاق کا آدمی ایسی

سوانح عمریوں سے ایک مبلغ فائدہ اٹھا سکتا ہے کیونکہ اس میں بہت سی باتیں ایسی بیان ہوئی ہیں جو ہر صحیح مذاق کے مطابق ہیں اور جن سے نہایت کشادہ دلی اور اتفاق کی مثالیں ملتی ہیں۔ جہاں سے عمدگی اور خوبی مل سکتی ہے وہ ہمیں لینی چاہیے صداقت کا میدان بہت وسیع ہے صداقت کسی کی ملکیت نہیں ہر شخص کا حق ہے۔

خلقے زبان بہ دعوئے عشقش کشادہ اند
اے من غلام آن کہ دلش با زبان یکے است

تمام دنیا اسلام کی طرف آ رہی ہے

(ترجمہ مضمون ڈاکٹر اے جارج بیکر۔ شہر فلیڈلفیا۔ اضلاع متحدہ۔ امریکہ)

آج تمام دنیا ایک بڑے شہر کی طرح ہے۔ چھاپہ اور بجلی نے تمام دنیا کے لوگوں کو ایک دوسرے سے ایسا قریب کر دیا ہے کہ گویا وہ ایک دوسرے کے پڑوسی ہیں۔ بڑے بڑے واقعات جو ہندوستان۔ سیام۔ جاپان۔ روس۔ عرب۔ مصر یا امریکہ میں آج واقع ہوئے ہیں۔ وہ ... تار برقی اور اخبارات کے ذریعہ ۲۴ گھنٹہ کے اندر کل دنیا میں مشہور ہو جاتے ہیں۔ اور یہی امر ایک ایسی چیز ہے جس نے تمام قوموں میں خواہ وہ کسی مذہب کی پیرو ہوں ایک قسم کی اخوت اور رشتہ داری کا احساس پیدا کر دیا ہے۔ ہاں صرف ایک قوم ہے جو یہ خیال کرتی ہے کہ تمام دوسری قومیں اس کے ماتحت ہونی چاہئیں اور وہ مسیحیوں کی قوم ہے۔ ستمبر ۱۹۱۰ء میں گلاسگو و گیلو وے (سکاٹلینڈ) کے بشپ نے ایک جماعت کو مخاطب کر کے مندرجہ ذیل تقریر کی۔

"مغربی لوگوں کو دوسری قوموں کی نسبت زیادہ اس امر کے سیکھنے کی ضرورت ہے کہ یہودیوں۔ مسلمانوں اور دیگر غیر مسیحی قوموں سے بہت سی ایسی چیزیں وہ حاصل کر سکتے ہیں جو ان کی تکمیل کے لیے ضروری ہیں۔ مغربی لوگ اپنے دنیاوی کاروبار کے لیے راتھ شائلڈ یہودی کو اپنا ساہوکار اور ڈسرائیلی یہودی کو اپنا وزیر اعظم بنانے کے لیے تو تیار ہیں۔ لیکن وہ یہودیوں کو اپنے ساتھ ملانے کے لیے تیار نہیں۔

"اگر مغرب کا کوئی انسان مشرقی ممالک میں سیاحت کے لیئے جاتا ہے تو وہ اسلام کے پیروؤں کی تعریف کرنے کے لیئے تیار ہے مگر خود اُس کو اُن چیزوں سے جن کے لیئے وہ مسلمانوں کی تعریف کرتا ہے کوئی سروکار نہیں وہ یہ دیکھکر بہت خوش ہوتا ہے کہ مسلمان باقاعدہ اپنے ربّ کی عبادت کرتے ہیں اور جب عبادت کا وقت آجاتا ہے تو خواہ وہ کسی جگہ ہوں اپنی نماز کو ادا کرتے ہیں۔ وہ یہ دیکھکر خوش تو ہوتا ہے اور اسے پسند کرتا ہے مگر وہ یہ امر صرف دوسروں کے لیئے پسند کرتا ہے۔ اور اُسے یہ کبھی خیال بھی نہیں آتا کہ اس امر میں اُسکو مسلمانوں سے سبق حاصل کرنا چاہیئے۔ وہ خود اپنے تئیں ان باتوں سے بلند تر سمجھتا ہے۔ وہ جب مسلمانوں کی مذہبی سرگرمی کو دیکھتا ہے تو اُن کی مدح میں رطب اللسان ہوتا ہے اور جب وہ مسلمانوں کو باقاعدگی کے ساتھ رمضان کے روزے رکھتا ہوا دیکھتا ہے تو اُس کا دل اُن کی مدح سے بھر جاتا ہے مگر خود وہ کبھی ایک وقت کا کھانا بھی ترک نہیں کرتا۔ اور مسلمانوں کے اس فعل سے کبھی اُس کے دل میں یہ تحریک پیدا نہیں ہوتی ہے کہ وہ خود بھی اپنے مذہب کے مطابق لینٹ کے چالیس دن روزے رکھے۔

"مغربی لوگ غیر مسیحی قوموں کی صفات کی بہت زور سے تعریف کرتے ہیں اور اُن کا بیان ہے کہ جب یہ لوگ مسیحی مشنریوں کے اثر کے نیچے آجاتے ہیں تو پھر ان کی یہ صفات حمیدہ جاتی رہتی ہیں اور وہ بگڑ جاتے ہیں اور وہ پھر اس قابل نہیں رہتے کہ انکو ملازم رکھا جائے مگر ساتھ ہی اسکے اُن کی یہ دلی تمنا ہوتی ہے کہ دیسیوں کو اپنے نمونے کے مطابق مہذب بنایا جائے۔ (حالانکہ اسی تہذیب کی وجہ سے انگلستان اور امریکہ کے شہروں میں گندے لوگ کثرت سے پائے جاتے ہیں) مگر مغربی انسان کے دل پر اسقدر پردے پڑے ہوئے ہیں کہ یہ خیال اُسکے دل میں کبھی نہیں گذرتا کہ یہ صفات حمیدہ اُس کو غیر مسیحی اقوام سے حاصل کرنی چاہیئیں۔ ایک مغربی آدمی افریقہ کے حبشی کے پاس جاتا ہے (اور اُسکے جانے کی یہ غرض نہیں ہوتی کہ اُسکو اپنا بھائی بنائے بلکہ یہ غرض ہوتی ہے کہ اُسکو اپنا غلام بنائے) اور اُسے کہتا ہے "تم ایک غریب جاہل کالے آدمی ہو جو وحشت کی تاریکی میں پھنسے ہوئے ہو۔ آؤ۔ مہذب بنجاؤ" یہ غریب حبشی پہلے تو ایسا نادان تھا کہ اپنے قبیلہ کے فائدہ کو اپنے ذاتی فائدہ پر مقدم رکھتا تھا اور انگریزی بولنے والا

گورا آدمی اُس کو تہذیب کا پہلا سبق سکھانا شروع کرتا ہے یعنی یہ کہ ایک کے عدد کو ہمیشہ مدِ نظر رکھو۔ خود غرضی کے عالیشان اصل الاصول کو یاد رکھو۔ اُس غریب حبشی کو پہلے یہ تعلیم دی گئی تھی کہ جب تک اُس کے قبیلہ کا سردار اجازت نہ دے وہ لقمہ مُنہ میں نہ ڈالے۔ لیکن مغربی تہذیب یافتہ مسیحی اُسکو سمجھاتا ہے "میرے غریب نادان دوست۔ تیری سادگی پر مجھے تعجب آتا ہے۔ اور تیری جہالت کو دیکھکر مجھے سخت حیرت ہوتی ہے۔ کیا تم یہ نہیں دیکھتے کہ ہر ایک عقلمند مسیحی اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ وہ سب سے پہلے اپنا مال فروخت کرے۔ مسٹر چسٹرٹن جو ہینگ مینز کرسچن اسوسی ایشن۔ امریکہ کا ایک ممبر ہے کہتا ہے کہ ہمیشہ اپنے ساتھی سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔

"ایک اور بات جو مغربی لوگوں کو سیکھنی چاہیئے یہ ہے کہ خدا نے زمین کی تمام قوموں کو ایک ہی خون سے پیدا کیا ہے۔ ہم نے ابھی یہ بات سیکھنی ہے کہ مسلمانوں۔ یہودیوں اور دوسری غیر مسیحی قوموں کے پاس بھی ایسے ہدیے ہیں جو الٰہی خزانے میں قبول کیئے جانے کے قابل ہیں۔ مثلاً ایک حبشی بچہ کو خدائے تعالیٰ کی ہستی پر اس قسم کا گہرا ایمان ہے جو ایک انگریز کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ مسلمانوں سے ہم یہ سبق سیکھ سکتے ہیں کہ اُن کے ایمان کا اثر اُن کے فعلوں اور اُن کی روزانہ زندگی میں ظاہر ہوتا ہے اور اُن کی تعلیم کا اثر اُن کی عملی زندگی میں نظر آتا ہے اور خدائے تعالیٰ کی مالکیت پر اُن کو ایک زندہ ایمان ہوتا ہے اور سب سے بڑھکر یہ کہ اسلام نے اُن میں ایک اخوت کی روح پھونک دی ہے اور اسلام کے رُو سے تمام انسان ایک دوسرے کے بھائی ہیں"

یاد رہے کہ جس تقریر کا اقتباس مَینے اوپر درج کیا ہے وہ ایک ایسے مجمع میں کی گئی تھی جس میں دنیا کے تمام حصوں کے مشنری موجود تھے۔ اور بشپ موصوف کی جرأت بے شک قابل داد ہے کہ اُنہوں نے مسلمانوں کے مضبوط ایمان۔ اُن کی عالمگیر اخوت۔ اُن کی پاک عملی زندگی۔ اُنکی شرافت اور اُن کے چال چلن کے بارہ میں سچی سچی شہادت دے دی اور کسی کی پروا نہیں کی۔ اور اُس نے مسلمانوں کے نیک نمونہ کو مسیحیوں کے آگے ایک ایسے آئینہ کی طرح پیش کیا جس میں وہ اپنے نقص اور اپنے عیوب دیکھ سکیں۔

مسیحی لوگ تثلیث کو ترک کر رہے ہیں

اب ایک ایسا زمانہ ہے جس میں تمام قوموں کی کتابوں اور تاریخ کا اہل علم لوگ غور سے مطالعہ کر رہے ہیں۔ اور مسیحی مشنریوں نے جو جو دھوکے دیئے تھے وہ اب سب طشت از بام ہو رہے ہیں اور انکے سارے فریب اب کھل رہے ہیں اور اس تحقیق کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ بہت سے عقلمند انسانوں نے مسیحی عقاید کو ترک کر دیا ہے۔ اضلاع متحدہ میں ایک بہت بڑا گروہ ایسے لوگوں کا ہے جو اپنے تئیں موحد کہتے ہیں۔ یعنی وہ ایک خدا کو مانتے ہیں اور تثلیث کے عقیدہ کے دشمن ہیں۔ وہ حضرت مسیح کو صرف ایک عظیم الشان نبی اور نیک انسان سمجھتے ہیں۔ اس سے زیادہ نہیں۔ ہمارا سابق پریسیڈنٹ مسٹر ٹیفٹ بھی اس جماعت سے تعلق رکھتا ہے۔ اس نے واشنگٹن میں اس موحد جماعت کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہا "مجھے ہمیشہ اس بات پر تعجب آتا ہے کہ کیوں تمام دنیا موحد نہیں بنتی۔ مگر میں یہ دیکھتا ہوں کہ تمام دنیا اس عقیدہ کی طرف آرہی ہے" موحد مسیحی۔ مسیح کو صرف ایک انسان سمجھتے ہیں۔ وہ موروثی گناہ۔ اور مسیحیت کے اس حصہ کے منکر ہیں جس کا تعلق معجزات سے ہے۔ دوسرے مسیحی فرقوں میں بھی کثرت سے ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو موحدانہ اعتقادات رکھتے ہیں۔ لیکن وہ اپنے پرانے تعلقات کو توڑنا پسند نہیں کرتے۔ اسلیئے پریسیڈنٹ ٹیفٹ کا یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ "بڑی شکایت یہ ہے کہ دوسرے گرجاؤں میں بہت سے ایسے لوگ ہیں جن کے اعتقادات ہماری طرح موحدانہ ہیں۔ لیکن وہ ہمارے گرجے میں نہیں آتے۔ لیکن اس سے یہ امید پڑتی ہے کہ آخر وہ ایک دن ہمارے ساتھ شامل ہو جاوینگے" ہمیں بہت قوی امید ہے کہ پریسیڈنٹ ٹیفٹ کا یہ کہنا صحیح ثابت ہوگا۔

مسیحیت کا زوال

چارلس ایلیٹ پریسیڈنٹ ہارورڈ یونیورسٹی اپنی کتاب "آیندہ کا مذہب" میں لکھتا ہے کہ آیندہ دنیا کا جو مذہب ہوگا اس میں کسی پوپ یا بادشاہ کی تقلید نہ ہوگی آنیوالے مذہب میں صحیفہ فطرت کی کسی چیز کو خدا نہیں بنایا جائے گا۔ اور کسی انسان کو خواہ وہ کیسا ہی عالیشان کیوں نہ ہو الوہیت کا لباس نہیں پہنایا جائے گا۔

پھر وہ مسیحیت کے بڑھتے ہوئے ضعف کی طرف اشارہ کرکے لکھتا ہے کہ جن لوگوں کے عزیز چھوٹی عمر میں ان سے جدا ہو جاتے ہیں یا کسی بیماری کی وجہ سے ان کی زندگی تلخ ہو جاتی ہے مسیحیت ان کو کسی طرح تسلی نہیں دے سکتی"۔

"مسیحیت کے زوال کی ایک اور علامت یہ ہے کہ لوگ یہ دیکھکر کہ مسیحیت اُن کی ضروریات کو پورا نہیں کرسکتی ہے - اپنی بہتری کے لیئے خود راہیں سوچ رہے ہیں اور اپنی فطرتی خواہشوں اور جسمانی - اخلاقی اور روحانی ضروریات کے پورا کرنے کے لیئے خود طرح طرح کی سوسائٹیاں قائم کر رہے ہیں - اور نئے نئے فرقے بنا رہے ہیں - مثلاً سپر چوالسٹ - کرسچن سائنٹسٹ اور مینٹل ہیلر فرقے لوگوں کو پُرانی مسیحیت سے نکالکر اپنے ساتھ ملا رہے ہیں"

پریسیڈنٹ ایلیٹ نے اپنی رائے کا جو اظہار کیا ہے اُس کی بنا یہ ہے کہ مسیحیت کے مسلّمہ عقائد کو اب لوگ کثرت سے ترک کر رہے ہیں - اور نئی نئی اصلاحوں کی ایک لہر بعض اوقات مسیحی کلیسیا کے اندر سے ہوکر اور بعض اوقات اُس کے اوپر سے ہوکر چل رہی ہے - زمانہ حال کا فلسفہ - اخلاقی مسائل - سوشل اُمنگیں اور جمہوری اصول مسیحی کلیسیا پر اپنا اثر ظاہر کر رہے ہیں اور مسیحی ممالک میں بہت سے لوگوں نے گرجاؤں میں جانا چھوڑ دیا ہے -

یہ دو رائیں ہیں جو امریکہ کے دو مشہور پریسیڈنٹوں نے ظاہر کی ہیں - ایک تو اضلاع متحدہ کا پریسیڈنٹ ہے اور دوسرا ہماری سب سے قدیمی اور سب سے مشہور یونیورسٹی کا پریسیڈنٹ ہے - اس لیئے ان ہر دو صاحبان کی رائیں اس قابل ہیں کہ ہم اُن کو نہایت عزت کی نظر سے دیکھیں -

مسیحی کلیسیا کی اندرونی نزاعیں اور باہمی بغض و عداوت

اضلاع متحدہ کے پراٹسٹنٹ فرقوں کو اب اتحاد کے خواب آرہے ہیں - یہ فرقے تعداد میں ایک سو چھیاسٹھ ہیں - اگر یہ آج سب اکٹھے ہو جاویں تو ضرور ہے کہ کل ان میں ایک نیا تفرقہ پیدا ہو جائے - دنیا میں کسی اور مذہب کے پیروؤں میں باہم اسقدر نزاع نہیں ہے جتنا کہ مسیحی مذہب کے پیروؤں میں ہے اور ان سب کو ایک جماعت میں اکٹھا کرنا ایک محال امر ہے - وہ پھر ایک دوسرے کے ساتھ لڑائی کرنا اور ایک دوسرے کو آگ میں جلانا شروع کر دینگے - اور اُسوقت اُنکی پچھلی حالت پہلی حالت سے بدتر ہوگی -

قرآن شریف میں لکھا ہے ومن الذین قالوا انا نصٰرٰی اخذنا میثاقھم فنسوا حظا مما ذکروا به فاغرینا بینھم العداوة والبغضاء الی یوم القیٰمة (مائدہ - رکوع ۳) قرآن شریف کی اس آیت کے مطابق یہ بغض اور عداوت

ہمیشہ سے مسیحیوں میں چلی آئی ہے۔ مسیحی تاریخ قرآن شریف کے اس بیان کی پوری تصدیق کرتی ہے
طرفہ یہ ہے کہ مسیحی لوگ ایک دوسرے کے متعلق بھی حق گوئی سے کام نہیں لیتے پھر یہ
دوسرے مذاہب کے متعلق کس طرح سچی شہادت دے سکتے ہیں۔ مسیحی اختلافات اور نزاعوں کا
نمونہ خود ہندوستان میں موجود ہے۔ وہاں جب پراٹسٹنٹ واعظ رومن کیتھولک مشنریوں
کو کافر کہتے ہیں تو ہندو اُن سے سوال کرتے ہیں کہ ہمارے مسیحی بننے سے کیا فائدہ جب خود مسیحی دنیا
کا ۳/۴ حصہ تمہارے مذہب سے بہتر مذہب نہیں رکھتا۔ جیمز وائٹ فرقہ کے مسیحیوں نے ایک جعلی وید بنایا
جس کا نام انہوں نے ازور وید م رکھا۔ ڈچ قوم کے مسیحیوں نے تھوما حواری کی تمثیل کا ناک
کاٹ دیا۔ (یہ وہ حواری ہے جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ واقعہ صلیب کے بعد ہندوستان
کی طرف آیا اور وہ اس ملک میں مسیحی مذہب کا بانی ہوا) اور ڈچ نے صرف اُس کا ناک
ہی نہ کاٹا بلکہ اس میں میخیں ٹھوک ٹھوک کر اسکو میخوں سے بھر دیا پھر ایک توپ کے آگے اُسکو
رکھکر اُڑا دیا۔ پھر طرفہ یہ کہ مسیحی ایک طرف ہندو مذہب کو بُرا اور رُوح کے لیئے مہلک کہتے
ہیں پھر اُسی مذہب کو روپیہ کمانے کا ذریعہ بنا رکھا ہے۔ کرشن کی چھوٹی چھوٹی پیتل کی
تصویریں جن کے آگے ہندو استریاں ماتھا ٹیکتی ہیں انگلستان کے شہر برمنگھم میں
لاکھوں کی تعداد میں تیار ہوتی ہیں۔ جب ایسٹ انڈیا کمپنی ہندوستان میں صاحبِ اختیار
تھی تو اُسوقت اُس نے جگن ناتھ کے مندر کو ایک آمد کا ذریعہ بنا رکھا تھا۔

اور صرف رومن کیتھولک اور پراٹسٹنٹ فرقوں میں ہی باہم عداوت اور بُغض نہیں
بلکہ خود پراٹسٹنٹ مذہب کے مختلف فرقوں کے درمیان سخت عداوت اور دشمنی ہے مثلاً
اپِس کوپے لی اَن۔ پریزبی ٹی ری ان۔ میتھوڈسٹ اور بپٹسٹ اور دیگر فرقوں
میں باہم جنگ وجدال جاری رہتا ہے اور یہ بالکل ناممکن ہے کہ یہ فرقے کبھی باہم ملکر ایک ہو جاویں

مشرقی ممالک کی قدیمی تہذیب

قدیمی دنیا مثلاً چین۔ ہندوستان۔ جاپان۔ ایران وغیرہ نے پُرانے زمانہ میں جسقدر ترقی
کی ہے مغربی دنیا نے اُس کی پوری قدر شناسی نہیں کی۔ اور نہ اُس اعلیٰ پایہ کی تہذیب کی قدر شناسی
کی گئی ہے جو اسلامی سلطنت کو حاصل تھی۔ حالانکہ جو ترقی یورپ اور امریکہ نے اس وقت تک
کی ہے وہ اسی اسلامی تہذیب کی بدولت ہے۔ گذشتہ نومبر میں ہی میں نے پبلک لیکچر میں

ایک خدا ماننے والوں کی تعداد

مسلمانوں کے برخلاف ایک مضمون پڑھا۔ میں اسی وقت بیٹھ گیا اور اس کا جواب لکھا۔ میں نے پہلے
روئے زمین کے مسلمانوں کی تعداد پیش کی جو حسب ذیل ہے۔ ہندوستان سات کروڑ ۵۰ لاکھ۔
افریقہ دس کروڑ۔ ملیشیا ۲ کروڑ۔ ٹرکی ۴ کروڑ۔ ایران۔ روس۔ افغانستان۔ بلوچستان۔
وسطی ایشیا ۵ کروڑ۔ چین ۲ کروڑ۔ کل میزان تقریباً ۴۴ کروڑ۔ انکے علاوہ ایک کروڑ ۸۰ لاکھ
یہودی ہیں جو ایک خدا کو مانتے ہیں انکے علاوہ مسیحیوں میں لاکھوں آدمی ایسے ہیں جو تثلیث کے
منکر اور ایک خدا کے ماننے والے ہیں مثلاً فری میسن۔ شرائی نز۔ ٹوٹو۔ اور یونی ٹیرین۔ یہ سب
اعلیٰ طبقے کے لوگ ہیں اور ہمارے شہروں کی آبادی کا سمجھدار حصہ ان میں شامل ہے اور یہ سب
ایک خدا کو مانتے ہیں۔ میں نے رسالہ مذکور کے ایڈیٹر سے یہ بھی سوال کیا کہ کیا وجہ ہے کہ مسیحی لوگ
ہمیشہ ایسے آدمیوں کی تعداد کم دکھانے کی کوشش کرتے ہیں جو اسلامی معنوں میں ایک خدا
کو مانتے ہیں۔ مگر ایڈیٹر نے میرے جواب کو اپنے رسالہ میں شائع کرنے سے پہلو تہی کیا۔ مگر
اس سے یہ فائدہ ضرور حاصل ہوا کہ ایڈیٹر مذکور نے اس کے بعد کبھی مسلمانوں یا دیگر ایک خدا ماننے والے
لوگوں کے برخلاف کوئی مضمون شائع نہیں کیا تھوڑا عرصہ ہوا نیویارک چرچ مین میں ایک نہایت ہی عجیب مضمون
شائع ہوا جس کا عنوان یہ تھا " اسلام میں ایک نئی روح"۔ اس مضمون میں سے تھوڑا سا حصہ
ذیل میں نقل کیا جاتا ہے " دنیا کے مختلف حصوں میں اسلام کی حیرت انگیز ترقی زمانہ حال کا ایک
نہایت ہی عجیب نظارہ ہے۔ اسلام چین پر حملہ آور ہوا ہے۔ مجمع الجزائر ملیشیا پر قبضہ کر چکا ہے۔

اسلام ایک زندہ اور طاقتور مذہب ہے

وسطی افریقہ میں نہایت تیزی سے قدم آگے بڑھا رہا ہے۔ اور اس نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے
خدام روس کے جنوب میں بھی اشاعت اسلام کے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ اسلام میں تمام
قسم کے لوگوں کو اپنے اندر ملانے کی ایک حیرت انگیز قوت پائی جاتی ہے۔ جو جو قومیں اس کی راہ
میں آتی ہیں یہ ان سب کو اپنے اندر جذب کر لیتا اور ان کو بالکل اپنا گرویدہ بنا لیتا ہے۔ جہاں کہیں
اسلام نے قدم رکھا ہے۔ اس نے ہمیشہ لوگوں سے بزبان حال یہ خطاب کیا ہے " میں تمہارے
ساتھ بالکل مل جاؤں گا۔ میں تمہارے خون کا جزو بنوں گا۔ میں تمہاری تمام سوشل لائف کو
لیکر اپنا بنالوں گا۔ اور تم ایک بڑی بھاری برادری میں شامل کئے جاؤ گے یہانتک کہ ہم سب
ایک جان ہو جائینگے اور ہمارا ایک ہی مرکز ہوگا اور ہم سب میں ایک ہی روح کام کرے گی اور

ایک ہی طاقت پر ہماری زندگی کا مدار ہوگا۔" اسلام میں یہ ایک نہایت عجیب اور حیرت میں ڈال دینے والی طاقت ہے۔ اسلام جہاں جاتا ہے لوگوں کے رگ و ریشہ میں داخل ہو جاتا ہے اور یہ امر ظاہری فتوحات کے ذریعہ نہیں ہوتا کیونکہ اس نے ایسے ممالک میں بھی بڑی بڑی فتوحات حاصل کی ہیں جہاں اس کو کوئی ظاہری حکومت نہیں۔ اس میں ایک ایسی طاقت ہی جو لوگوں کے دلوں کو فتح کرتی ہے۔ اور ایک مسیحی ایڈیٹر کا اسلام کی اس طاقت کو تسلیم کرنا ایک بہت بڑی بات ہے کیونکہ مسیحیوں کا یہ قاعدہ ہے کہ وہ اسلام کی ہر ایک خوبی کو لوگوں کی نظر سے غائب رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور ہمیشہ یہی دکھانا چاہتے ہیں کہ دنیا میں صرف مسیحیت ہی ایک زندہ اور طاقتور مذہب ہے۔

اسلام کی تعریف سے مسیحیوں کی کیا غرض ہوتی ہے

لیکن جب مسیحی اسلام کی تعریف کرتے ہیں جیسا کہ مشنری کانگریس میں گلاسگو کے بشپ نے کی یا جیسا کہ نیویارک چرچ مین کے مسیحی ایڈیٹر نے کی تو اس سے ان لوگوں کی اصل غرض اپنی قوم کے لوگوں کو اکسانا اور سکھانا ہوتا ہے کہ وہ بھی مسیحی مذہب کے پھیلانے میں اسلام کے نمونہ پر عمل کریں اور مسلمانوں کو مسیحی مذہب میں داخل کرنے کی کوشش کریں۔ لیکن افسوس ان کو یہ سمجھ نہیں آتا کہ کوئی حقیقی مسلمان مسیحی مذہب میں داخل نہیں ہو سکتا۔ مسیح یوحنا باب ۱۷ ورس ۳ میں کہتا ہے کہ "یہ ابدی زندگی ہے تا وے تجھے پہچانیں جو ایک ہی سچا خدا ہے اور یسوع مسیح کو پہچانیں جس کو تُو نے بھیجا (یعنی جو تیرا رسول ہے") اس مقام سے اور ایسا ہی اور بہت سے مقامات سے یہ کھلے طور پر ثابت ہوتا ہے کہ یسوع مسیح نے خدا ہونیکا دعویٰ نہیں کیا۔ لیکن مسیحی لوگ ایسے مقامات پر غور کرنا پسند نہیں کرتے کیونکہ یہ مقامات اُن کے منشاء کے مخالف ہیں اور وہ نہیں چاہتے کہ تین خدا کی جگہ ایک خدا کو مانیں۔

مسیحیوں کی ناکامی

نیویارک چرچ مین کا ایڈیٹر جس کے الفاظ کو ہم اوپر درج کر چکے ہیں اپنے مضمون کے اندر اپنے ہم مذہب لوگوں کو یہ سکھاتا ہے کہ کس راہ سے وہ مسلمانوں پر فتح پا سکتے اور اُن کو مسیحیت میں داخل کر سکتے ہیں۔ افسوس کہ مسیحی لوگ گذشتہ تجربہ سے کچھ سبق حاصل نہیں کرنا چاہتے۔ دیکھو کس قدر روپیہ اُنہوں نے مسلمانوں اور یہودیوں کو مسیحی بنانے کے لیئے خرچ کر دیا ہے مگر اُنکو اس کوشش میں کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ شہر نیویارک میں ۱۲ لاکھ پچاس ہزار

اور یہاں فلیڈلفیا میں چار لاکھ یہودی رہتے ہیں۔ اور جس قدر کوشش مسیحیوں نے انکو مسیحی بنانے کے لیئے کی ہے وہ سب رائگاں ثابت ہوئی ہے۔

یہودیوں سے مسیحیوں کا سفاکانہ سلوک

گذشتہ زمانہ میں مسیحی لوگوں نے یہودیوں سے نہایت ہی سفاکانہ سلوک کیا ہے۔ اور اُن کو طرح طرح کے عذابوں کا نشانہ بنایا ہے اور اُن کے مال و متاع کو لوٹا اور اُنکے مَردوں اور عورتوں اور بچّوں کو قتل کیا ہے تا کسی طرح صفحہ ہستی سے ان کا نشان مٹ جائے شہر کیڈز اور سیویل (ملک ہسپانیہ) میں صرف ایک سال یعنی ۱۴۸۱ء میں ۲ ہزار یہودیوں کو رحم مجسم مسیحیوں نے جلتی ہوئی آگ میں ڈالکر راکھ کردیا لیکن اگرچہ انہوں نے یہودیوں کو جڑھ سے اُکھیڑ دینے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا مگر پھر بھی یہودی نابود نہیں ہوسکے بلکہ انکی تعداد اب پہلے کی نسبت زیادہ ہے۔

تمام یورپ کے مسیحیوں نے مسلمانوں اور یہودیوں کی بیخکنی کے لیئے صلیبی جنگوں کا سلسلہ جاری کیا اور اس مذہبی جنون میں لاکھوں آدمی اور کروڑوں روپے خرچ ہوئے مگر آخر ناکام ہو کر واپس جانا پڑا۔

تثلیث کا عقیدہ یہودی مذہب کی کتابوں کے خلاف ہے

مسلمان ایک خدا پر ایمان رکھتا ہے۔ اور حضرت مسیح کو بھی وہ خدائے تعالیٰ کا ایک عظیم الشان نبی مانتا ہے۔ مسیحی کہتا ہے کہ میں بھی ایک خدا مانتا ہوں لیکن خدا کے تین اقنوم ہیں۔ جن میں سے ہر ایک علیحدہ علیحدہ قادر مطلق ہے۔ باپ خدا قادر مطلق؛ بیٹا خدا قادر مطلق۔ روح القدس خدا قادر مطلق۔ لیکن پھر بھی تین خدا نہیں کہنے چاہیئے۔ خدا ایک ہے۔ یہ مسیحی تثلیث ہندوؤں کی تری مورتی کا گویا ایک دوسرا نام ہے۔ یہودی مذہب میں کسی تثلیث کا نام و نشان بھی نہیں پایا جاتا پھر بھی مسیحی صاحبان فرماتے ہیں کہ ہمارے مذہب کی بنا یہودی مذہب پر ہے۔ یہودی مذہب خدائے تعالیٰ کے سوا اور کسی نجات دینے والے کا قائل نہیں۔ دیکھو یسعیاہ نبی باب ۴۳ درس ۳ "میں خداوند تیرا خدا ہوں۔ اسرائیل کا مقدس۔ تیرا نجات دینے والا" اور یسعیاہ باب ۴۲ درس ۸ میں لکھا ہے "میں رب ہوں۔ یہ میرا نام ہے اور میں اپنا جلال کسی اور کو نہ دوں گا۔ اور نہ میں اپنی ستائش کھودے ہوئے بتوں کو دوں گا" اور پھر یسعیاہ باب ۴۳ درس ۱۱ میں لکھا ہے "میں۔ ہاں میں ہی رب ہوں اور میرے سوا کوئی نجات دینے والا نہیں"۔ اور

پھر یسعیاہ باب ۴۴ ورس ۶ میں لکھا ہے "خداوند۔ اسرائیل کا بادشاہ اور اُس کا نجات دہندہ۔ رب الافواج یوں کہتا ہے۔ مَیں اوّل ہوں اور مَیں آخر اور میرے سوا اور کوئی خدا نہیں"۔ یسعیاہ اور پُرانے عہد نامہ کی دوسری کتابوں میں بہت سے ایسے مقامات ہیں جو بڑے زور سے اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ خدائے واحد کے سوا اور کوئی خدا نہیں۔ اور وہی نجات دہندہ اور مُکتی دینے والا ہے۔ اُسکے سوا اور کوئی نہیں۔ اسلیئے مسیحی لوگ جو مسیح کو اپنا منجی قرار دیتے ہیں الہامی کتابوں کے عہد کے اندر شامل نہیں ہو سکتے اور یہ وہ کتابیں ہیں جنکو وہ خود خدا کا کلام کہا کرتے ہیں۔ لیکن تعجب یہ ہے کہ پُرانے عہد نامہ کی یہ ساری شہادتیں اور خود نئے عہد نامہ کے وہ مقامات جہاں مسیح بڑی صفائی سے لا الٰہ الا اللہ کی شہادت دیتا ہے مسیحیوں کی تسلّی کے لیئے کافی نہیں ہیں۔

اسلام کس طرح پھیل رہا ہے

ذویمر (جو ایک مشہور اور متعصب مسیحی ہے) اپنی ایک تصنیف میں لکھتا ہے:۔

"ملک برہما میں (جہاں ہندوستانی تاجر اشاعت اسلام کا کام کرتے ہیں) مسلمانوں کی آبادی میں گذشتہ دس سال کے عرصہ میں ۳۰ فیصدی کے حساب سے ترقی ہوئی۔ مغربی سوڈان اور نائیجیریا میں سارے کے سارے اضلاع جو پہلے مشرک تھے اب وہ مسلمان ہیں۔ اور یہ کام اسلامی مشنریوں نے نہیں بلکہ تاجروں۔ سیاحوں اور پیشہ وروں نے کیا ہے یہ کہنا تو مبالغہ ہوگا کہ ہر ایک مسلمان ایک اسلامی واعظ ہوتا ہے لیکن اسمیں کچھ شک نہیں کہ درویشوں کی چند جماعتوں کے سوا اشاعت اسلام کا کام کرنے والے تمام کے تمام عام مسلمان ہیں جو کسی خاص پیشہ یا درجہ سے تعلق نہیں رکھتے بلکہ ہر درجہ اور ہر پیشہ کے مسلمان اسلام کی اشاعت کا کام کر رہے ہیں۔ مثلاً ابھی تھوڑا ہی عرصہ گذرا ہے کہ بحرین کے ایک جواہرات کے تاجر نے قرآن کی ایک مکمل تفسیر مفت اشاعت کے لیئے شائع کی۔ لاہور اور کلکتہ میں مسلمان کلرک۔ تاجر۔ اور جلد ساز اور عام مزدور بھی سر بازار اسلام کا وعظ کرتے ہوئے، یا مسیحیت کے ابطال کے لیئے دلائل دیتے ہوئے دیکھے جاتے ہیں۔ جو تاجر جاوا سے حج کے لیئے مکّہ جاتے ہیں وہ جب واپس آتے ہیں تو کوہستانی قبائل میں آکر اسلام کا وعظ کرتے ہیں۔ سوڈان میں ایک خاص تاجروں کا گروہ ہے جو اپنے

ساتھ قرآن لیئے پھرتے ہیں اور جس جس جگہ وہ اپنا مال تجارت لے جاتے ہیں۔ اُس کے ساتھ ہی قرآن شریف بھی لیجاتے ہیں۔ اور جہاں کہیں وہ ایک گاؤں میں سر بازار اپنی دوکان کھولتے ہیں اُسی جگہ بازار کے سر پر وہ ایک مسجد بھی کھڑی کر دیتے ہیں"۔

مسیحی تاجروں اور مشنریوں کا مسلمان تاجروں سے مقابلہ

مندرجہ بالا بیان سے بصراحت یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ اسلام مسیحیت پر بہت فوقیت رکھتا ہے۔ مسلمان تاجروں کے مقابل میں مسیحی تاجروں کا حال نہایت ہی قابل افسوس ہے۔ اگر کوئی صاحب مسیحی تاجروں کے حالات سے آگاہی حاصل کرنا چاہے تو وہ جنوبی جزائر کی تاریخ کا مطالعہ کرے۔ اور دیکھے کہ کسطرح مسیحی تاجروں نے ان جزائر کے باشندوں کو لوٹا اور اُنکو طرح طرح کے دُکھ دیئے اور بائیبل کی بجائے وِسکی کی بوتل اور مسیحی یورپ کی تمام گندی بیماریاں اپنے ساتھ لے گئے۔

مسیحی تاجر یہ امر سمجھ ہی نہیں سکتے کہ کس طرح ایک آدمی محض صداقت اور دین کی خاطر بغیر کسی دولتمند جماعت کی امداد کے غیر ممالک میں جا کر مشنری کا کام کر سکتا ہے مسلمان تاجر اور دوسرے پیشہ ور جو اسلامی مشنریوں کا کام کرتے ہیں وہ اپنی اس خدمت دینی کیلیئے مسیحی مشنریوں کی طرح کسی مالدار سوسائٹی سے ہزار ڈالر (یعنی سوا تین ہزار روپیہ) یا اس سے بھی زیادہ سالانہ تنخواہ حاصل نہیں کرتے۔ وہ یہ سب کام سچائی کی خاطر۔ انسانی ہمدردی کی خاطر اور ایک خدا پر ایمان لانے کی خاطر کرتے ہیں۔ خیال کرو ۲ کروڑ ۵۰ لاکھ ڈالر (یعنی تقریباً ۸ کروڑ ½ ۱۲ لاکھ روپیہ) ہر سال مسیحی پادریوں پر خرچ ہوتا ہے۔ جو دنیا کے مختلف حصوں میں کام کر رہے ہیں اور اگر ان لوگوں کو تنخواہ نہ دی جاوے تو یہ لوگ ہرگز بیرونی ممالک میں وعظ کے لیئے نہ جائیں۔

مشنریوں کی ناکامی کے متعلق مصر کے ایک قبطی مسیحی کی شہادت

تقریباً ۲۰ سال کا عرصہ ہُوا ہے کہ یونائیٹیڈ پریزبٹیرین چرچ نے مصر میں ۶ یا ۸ پادری اس غرض کے لیئے بھیجے کہ وہ مسلمانوں کو عیسائی بنائیں۔ مگر وہاں جا کر جو کارروائی انہوں نے کی ہے اُس کے متعلق ڈاکٹر جارج پی۔ ایس۔ سابی جو قاہرہ کے مدرسہ طبی کا پروفیسر اور مصر کے قبطی کلیسیا کا ایک رکن ہے مندرجہ ذیل شہادت دیتا ہے:۔ "وہ ہم کو (یعنی قبطی کلیسیا کے ممبروں کو) متعصب کہتے ہیں لیکن ہم پوچھتے ہیں کہ ہم نے کس کے ساتھ

تعصب کا برتاؤ کیا ہے۔ ہم نے مصر میں بے شمار مشنوں کو خوش آمدید کہا اور اُن کے ساتھ معانقہ کیا ہے اور اپنی تعلیم اور حیثیت کے مطابق اُن کے ساتھ ملکر کام کیا ہے۔ لیکن نتیجہ کیا ہوا۔ یہ مشن مسیحی ممالک سے اس لئے بھیجے گئے تھے کہ مسلمانوں میں جاکر کام کریں۔ لیکن جب وہ مسلمانوں کے ایمان کو متزلزل نہ کرسکے تو انہوں نے اُدھر سے توجہ ہٹاکر ہم پر حملہ کرنا شروع کردیا۔ اور اس کوشش میں لگ گئے کہ ہمارے کلیسیا کے ممبروں کو ملازمت کا لالچ دیکر اپنے ساتھ ملانا شروع کردیا اور جو ہم میں سے غریب اور جاہل تھے انہیں طرح طرح کے لالچ دینے شروع کردیئے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

۔ ۔

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اُنہوں نے ہمارا نام بت پرست اور ملحد رکھا۔ اُنہوں نے ہماری کلیسیا کی نسبت کہا کہ یہ ایک نہایت ہی مخذول و مردود جماعت ہے۔ اُن کو ہماری حالت پر اس قدر رحم آیا کہ جس کام کے لیئے وہ بھیجے گئے تھے اُسکو چھوڑ کر ہمیں اپنی فرقہ میں داخل کرنا شروع کردیا"

تعجب کی بات ہے کہ قدیمی قبطی کلیسیا کے بانی خود حواری تھے مگر آجکل کے مسیحی اُن کو مردود۔ مخذول اور ملحد قرار دیتے ہیں۔ مصر کے قبطی کلیسیا اور مسلمانوں کے باہمی تعلقات بہت ہی قابل تعریف ہیں۔ ان میں سے کوئی دوسرے کو دکھ نہیں دیتا۔ اور دونوں فریق ایک دوسرے کے پڑوس میں امن سے زندگی بسر کرتے ہیں۔ یہ ایک مشہور بات ہے کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے پہلے سے مصر کے فتح ہونے کی اپنے پیروؤں کو خبر دیدی تھی اور آپنے اُن کو وصیت فرمائی تھی کہ اہل مصر سے نیک سلوک کیا جاوے۔ کیونکہ حضرت ہاجرہ والدہ اسمٰعیل (علیہ الصلوٰۃ والسلام) مصر کی رہنے والی تھی۔ اسلام کے آنے سے پہلے مصر کے مسیحیوں میں باہم خوب جنگ ہورہی تھی اور قبطی۔ یعقوبی اور دوسرے مسیحی صدہا سال سے باہم لڑ رہے تھے۔ اسلام نے آکر انکو باہم لڑنے سے روکدیا اور اسکے بعد یہ چین سے زندگی بسر کرنے لگے یہ راحت اُنکو اسلام کی برکت سے صدہا سال کی کشمکش کے بعد نصیب ہوئی۔

اسکندریہ کا کتب خانہ کس نے جلایا

بہت سے نادان مسیحی یہ اعتراض کرتے ہیں کہ عمرو بن العاص نے امیر المومنین حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کے حکم سے سکندریہ کے مشہور کتب خانہ کو جلاکر راکھ کا ڈھیر بنادیا۔ لیکن یہ ایک بہتان ہے جو مسیحیوں نے مسلمانوں پر باندھا ہے۔ اور اسپر کیا بس ہے مسیحیوں نے ایسے ہی کئی اور جھوٹے الزام مسلمانوں پر لگائے ہیں۔ اسکندریہ کی لائبریری حضرت عمرو بن العاص کے مصر میں داخل ہونے سے

بہت عرصہ پہلے تباہ ہو چکی تھی۔ یہ کتب خانہ مسیحی قیصر تھیوڈوسی اُس کے حکم سے تباہ کیا گیا۔ یہ مسیحی قیصر بہت متعصب تھا اس نے رومی سلطنت میں تمام غیر مسیحی مذاہب کی بیخکنی کر دی۔ اس نے حکم دیا کہ سراپی اُس کا معبد جڑھ سے اکھیڑ دیا جاوے اور یہ کتب خانہ بھی اسی معبد کے ساتھ تھا۔ اسکے تباہ کر دینے کا بھی حکم جاری کیا گیا اور مصر کی نہایت ہی قدیمی اور بیش قیمت کتابیں اُسکے حکم سے جلادی گئیں تا ایسا نہ ہو کہ اہل مصر ان کتابوں کو پڑھکر پھر اپنا قدیمی مذہب اختیار کر لیں۔ یہ واقعہ ۳۹۱ء میں ہوا یعنی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیدائش سے قریباً پونے دو سو سال پیشتر۔ دیکھو

رسل کی کتابیں بھی اسی قیصر کے حکم سے تمام رومی سلطنت میں ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر جلائی گئیں۔ لیکن افسوس کی بات ہے کہ ان واقعات کی موجودگی میں یورپ و امریکہ کے مسیحیوں کو حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ کے خلفاء کے متعلق جھوٹی تہمتیں ایجاد کرتے ہوئے شرم نہیں آتی۔ گبن نے بھی اپنی کتاب ڈیکلائین اینڈ فال آف دی رومن ایمپائر میں مسلمانوں کو اس بہتان سے بری کیا ہے۔

مسلمانوں کا علمی مذاق اور ان کا احسان مسیحی دنیا پر

یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ مسلمانوں نے دنیا کا سب سے بڑا دار العلوم جسمیں بارہ ہزار سے زیادہ کتابیں موجود ہیں قاہرہ (ملک مصر) میں قائم کیا اور یہ دار العلوم یورپ کی اسی قسم کی یونیورسٹیوں کے وجود میں آنیسے صدہا سال پہلے موجود تھا۔ ہاں اُسوقت یورپ میں اگر کوئی دار العلوم قاہرہ کے دار العلوم کے بالمقابل موجود تھے تو وہ وہی دار العلوم تھے جو ہسپانیہ اور دیگر مفتوحہ ممالک میں حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اتباع اور خدام نے قائم کیئے تھے۔ یہی اسلامی یونیورسٹیاں تھیں جنہوں نے یورپ کو جہالت کی نیند سے بیدار کیا۔ اور اگر ان اسلامی عظیم الشان درسگاہوں کا وجود نہ ہوتا تو غالباً مسیحی قومیں اب بھی اُسی ظلمت میں گرفتار ہوتیں جس میں وہ مسلمانوں کے یورپ میں قدم رکھنے سے پیشتر مبتلا تھیں۔ انہی اسلامی یونیورسٹیوں کے محقق فضلاء نے یورپ میں علمی تحقیق کی بنیاد ڈالی اور سائنس کے مختلف شعبوں سے جو فائدہ مغربی دنیا آج حاصل کر رہی ہے یہ انہی اسلامی یونیورسٹیوں کی بدولت ہے جنہوں نے اہل یورپ کو سائنس کا سبق پڑھایا اور علمی تحقیق کی راہ پر چلایا۔

اسلام کو یہ فخر حاصل ہے کہ وہ سائنس کو گناہ قرار نہیں دیتا اور نہ اُن لوگوں کی نسبت جو علمی تحقیق میں

لگے رہتے ہیں یہ فتویٰ دیتا ہے کہ یہ لوگ شیطان کے پنجہ میں گرفتار ہیں۔ لیکن مسیحی کلیسیا نے یہ فتویٰ دیا ہے۔

حضرت مرزا غلام احمد صاحب جری اللہ فی حلل الانبیاء

یہی محققانہ روح اور کشادہ دلی تھی جسکی بدولت ملک ہند میں حضرت مرزا غلام احمد نبیوں کی طرز پر کام کر کے کامیاب ہوگئے اور اُن کا یہ کام نہ صرف مسلمانوں کے فائدہ کے لیئے تھا بلکہ کل نوع انسان کے فائدہ کے لیئے تھا۔ الحمد للہ علیٰ ذٰلک ۔ یہی مرزا صاحبؑ تھے جنہوں نے اُن غلطیوں اور دھوکوں کو ظاہر کیا جن میں مسیحی اور ہندو مبتلا تھے ۔ اور آپ نے یہ کام نہایت ہی نرم طریق سے پورا کیا۔ تا بیجا طور پر کسی کا دل نہ دکھایا جائے۔

پس ہم یقینی اور قطعی طور پر دیکھتے ہیں کہ دنیا آگے کی طرف بڑھ رہی ہے۔ اور یہ کہ آخر خدائے واحد اور اسلام کا علم زمین کی تری اور خشکی پر پھیل جائے گا ؛

جارج بیکر از فلیڈلفیا۔ اضلاع متحدہ۔ امریکہ

ماہوار رپورٹ بابت ماہ جنوری ۱۹۱۴ء صدر انجمن احمدیہ قادیان

یتامیٰ۔ اس ماہ میں آمد صرف [illegible] کل خرچ [illegible] جسمیں سے [illegible] اصل خرچ [illegible] وظائف یتامیٰ ہے۔ یتامیٰ کی آمد بمقابلہ خرچ کے بہت کم ہے۔ احباب کو توجہ کرنی چاہیئے ؛

شفاخانہ :۔ اس ماہ میں آمد [illegible] اور خرچ [illegible] ہوا۔ نئے اور پرانے مریضوں کی تعداد اندرون قصبہ میں ۹۳۹ اور دار العلوم میں ۸۶۳ ہے۔ مائیز اپریشن ۲۹ و ۵ علی الترتیب ہوئے ؛

اشاعت اسلام :۔ اس صیغہ کی آمد [illegible] اور خرچ [illegible] ہے۔ اس ماہ کے اخیر پر خریداران ریویو انگریزی میں گذشتہ ماہ کی نسبت دو کی بیشی ریویو اُردو میں پانچ کی بیشی اور تفسیر القرآن میں کوئی کمی بیشی نہیں ہوئی ؛

دفتر محاسب :۔ آمد ۰۔۱۵۔۸۲۵۷ خرچ ۱۰۔۳۔۶۸۳۶ ہے اس ماہ کی آمد میں جلسہ سالانہ کی ایسی رقوم بھی شامل ہیں۔ جو بلا تفصیل ہونیکی وجہ سے امانت میں رکھی گئی تھیں اور جنوری میں تفصیل آنے پر داخل خزانہ کی گئیں آمد امانت کے سوا تین ہزار کے قریب ہے۔

تعمیر:۔ روپیہ کی کمی کے لحاظ سے عمارت کا کام بند پڑا ہے۔ جلسہ پر ہال کی تکمیل کے لیئے تحریک کی گئی تھی۔ چنانچہ جو روپیہ اسوقت ہال کی تکمیل کے لیئے ہوا تھا وہ دفتر تعمیر میں ہی دیا گیا تھا تاکہ اس جگہ صرف ہو۔ گرڈر آئے ہوئے ہیں۔ جماعت روپیہ کا وعدہ تکمیل ہال کے لیئے جلسہ پر ہوا تھا۔ وہ روپیہ وصول ہونے پر مزید کام ہو سکتا ہے۔ عمارت مدرسہ و بورڈنگ کے لیئے چندہ کا بقایا جن جن احباب کے نام ہے وہاں کے سکرٹری صاحبان بقایا وصول کرکے بھیجنے کی سعی کریں۔ کیا یہ ضروری نہیں ہے۔ کہ عمارت کے درمیان کی میلی دیواریں (جو ہال کی تعمیر نہ ہونیکی وجہ سے نا مکمل پڑی ہیں۔ اور عمارت کو بدنما ظاہر کر رہی ہیں) جلد مکمل ہو کر ساری عمارت خوشنما دکھائی دے۔ یہ حصہ گویا زبان حال سے جماعت احمدیہ کی ہمت اور ایثار پر داغ لگا رہا ہے میں امید کرتا ہوں کہ سب احباب توجہ کرینگے خصوصاً وہ لوگ جن کے ذمہ عمارت فنڈ کا بقایا ہے۔ اور سکرٹری صاحبان۔

بیت المال:۔ لنگر کا خرچ بڑھ رہا ہے۔ اور آمد کم ہے جسکی وجہ سے لنگر مقروض رہتا ہے۔ گو جلسہ سالانہ پر گذشتہ قرضہ کی ادائگی کا انتظام ہو گیا تھا۔ مگر آیندہ لنگر مقروض نہ ہو جماعت کو لنگر کا چندہ باقاعدہ دینے کی فکر کرنی ضروری ہے۔ یہ وہ مدرسہ ہے جسے حضرت صاحب نے خود جاری کیا اور جہاں حق کے طالب امیر و غریب سب دین حاصل کرتے ہیں۔ اسکے بغیر سلسلہ کی اشاعت کا کام ادھورا رہتا ہے۔ پھر اکثر مساکین مہاجرین ہیں جن کی پرورش ہوتی ہے۔

مدرسہ احمدیہ:۔ مدرسہ احمدیہ میں مبلغ و واعظ پیدا کرنے کے لیئے ہفتہ میں دو جلسے کیئے جاتے ہیں ایک میں طلبار کو مختلف مضامین پر لکچر دیئے جاتے ہیں۔ دوسرے میں طلبار سے لکچر سنے جاتے ہیں تا وہ اس کام کو نباہ سکیں۔ دوسری قسم کا جلسہ جمعہ گذشتہ کو ہوا۔ ایک بزرگ جو جلسہ میں تشریف فرما تھے دس روپے۔ شیخ نور احمد مختار صاحبزادہ صاحب نے ایک روپیہ طلبار کی شیرینی کے لیئے دیا۔ اور صاحب موصوف نے ان طلبار کو جو مدرسہ سے تحصیل علوم سے فارغ ہو کر تبلیغ کریں دس روپے ماہوار کا وظیفہ دینے کا وعدہ کیا ہے۔

جلسہ سالانہ:۔ جلسہ سالانہ پر جن جماعتوں یا افراد نے جن جن صیغوں کے قرضوں کی ادائگی کا ذمہ حضرت خلیفۃ المسیح کے ہاتھ پر لیا تھا۔ انکو اپنے وعدے بھول نہ جانے چاہیئیں۔ اور خدا کرے کہ ایسا نہ ہو کہ جلسہ میں وہ صرف وعدہ ہی وعدہ رہیں۔ اور عملی جامہ نہ پہنیں۔ بلکہ ابھی سے اسی جوش کے ساتھ

جسکو دل میں رکھکر وعدہ کیا تھا جبتک کہ وعدہ پورا نہ ہو جاوے کارروائی ہوتے رہنی چاہیئے - حضرت خلیفۃ المسیح کی کسقدر خوشی کا موجب یہ ایفاء وعدہ ہو سکتا ہے - جو آپکے ساتھ آپ لوگوں نے کیا تھا - لیکن اگر خدانخواستہ ایسا نہ ہوا اور حضور کی خدمت میں صیغوں کے بدستور مقروض رہنے کی خبر پہنچی - تو آپ کو از حد رنج بھی ہوگا - اسلیئے میں امید کرتا ہوں کہ وعدہ کرنے والے بے فکر نہ ہونگے - خاص قادیان میں اسکے متعلق کارروائی ہو رہی ہے - ایک ہزار روپیہ میں سے نصف خاص قادیانی احباب پر اور نصف ضلع ہذا کی بیرونی جماعتوں پر ڈالا گیا ہے - باہر وصولی کا انتظام ہوگیا ہے - اور ساٹھ کے قریب وصولی بھی ہو چکی ہے - خاص قادیان میں احباب کی آمد کے لحاظ سے پانچ سو روپیہ تقسیم کیا جاوے گا - جسے انشاء اللہ ہر شخص کو تسلیم کرنا پڑے گا - اور اس طرح پر کسی کو اپنے لیئے خود کوئی رقم مقرر کرنے کی ضرورت نہ ہوگی - اگر دوسری جگہ بھی جہاں کہ اس طرح تقسیم ہو سکتی ہو کریں تو بہتر ہوگا - اور دیہات میں زراعت پیشہ احباب اپنی حیثیت و استطاعت کے مطابق لکھا سکتے ہیں ؛

دفتر سکرٹری :- صیغہ جات صدر انجمن احمدیہ قادیان کے اخراجات کو جہانتک ممکن تھا کم کرنے کے لیئے کچھ ملازمین تخفیف میں لائے گئے ہیں - بعض ملازمین کے گریڈ کم کیئے گئے - بعض کی تنخواہ معین کی گئی ہے - اور کل ملازمین صدر انجمن کی ترقیاں سال ۱۹۱۴ء کے لیئے روک گئی ہیں - اور حقوق ترقی کے لیئے اس سال کو سروس میں شمار نہیں کیا گیا - جن کی ترقیاں سالانہ تھیں دو سال کی گئی ہیں - اگر کل احباب باقاعدہ چندہ بھیجنے کا التزام کریں - تو یہ ساری دقتیں رفع ہو سکتی ہیں ؛

نور افشاں کا اسسٹنٹ اڈیٹر قادیان میں آکر مشرف باسلام ہوا اور اس جگہ مقیم ہے ایسے ہی ایک اور انگریز نو مسلم قادیان میں رہائش رکھتا ہے ؛

بلاد غربیہ میں تبلیغ اسلام - جناب خواجہ کمال الدین صاحب کا ایک تازہ خط ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے - جو بڑی مسرت کا موجب ہوگا - اور وہ یہ ہے -

برادران :- السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ -

اس جمعہ برادر شیخ عبد الرحمن کپتان سٹینلے مسگریڈ صاحب شریک جمعہ ہوئے - جمعہ کی نماز

حسب معمول لنڈسی ہال میں قریباً پچاس مقتدیوں کے ساتھ ادا کی گئی۔ کپتان موصوف بہت ہی وجیہ اور خوبصورت پُر رعب آدمی ہیں۔ آپ لنڈن میں بغرض انتخاب پارلیمنٹ تشریف لائے تھے۔ مَیں نے اُن کو بہت تاکید کی ہے کہ وہ ضرور پارلیمنٹ کی ممبری کے لئے کوشش کریں۔ یہ معاملہ آئندہ ماہ تک ختم ہوجائے گا۔ اس کے بعد آپ کا مستقل ارادہ ہے کہ کچھ عرصہ میرے پاس رہکر قرآن شریف کی تعلیم حاصل کریں۔ اور پھر تبلیغ اسلام کے لیئے تیار ہوجاویں اللہ تعالیٰ ان کو توفیق عطا فرماوے۔ جس نوجوان خاتون کے متعلق لکھا تھا۔ کہ وہ اسلام قبول کرنا چاہتی ہے۔ الحمد للہ کہ وہ اس جمعہ کو خطبہ سے پہلے مشرف با اسلام ہوگئی ہے اس کا اسلامی نام زرینہ بیگم رکھا گیا ہے۔ خطبہ جمعہ میں چھ عیسائی انگریزی خاتونیں بھی موجود تھیں۔ جو نیک اثر لیکر گئیں۔

سب سے بڑھکر خوشی اس بات کی ہے۔ کہ تمام نومسلموں میں اسلام کی تبلیغ کا جوش شروع ہوگیا ہے۔ خالد شیلڈرک صاحب نومسلم مجھے بار بار کہہ چکے ہیں۔ کہ لنڈن میں تبلیغ اسلام کا کام مستقل طور پر شروع ہونا چاہیئے۔ مَیں خود بھی اسی فکر میں ہوں۔ کل ایک مکان دیکھا تھا۔ ارادہ ہے کہ لنڈن میں کوئی وسیع مکان مستقل طور پر لیا جاوے۔ جہاں نماز جمعہ کے علاوہ ہر ہفتہ کی شام کو باقاعدہ لیکچر اور جلسے کیئے جایا کریں۔ ایک کلب بھی قائم کیا جائے۔ پھر نووارد مسلمانوں کے لیئے جائے قیام کا کام بھی دے سکے۔ لنڈن میں بکثرت ایسے لوگ ہیں جو اسلام کے بارہ میں وقتاً فوقتاً معلومات حاصل کرنیکے شائق ہیں۔ لنڈن کی مستقل رہائش سے انکو بہت فائدہ پہنچیگا۔ ووکنگ کی رہائش اس معاملہ میں حارج ہے۔ ایک ایسے آدمی کی ضرورت ہے۔ جو دفتر اور خط و کتابت کو سنبھال لے۔ اور مَیں کچھ آزاد ہوجاؤں۔ والسلام۔ کمال الدین از مسجد فضل (ووکنگ) ۲۰ جنوری ۱۹۱۴ء

روحانی ٹیلیفون:۔ اس رسالہ میں سورہ فاتحہ سے دلچسپ ۔۔۔۔ طور پر ثابت کیا گیا ہے۔ کہ تمام روحانی و جسمانی ترقیات کے دروازے کھولنے کا یہی ایک آلہ ہے نیز انجیلی تعلیم کو عقلی و نقلی دلائل کے ذریعہ قرآن شریف و حدیث کے مقابل میں ناقص ثابت کیا گیا ہے۔ مالی طاقت والوں کو قیمتاً اور جو اتنی طاقت نہیں رکھتے انکی مصدقہ درخواست آنے پر مفت ارسال کیا جاویگا۔ درخواست بنام میرزا عبدالغنی قادیان ضلع گورداسپور۔

اخبار شمشیر قلم:۔ جو پہلے ہفتہ وار نکلتا تھا۔ چند دنوں سے روزانہ کردیا گیا ہے۔ اسکے چند نمبر ہمارے

شرح اُجرت اشتہارات در رسالہ ریویو آف ریلیجنز

میعاد	پورا صفحہ		نصف صفحہ		چوتھائی صفحہ		ایک سطر	
	انگریزی	اُردو	انگریزی	اُردو	انگریزی	اُردو	انگریزی	اُردو
سالانہ	للعہ	صہ	صعہ	سہ	صعہ	عہ	سے/	للعہ/
ششماہی	صعہ	سہ	صعہ	عہ	عہ	عہ	عہ ۱۲/	عہ ۸/
سہ ماہی	صعہ	عہ	عہ	صعہ	سہ/	ملے/	عہ/	عہ ۸/
ایک دفعہ	ہے ۸/	ملے/	للعہ/	اہہ/	ہے/	ہے ۸/	۸/	۱۰/

تمام درخواستیں بنام مینجر میگزین قادیان ضلع گورداسپور آنی چاہئیں

اطلاع

خریداران ریویو کی خدمت میں التماس ہے کہ خط و کتابت کے وقت نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیا کریں ورنہ تعمیل ارشاد میں توقف ہو جائے تو معاف فرمادیں ؛

۱۱ کافوری جنتری سنہ ۱۹۱۴ء کی مفت۔ ڈاکٹر ایس کے برمن کی کافوری جنتری سنہ ۱۹۱۴ء
کی دس شریف اور پڑھے لکھے آدمیوں کا نام اور پورا پتہ لکھنے پر بلاقیمت و محصول بھیجی جاتی ہے

تندرستی کی بُنیاد

خون سے انسان کی زیست ہے اسلیئے خون کا صاف
رکھنا ضروری ہے چند وجوہات کے باعث خون خراب ہوجاتا
ہے جیسے محنت یا ایک جگہ برابر بیٹھے رہ کر کام کرنا۔ روپیہ
حاصل کرنیکی فکر میں حد سے سوا قاعدہ کے خلاف
کام کرنا۔ اس سے خون میں خرابی آتی ہے ایسے امراض کیلئے
ڈاکٹر ایس کے برمن کا آئی اوڈائڈز ڈ سالسہ نہایت
مفید ثابت ہوا ہے۔ یہ نیا خون پیدا کرکے چہرہ کی رونق کو
بڑھاتا ہے۔

آئی اوڈائڈز ڈ سالسہ

گرمی و گٹھیا کی وجہ سے جسم میں چکتا کا ہونا۔ زخم ہونا۔ درد۔
پھوڑا پھنسی اور رنگ سیاہ یا ناطاقتی کی وجہ سے
خون خراب ہوگیا ہو اُن کے لیئے یہ سالسہ نہایت ہی
مفید ہے۔ کیونکہ اس میں پوٹاس آئی اوڈائڈ وغیرہ
مودہ ادویات دیکر بنا ہے۔ اسلیئے کم مقدار میں زیادہ
فائدہ کرنے والا ہے اور اسکے استعمال میں کسی
چیز کا پرہیز نہیں ہے کھانے پینے میں کسی طرح کا
روک ٹوک نہیں فہرست منگا کر ملاحظہ فرمائیے
فی شیشی عہ ڈاک محصول ۶

جس کا درد وہی جانتا دوسرا کیونکر جان سکتا ہے

یہ سخت سردی کے موسم میں تندرست انسان
کا جان بلب ہو رہا ہے۔ سردی ہٹانے کیلیئے کتنے
بندوبست کیئے جاتے ہیں۔ لیکن افسوس بدقسمتی سے
دمہ کے مریض۔ ناقابل برداشت تکلیف دمہ
سے پریشان ہوتے ہیں اور رات دن سانس پھولنے کی وجہ سے دم
نکلے جاتے ہیں۔ اور نیند تک حرام ہوجاتی ہے دیکھیئے!
آج انکو کسقدر تکلیف ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ اس لاعلاج مرض کا
بازاری دوا زیادہ تر نشیلی اشیا اور دھتورا بھنگ بلاڈنا
پوٹاس آئی اوڈائڈ دیکر بنتی ہیں اسلیئے فائدہ ہونا تو درکنار مریض
بے موت مارا جاتا ہے۔ ڈاکٹر برمن کی کیمیائی اصول سے بنی ہوئی
دمہ کی دوا۔ دمہ کی دوا۔ انمول جوہر ہے یہ فخر ہماری
ہی بات نہیں ہے بلکہ ہزاروں مریض اس سے شفا پا چکے ہیں
قیمت عہ محصول ڈاک ۵

اس دوا کی دو خاص فوائد ہیں (۱) ایک خوراک
میں دمہ دبتا ہے (۲) جب کچھ روز کے استعمال سے
جڑھ سے جاتا ہے اور جبتک استعمال میں رہے
دُور نہیں ہوتا ہے۔

ڈاکٹر ایس کے برمن نمبر ۵ و ۶ تارا چند دت اسٹریٹ کلکتہ

مطبع میگزین قادیان میں ماسٹر فقیر اللہ اسسٹنٹ مینیجر میگزین کے اہتمام سے طبع ہوا

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے

لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

بابت ماہ مارچ سنہ ۱۹۱۴ء

مطابق ربیع الثانی سنہ ۱۳۳۲ ہجری

چندہ سالانہ

عام ... طلباء ... ۱۲

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ مارچ سنہ ۱۹۱۴ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا۔

خدارا ایک زمان بیدار از رخ پرده ای لیلی
کہ ناصح پر ملامت میکند مجنون شیدا را

***

یہ انسانی فطرت ہے کہ جن لوگوں کے نام شہرت تام رکھتے ہیں انکے حالات زندگی تفصیلی طور پر معلوم کرنے اور سننے کی خواہش دل میں پیدا ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ سلطان صلاح الدین اور نپولین کی سوانح عمریاں جس شوق سے مطالعہ کیجاتی ہیں کسی معمولی آدمی کی لائف کو ہرگز یہ بات میسر نہیں ہوسکتی - اور اسی تقاضائے فطرت کا نتیجہ ہے کہ لوگوں نے شیطان علیہ اللعن کو مشہور آفاق دیکھکر اسکی بھی فرضی سوانح عمری لکھ ڈالی اور وہ بھی بہت سے احمقوں کا شغل بیکاری بنی لیکن شائع اور متداول ہونیوالی سوانح عمریوں میں بہت ہی تھوڑی ایسی ہوتی ہیں جو لوگوں کو بہت زیادہ نفع پہنچا سکتی ہیں اسوقت میں لوگوں کو ایک ایسی لائف کی طرف توجہ دلاتا ہوں جو اپنے ایک ایک صفحہ میں جواہرات کے انبار رکھتی ہے - مصنف نے ٹائٹل پیج پر یہ شعر لکھا ہے جو اس اعلان کا ہیڈنگ ہے اور اس شعر سے سوانح عمری کی صرف ایک ہی خوبی کیطرف اشارہ ہوتا ہے یعنی حضرت خلیفۃ المسیح رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح عمری کو پڑھکر مخالفین و معاندین شرمندہ ہو جائیں گے اور تبلیغ سلسلہ عالیہ احمدیہ کا بہترین ذریعہ یہ ہے کہ اس کتاب کو غیر احمدیوں میں بکثرت شائع کیا جائے لیکن اسی قسم کی اور اس سے بھی بڑھ چڑھکر اور بہت سی خوبیاں اس سوانح عمری میں

جس کا نام

مرقاۃ الیقین فی حیوۃ نور الدین ہے

اکبر نجیب آبادی مولف کتاب کی کوششوں سے جمع ہوگئی ہیں اور تمام خوبیوں کا اندازہ صرف کتاب کے مطالعہ پر منحصر ہے - یہ کتاب دفتر میگزین سے سوا روپیہ (عہ) قیمت پر ملتی ہے اور تعداد میں بہت تھوڑی چھپی ہے - دوسرے ایڈیشن کے لیئے خدا جانے کسقدر انتظار کرنا پڑے -

(درخواستیں بنام مینیجر میگزین قادیان ضلع گورداسپور آنی چاہئیں -)

اس مختصر مضمون سے میری غرض یہ ہے کہ یورپ کے ان نیک دل اور حق پسند لوگوں کو جو اپنی خداداد عقل اور دانائی سے اس نتیجہ پر پہنچ چکے ہیں کہ اسلام کے متعلق اس وقت تک جو کچھ ہم کو سنایا گیا ہے چرچ کے ہیڈ ایجنٹوں کے تعصب کا نتیجہ ہے۔ اور جو اسلام کے متعلق تازہ اور سچی اطلاع حاصل کرنا چاہتے ہیں اسلام کے اس لاثانی اصل کی نسبت واقفیت بہم پہنچاؤں جسے اسلام کے عملی حصّہ کا پہلا اصل کہا جاتا ہے۔ میری مراد اس سے نماز ہے۔

مگر پیشتر اسکے کہ میں پورے طور پر نماز میں ایک مسلمان کو جو کچھ کرنا پڑتا ہے بیان کروں اور اس کے ادا کرنے میں جو عبارتیں اسکو کہنی پڑتی ہیں ان کا ترجمہ لکھوں۔ دو ضروری امور کا بیان کر دینا مناسب سمجھتا ہوں:۔

اوّل امر

عبادت کی غرض عبادت کی غرض ایک طرف تو اس پاک ہستی کے حضور اپنے جذبات شکر کا اظہار ہوتا ہے جسے عربی زبان میں اللہ اور انگریزی میں گاڈ کہتے ہیں کیونکہ انسان فطرتاً اپنے محسن کا شکریہ ادا کرنے پر مجبور ہوتا ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ جبلت القلوب علی حب من احسن الیھا انسانی دل کی بناوٹ ہی

ایسی ہے کہ وہ اپنے محسن سے محبت کرنے پر مجبور ہوتا ہے پس نماز کی ایک بہت بڑی غرض تو یہ ہوتی ہے کہ انسان اپنے رب کے سامنے اس کے احسانوں کا اپنی زبان سے اقرار کرتا ہے۔

مگر اسکے علاوہ عبادت کی ایک اور بھی غرض ہے اور وہ گناہوں اور بدیوں سے پاک کرنا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ انسانی عبادتوں کا محتاج نہیں بلکہ جسقدر احکام اس نے انسان کو دیئے ہیں ان میں اصل غرض اس کا پاک کرنا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ پاک ہے اور وہ ناپاک سے تعلق نہیں رکھ سکتا۔ اور پسند فرماتا ہے کہ اس سے تعلق کرنے والا بھی پاک ہو پس تمام عبادات میں یہ مدِ نظر رکھا گیا ہے کہ ان سے نفس انسانی بدیوں اور شرارتوں سے پاک ہو اور انکے ذریعہ اسے ایسی طاقت ملجائے کہ وہ مختلف قسم کی ہوا و ہوس کو چھوڑنے کے قابل ہو جائے اور ایک طرف اللہ تعالیٰ سے اس کے تعلقات درست ہو جائیں اور دوسری طرف مخلوق الٰہی سے بھی اس کے معاملات بالکل ٹھیک ہوں چنانچہ اسلام نے مذہب کی تعریف ہی یہی کی ہے کہ وہ بندہ کے خدائے تعالیٰ سے تعلقات کو مضبوط کرتا ہو اور بندوں سے اُس کے تعلقات کو سنوارتا ہو اور اگر کوئی مذہب ان دونوں باتوں میں سے ایک کے پورا کرنے سے بھی قاصر ہے تو وہ مذہب نہیں ہو سکتا کیونکہ اس سے مذہب کی ضرورت پوری نہیں ہوتی۔ پس جس قدر عبادات مقرر کی جاتی ہیں ان کی اصل غرض یہی ہوتی ہے کہ بندہ کو خدائے تعالیٰ کے نزدیک کر دیا جائے اور گناہوں سے بچنے کی طاقت پیدا کی جائے اور جو عبادت ان دونوں باتوں کے حصول کے ذرائع پیدا کرے وہی مفید عبادت ہے ورنہ اس میں مشغول ہونا اپنے وقت کو ضائع کرنا ہے۔ قرآن شریف نے اس مضمون کو یوں ادا کیا ہے کہ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ نماز بدیوں اور گناہوں سے روکتی ہے یعنی عبادت کی غرض کو پورا کرتی ہے۔

دوسرا امر

عبادت کی غرض کے پورا کرنے کیلئے کن باتوں کی ضرورت ہے

جبکہ یہ معلوم ہو گیا کہ نماز کی اصل غرض اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم کرنا اس کا شکر ادا کرنا اور نفس کی اصلاح

کرنا ہے تو جس طریق عبادت سے یہ دونوں باتیں حاصل ہوتی ہوں وہی عبادت سچی عبادت ہے اور اس عبادت کی طرف ہدایت کرنے والا مذہب ہی سچا مذہب ہے۔ اسلام نے اپنے پیروؤں کے لیئے جو طریق عبادت رکھا ہے اس میں ان اغراض کو پورا کرنے کے لیئے جو ذریعے استعمال کیئے ہیں وہ اور کسی مذہب نے نہیں کیئے اور ہر ایک انسان ذرا غور سے کام لے کر معلوم کر سکتا ہے کہ وہی ذرائع اس قابل ہیں کہ عبادت کی غرض کو پورا کر سکیں - وہ ذرائع یہ ہیں :-

۱- جسم وروح کا ایسا گہرا تعلق ہے کہ ایک کا اثر دوسرے پر پڑتا ہے جس طرح غم کی خبر سُنکر جسم ایسا متأثر ہوتا ہے کہ اسپر اُداسی کے آثار ہویدا ہو جاتے ہیں اسی طرح جسم کو جب کوئی صدمہ پہنچتا ہے تو روح بھی غمگین ہو جاتی ہے اور یہی حال خوشی کا ہے پس قلب کو خدائے تعالیٰ کی طرف متوجہ کرنے کے لیئے ایک یہ بھی طریق ہے کہ عبادت کے وقت جسم کو بھی کسی ایسی حالت میں رکھا جائے جس سے تذلّل پیدا ہو اور اس کا اثر روح پر پڑکر دل میں بھی رِقّت اور نرمی پیدا ہو جائے۔ اور انسان خدائے تعالیٰ کی طرف ایک جوش کے ساتھ متوجہ ہو جائے۔ تذلّل کے اظہار کے لیئے دنیا میں مختلف صورتوں کو اختیار کیا گیا ہے کسی ملک کے لوگ جُھک جاتے ہیں کسی ملک میں ہاتھ باندھکر کھڑا ہونا تذلّل کا نشان قرار دیا گیا ہے کسی میں گھٹنوں کے بَل گرنے کو کسی میں سجدہ کرنے کو۔ اسلام چونکہ خالقِ فطرت کی طرف سے ہے اس نے تمام فطرتوں اور عادتوں کا خیال رکھتے ہوئے نماز میں ان سب نشانات کو جمع کر دیا ہے اور مختلف المذاق لوگ جس جس حالت میں بھی تذلّل کا اظہار کرتے ہیں نماز ان کے مذاق کے مطابق ہر اور ان مختلف اشکالِ تذلّل کے اثر سے انسانی قلب جوش سے بھر جاتا ہے اور خدائے تعالیٰ کے حضور میں جُھک جاتا ہے درحقیقت وہ ایک قابل دید نظارہ ہوتا ہے جب ایک مسلمان رب العالمین خدا کے حضور کبھی ہاتھ باندھے کھڑا ہوتا ہے کبھی جُھک جاتا ہے کبھی ہاتھ کھولکر کھڑا ہو جاتا ہے کبھی سجدہ میں گر جاتا ہے کبھی گھٹنوں کے بل بیٹھ جاتا ہے اور اس کا دل اس محبت سے پُر ہوتا ہے جو ایک مذاق کو خالق سے

ہو سکتی ہے اور وہ زبان حال سے اقرار کرتا ہے کہ دنیا کی مختلف اقوام جس جس طریق میں بھی اپنی عبودیت کا اظہار کرتی ہیں اے خدا میں تیرے سامنے مجموعی طور پر ان سب طریقوں سے اپنی عبودیت کا اقرار کرتا ہوں یہ نظارہ نماز ادا کرنے والے کو ہی نہیں بلکہ اس کے دیکھنے والے کے دل کو بھی متاثر کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف جھکا دیتا ہے۔

۲۔ دوسرا اصل اسلام نے نماز کی غائت کو حاصل کرنے کا یہ تجویز کیا ہے کہ دعا کو نماز کا مغز قرار دیا ہے چنانچہ حدیث میں ہے الدعاء مخ العبادۃ دعا نماز کا مغز ہے۔ اور دعا اپنے اندر ایک ایسا مقناطیسی اثر رکھتی ہے کہ ایک طرف تو بندے کو اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیتی ہے اور دوسری طرف اس کے لیئے ایسی آسانیاں بہم پہنچا دیتی ہے کہ جن سے وہ گناہوں سے محفوظ رہ سکے۔ جب ہماری استدعاؤں اور التجاؤں کو والدین اور حکام دنیا قبول کرتے ہیں تو کیونکر خیال کیا جائے کہ خدائے تعالیٰ جو سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے اپنے بندوں کی دعاؤں کو رد کر دیگا پس نماز کیا ہر دعاؤں کا ایک مجموعہ ہے جس سے ایک طرف تو اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہوتی ہے اور دوسری طرف دعائیں قبولیت حاصل کر کے انسان کی ہدایت اور ترقی کا ذریعہ بن جاتی ہیں۔

۳۔ تیسرا طریق اسلام نے یہ بتایا ہے کہ خدائے تعالیٰ کی طاقتوں کا معائنہ کیا جائے کیونکہ جب تک کسی چیز کا کامل علم انسان کو نہ ہو اس سے اس کا تعلق مکمل نہیں ہو سکتا مثلاً جس انسان کو علم کی خوبی معلوم نہیں وہ اس کے حصول کی کوشش نہیں کر سکتا اسی طرح جو شخص زہر کے اثر سے ناواقف ہے وہ زہر سے نہیں ڈر سکتا۔ پس اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھنے اور بدیوں سے بچنے کے لیئے اس بات کی نہایت ضرورت ہے کہ خدائے تعالیٰ کی کامل معرفت ہو جسکے لیئے اسلام نے نماز میں ایسی عبارتوں کا پڑھنا ضروری رکھا ہے جن سے انسان پر اللہ تعالیٰ کا پُر جلال اور قابل محبت ہونا ظاہر ہوتا ہے اور وہ بے اختیار اسکے حضور گر جاتا ہے اور اس کا دل محبت اور خوف سے بھر جاتا ہے کیونکہ جب اسکے سامنے ایک ہی وقت میں اللہ تعالیٰ کے احسانات پیش کیئے جاتے ہیں اور نافرمانی اور

قطع تعلق کے نتائج سے آگاہی دیجاتی ہے تو اسپر ایک ایسی انقطاعی حالت طاری ہوتی ہے کہ بے اختیار اللہ تعالیٰ کے قریب ہوجاتا ہے چنانچہ ناظرین نماز کے ترجمہ سے معلوم کرسکینگے کہ اس بات کو کس حد تک ملحوظ رکھا گیا ہے اور کس طرح نماز میں انسان کو خدا ئے تعالیٰ کی پاک اور بے عیب ذات کی معرفت پیدا کراکے اسکے دل کو محبت الٰہی سے بھرنے اور بدیوں سے بچنے کی سہولتیں بہم پہنچائی گئی ہیں جس کی نظیر اور کسی مذہب میں نہیں مل سکتی۔ اسلام نے جو طریق عبادت بتایا ہے وہ ایسا مکمل اور ضرورت کے مطابق ہے کہ کوئی مذہب اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا اور اگر کوئی شخص اسلام کی اس عبادت کا ہی بہ نظر غائر مطالعہ کرے تو سمجھ سکتا ہے کہ اسلام کو دوسرے مذاہب پر کس قدر فضیلت ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں اس موضوع پر تفصیل سے نہیں لکھ سکتا کیونکہ میری غرض اس مختصر مضمون سے نماز کے ادا کرنے کا طریق بتانا ہے۔

نماز شروع کرنے سے پہلے مسلم کیا کرتا ہے مسلمان جب نماز ادا کرنیکے لئے کھڑا ہوتا ہے تو اسے ایک تیاری کرنی پڑتی ہے جسے وضو کہتے ہیں وضو اس طرح کیا جاتا ہے۔ پہلے ہاتھ دھوئے جائیں پھر تین دفعہ کلی کیجائے پھر تین دفعہ ناک میں پانی ڈالا جائے اسکے بعد تین دفعہ ہاتھ میں پانی لیکر مُنہ دھویا جائے اسکے بعد پہلے دایاں اور پھر بایاں ہاتھ کہنیوں تک دھویا جائے پھر ہاتھ تر کرکے تین انگلیوں کو سر پر پھیرا جائے جسکے بعد انگوٹھے کے ساتھ کی انگلی کو کان میں اور انگوٹھے کو کان کے باہر پھیرا جائے۔ پھر پہلے دایاں اور پھر بایاں پاؤں دھویا جائے اس تمام کام کو وضو[۵۱] کہتے ہیں اور یہ نماز سے پہلے ضروری ہوتا ہے۔

نماز

وضو کے بعد مسلم کعبہ[۵۲] کی طرف مُنہ کرکے کھڑا ہوجاتا ہے اور اللہ اکبر (اللہ سب سے بڑا ہے)

---

۵۱ وضو سے ایک غرض یہ ہے کہ وہ اعضا جو عادۃً ننگے رہتے ہیں انکو دھویا جائے اور ظاہری صفائی کرکے عبادت ادا کیجائے جس سے اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ جب عبادت میں ظاہری پاکیزگی کا اسقدر خیال رکھا گیا ہے تو باطنی طہارت کا ایک مسلم کو کسقدر خیال رکھنا چاہیئے اور کس طرح اپنے دلکو گناہوں سے پاک کرکے اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہونا چاہیئے۔ منہ

۵۲ کعبہ کی طرف منہ کرنا اس وجہ سے نہیں ہے کہ اسے مسلمان قابل عبادت قرار دیتے ہیں بلکہ اس لئے کہ حضرت

کہکر اپنے دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھا کر اپنے سینہ پر رکھ لیتا ہے دایاں ہاتھ بائیں پر رکھا جاتا ہے اور دائیں ہاتھ کی انگلیوں سے بائیں ہاتھ کو پہنچی کے قریب سے پکڑ لیتا ہے اسوقت سے اسے کسی سے بولنا یا اِدھر اُدھر دیکھنا یا اپنی جگہ سے ہلنا منع ہے جبتک نماز ختم نہ کرلے۔

ہاتھ سینہ پر رکھنے کے بعد وہ کہتا ہے

سبحانک اللّٰھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک ولا الٰہ غیرک

اے اللہ تو پاک ہے اور حمد کا مستحق ہے اور تیرا نام برکت والا ہے تیری شان بہت بلند ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے

اس کے بعد کہتا ہے

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

میں* اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں شیطان سے جو کہ درگاہِ الٰہی سے دور پھینکا گیا ہے

(بقیہ حاشیہ ۵۲ متعلقہ صفحہ ۸۵) ابراہیمؑ نے کعبہ کی تعمیر کے وقت دعا کی تھی کہ الٰہی اس ملک میں ایک نبی مبعوث کر جو انکی ہدایت کرے اور انکو پاک کرے سو چونکہ آنحضرتؐ کو دعویٰ تھا کہ آپ وہ نبی ہیں اسلئے نماز میں اس طرف منہ کرنیکی یہ حکمت ہے کہ مسلمانوں کو وہ وعدہ یاد آتا ہے اور وہ اپنے اعمال کو درست کرتے رہیں ورنہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لیس البر ان تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب ولکن البر من اٰمن باللہ والیوم الاٰخر والملٰئکۃ والکتٰب والنبیّن واٰتی المال علیٰ حبہ ذوی القربٰی والیتٰمٰی والمسٰکین وابن السبیل والسائلین وفی الرقاب واقام الصلوٰۃ واٰتی الزکوٰۃ والموفون بعھدھم اذا عاھدوا والصٰبرین فی البأساء والضراء وحین البأس اولٰئک الذین صدقوا واولٰئک ھم المتقون ۔ نیکی یہ نہیں کہ تم مشرق یا مغرب کی طرف منہ کرو (یعنی کعبہ کی طرف منہ کرنیکو نیکی سمجھو) بلکہ نیکی تو اسکے کام میں ہے جو اللہ پر اور قیامت پر اور ملائکہ پر اور کتاب پر اور سب نبیوں پر ایمان لاتا ہے اور باوجود مال کی محبت کے رشتہ داروں یتیموں مسکینوں مسافروں سوالیوں اور قیدیوں کی دستگیری کرتا ہے اور خدائے تعالیٰ کیلئے بدنی عبادتیں بجالاتا ہے اور اسکے راستہ میں مال دیتا ہے اور انکے کاموں میں جو لوگ جب عہد کرتے ہیں تو انہیں پورا کرتے ہیں اور جو لوگ مالی تنگیوں بیماریوں اور جنگوں میں صبر سے کام لیتے ہیں یہی لوگ ہیں جو اپنے دعویٰ میں سچے ہیں اور یہی لوگ خدا سے ڈرنے والے ہیں ۔ منہ

* قرآن شریف کے کسی حصہ کے پڑھنے سے پہلے اس دعا کے مانگنے کا حکم ہے۔ منہ

اس کے بعد نماز ادا کرنے والا قرآن شریف کی سب سے پہلی سورۃ پڑھتا ہے جسے سورۃ فاتحہ کہتے ہیں۔

اور وہ یہ ہے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۝ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝ مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ ۝ اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ ۝ اِہۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ ۝ غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ وَ لَا الضَّآلِّیۡنَ ۝

مَیں شروع کرتا ہوں اللہ کا نام لیکر جو بے محنت دیتا ہے (جیسے سورج کی روشنی یا ہوا) اور کسی کی محنت کو ضائع نہیں کرتا اور اقرار کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ جو کُل مخلوقات کی ربوبیت کرتا ہے ہر قسم کی تعریفوں کا مستحق ہے وہ بغیر محنت کے بھی انعام کرتا ہے اور محنت کا اجر بھی بڑھ چڑھکر دیتا ہے کسی کی محنت ضائع نہیں کرتا اور نیکی اور بدی کے نتائج اسی کے حکم کے ماتحت مرتب ہوتے ہیں اور (مَیں کہتا ہوں کہ اے وہ خدا جس کا مَیں نے ذکر کیا ہے) ہم تیری ہی فرمانبرداری کرتے ہیں اور تجھی سے اپنے ہر ایک کام میں مدد مانگتے ہیں تُو ہمیں ہر کام میں سیدھا راستہ دکھا ان لوگوں کا راستہ جنپر تیرا انعام ہُوا ہے اور ایسا مت کیجیو کہ ہم تیرے پیارے بنکر بھی کسی وجہ سے تیرے غضب کو اپنے اوپر بھڑکا لیں یا خود ہی تجھے چھوڑکر اِدھر اُدھر متوجہ ہو جائیں۔

اس سورۃ کے پڑھنے پر مسلم کہتا ہے آمین یعنی الٰہی میری اس دعا کو قبول فرما۔

اس کے بعد نماز پڑھنے والا قرآن شریف کا کوئی حصہ پڑھتا ہے خواہ تھوڑا خواہ زیادہ۔

ف ۱ ہر ایک مذہب نے اپنے پیرووں کے لئے ایک آیڈیل مقرر کیا ہے مگر اسلام کا آیڈیل سب سے اعلیٰ ہے جس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اس دعا میں مسلمان کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ صراط الذین انعمت علیھم کی دعا کرے یعنی وہ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگے کہ اسے وہی درجہ دیا جائے جو منعم علیہ گروہ کو ملا ایک دوسری جگہ منعم علیہ کا ذکر فرما کر قرآن شریف نے بیان کیا ہے کہ اس سے مراد انبیاءؑ اور صدیق اور شہدا اور صالحین کا گروہ ہے ایک دوسری جگہ قرآن شریف میں ہے واذ قال موسیٰ لقومہٖ یا قوم اذکروا نعمت اللہ علیکم اذ جعل فیکم انبیاء وجعلکم

* ہم نے قرآن شریف کے چند ٹکڑے ایک دوسری جگہ دئیے ہیں تاکہ وہ لوگ جو سارا قرآن شریف نہیں جانتے انکو نماز میں پڑھ سکیں۔ منہ

پھر وہ اپنے ہاتھ چھوڑ کر کہتا ہے اللہ اکبر (اللہ سب سے بڑا ہے) اور جھک جاتا ہے حتّٰی کہ اسکا سر اور کمر ایک لیول میں آجاتے ہیں اور وہ اپنے ہاتھوں سے گھٹنوں کو پکڑ لیتا ہے اور کم از کم

(بقیہ حاشیہ ۵ متعلقہ صفحہ) ملوکاً و اٰتاکم مالم یؤت احداً من العٰلمین ٥ اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کو یاد کرو (یعنی اسوقت کو) جب تم میں انبیاء بھیجے اور تمھیں بادشاہت عطا کی اور تم کو وہ دیا جو اور کسی کو نہیں دیا تھا۔ اسی طرح اور جگہوں پر فرمایا ہے کہ منعم علیہ سے مراد انبیاء ہیں پس اسلام نے ہر ایک مسلمان کا آخری منشاء نظر نبوت رکھی یعنی وہ دعا کرتا ہے کہ اسے بھی اللہ تعالیٰ نبیوں کے سلسلہ میں داخل کر دے یہ وہ آئیڈیل ہے جو اور کسی مذہب نے مقرر نہیں کیا بلکہ ہر ایک مذہب الہام کا دروازہ بند کر چکا ہے اور صرف اسلام ہی ہے جو اپنی پیروؤں کو سکھاتا ہے کہ الہام کا دروازہ بند نہیں ہوسکتا اور یہ ممکن نہیں کہ جو خدا کسی زمانہ میں بولتا تھا اور بنی اسرائیل کے مردوں اور عورتوں سے کلام کرتا تھا اب اس نے اپنی مخلوق کی ہدایت بند کر دی ہے اور کلام کرنا بند کر دیا ہے اور یہ ایک ایسا آئیڈیل ہے جو باہمت انسان کو ہر وقت اوپر اور اوپر ہی اُٹھاتا ہے اور بجائے کسی ادنیٰ خیال کے اسکے مدِ نظر یہ ہوتا ہے کہ میں اس خالق ارض و سماء سے جو بادشاہوں کا بادشاہ اور محبت کامل کا مالک ہے ہم کلام ہوسکتا ہوں چنانچہ مسلمانوں نے اس آئیڈیل کو مدِ نظر رکھکر ہمیشہ ایسے نمونے پیش کیے ہیں جو اللہ تعالیٰ سے براہِ راست تعلق رکھتے رہے ہیں اور ایک عظیم الشان ملہم کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر بھی دی تھی جس کا نام آپ نے مہدی اور مسیح رکھا ہے مہدی اس لحاظ سے کہ وہ اسوقت کے مسلمانوں کو جو دین اسلام کی حقیقت کو بھولکر گمراہی میں پڑ جاینگے اور انکے اعمال و اقوال کو دیکھکر کوئی شخص اسلام کی خوبیوں کا پتہ نہ لگا سکیگا درست کریگا اور مسیح اس لحاظ سے کہ وہ مسیح کی دوبارہ آمد کی پیشگوئی کو پورا کریگا اور مسیحی دنیا کو جو مسیح کی حقیقی تعلیم کو چھوڑ چکی ہوگی راہ راست پر لائیگا چنانچہ وہ شخص ہندوستان کے مقام قادیان میں ظاہر بھی ہوچکا ہے اور اپنے دعویٰ کی تیس سالہ زندگی میں اس نے خدائے تعالیٰ کے تازہ نشانات سے اسلام کی صداقت کو ثابت کر دیا ہے اور اسکی تربیت سے اسوقت اسکے مریدوں میں سے ہزاروں ایسے ہیں جو خدائے تعالیٰ کے الہام سے مشرف ہیں اور اس نے اپنی جماعت میں تبلیغ کی ایک ایسی روح پیدا کر دی ہے کہ وہ بہت جلد دنیا کو اپنے اندر شامل کر رہے ہیں چنانچہ اسکے مریدوں میں سے اسوقت خواجہ کمال الدین صاحب رسالہ اسلامک ریویو کے ذریعہ انگلستان میں تبلیغ اسلام کر رہے ہیں اور اسی طرح چودھری فتح محمد صاحب ایم۔ اے بھی وہاں اس کام میں مشغول ہیں۔ درحقیقت الہام کا ہر زمانہ میں جاری رہنے کا اعلان ایک ایسا ہمت افزا امر ہے جسکی وجہ سے ایک سچے مسلمان کی ہمت کبھی شکست نہیں ہوتی اور یہ بات مختلف مذاہب میں فیصلہ کرنیکا ایک آسان راہ ہے کیونکہ سچا مذہب وہی ہوسکتا ہے جو ہمیشہ ثمرات دیتا ہے اور مذہب کا ثمرہ الہام ہی ہے پس اسلام نے اپنے پیروؤں کا منتہائے نظر دوسرے مذاہب کی نسبت بہت اعلیٰ رکھا ہے جو کہ فطرت کے تقاضے کو پورا کرتا ہے دہریوں کا سب سے بڑا اعتراض بھی مذاہب پر یہی ہوا کرتا ہے

۴ ہے کہ اگر خدا ہے تو کسی سے کلام کیوں نہیں کرتا لیکن اسلام پر وہ یہ اعتراض نہیں کرسکتے کیونکہ وہ پرانے قصے نہیں سناتا بلکہ اب بھی اس زمانہ کے امام اور مصلح کے تربیت یافتہ ایسے موجود ہیں جو خدا سے الہام پاتے ہیں۔ اگر کوئی صاحب

ان مسیح و مہدی کے حالات سے زیادہ واقفیت بہم پہنچانا چاہیں تو ہم بڑی خوشی سے ایسا کرسکتے ہیں وہ اس پتہ پر خط و کتابت کریں

تین دفعہ یہ الفاظ کہتا ہے سبحان ربی العظیم میرا بڑی عظمتوں والا رب پاک ہے
پھر یہ الفاظ کہتا ہوا کھڑا ہو جاتا ہے اور اپنے ہاتھ اپنے پہلوؤں کے ساتھ لٹکا دیتا ہے

سمع اللّٰہ لمن حمدہ

جو شخص اللہ تعالیٰ کے محامد کا اقرار کرے اللہ تعالیٰ اسکی دعاؤں کو قبول کرتا ہے

پھر کہتا ہے

ربنا لک الحمد حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیہ

اے ہمارے ربّ تُو خوبیوں والا ہے بہت خوبیاں والا ہے جو پاک اور برکت والا ہے
پھر اللہ اکبر کہتا ہوا سجدہ میں گر جاتا ہے اور کم از کم تین دفعہ یہ الفاظ کہتا ہے

سبحان ربی الاعلےٰ

میرا بڑی شان والا ربّ پاک ہے

پھر اللہ اکبر کہتا ہوا اُٹھکر گھٹنوں کے بل بیٹھ جاتا ہے اور دائیں پاؤں کو اُنگلیوں کے بل کھڑا رکھتا ہے لیکن بائیں پاؤں کو زمین پر بچھا کر اسپر بیٹھ جاتا ہے

اور کہتا ہے

اللّٰھم اغفرلی وارحمنی واھدنی وعافنی واجبرنی وارزقنی

اے اللہ میرے گناہوں کو بخش اور مجھ پر رحم کر اور مجھے ہدایت دے اور ہر ایک شر سے محفوظ رکھ اور میری اصلاح کر اور مجھے رزق دے

اس کے بعد پھر اللہ اکبر کہکر سجدہ میں چلا جاتا ہے اور وہی الفاظ کہتا ہے جو پہلے سجدہ میں کہے تھے اور پھر اللہ اکبر کہکر کھڑا ہو جاتا ہے (اس حد تک جتنی نماز ہو چکی ہے اسے ایک رکعت کہتے ہیں اور نمازیں دو رکعت کی بعض تین کی اور بعض چار رکعتوں کی ہوتی ہیں) اور جس طرح پہلی رکعت پڑھی تھی اسی طرح پھر پڑھتا ہے لیکن پہلی رکعت میں جو یہ دعا پڑھی تھی کہ سبحانک اللّٰھم وبحمدک اسے نہیں پڑھتا بلکہ سورۃ فاتحہ سے ابتدا کرتا ہے اور اس کے بعد کوئی حصہ قرآن شریف کا پڑھتا ہے اور پھر سب کچھ اسی طرح کرتا ہے جس طرح پہلی رکعت میں کیا تھا ۔

جب دوسری رکعت کے دونوں سجدوں سے فارغ ہو چکتا ہے تو پہلی رکعت کی طرح کھڑا نہیں ہو جاتا بلکہ جس طرح دونوں سجدوں کے درمیان گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا تھا بیٹھ جاتا ہے اور یہ دعا پڑھتا ہے

التحیات للہ والصلوات والطیبات السلام علیك ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ السلام علینا وعلی عباد اللہ الصّٰلحین اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمدًا عبدہٗ ورسولہ

تمام عبادتیں خواہ زبان کی ہوں یا جسم کی یا مال کی اللہ کے لیئے ہی ہیں (یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی ہستی کی عبادت کسی رنگ میں بھی نہیں کرنی) اے نبی (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) تجھ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلامتی نازل ہو اور اس کی رحمت اور برکت (یعنی بڑھوتی) اور ہم پر بھی سلامتی نازل ہو اور جس قدر اللہ تعالیٰ کے نیک بندے ہیں سب پر سلامتی نازل ہو میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اسکے خادم اور مخلوق ہیں (خدا نہیں ہیں) نہ اسکے بیٹے) اور اسکے ایک رسول ہیں[۱] اس حصہ کو تشہد کہتے ہیں۔

---

[۱] چونکہ ہر ایک قوم نے اپنے رسول کو اس قدر عظمت دے دی تھی کہ اسے خدا یا اس کا شریک یا اس کا بیٹا بنا لیا تھا اس لیئے اسلام نے اللہ تعالےٰ کی توحید کے اقرار کے ساتھ اپنے مخلوق ہونے کا اقرار کرنا بھی ہر ایک متبع پر ضروری کر دیا تاکہ ایسا نہ ہو کسی وقت مسلمان بھی اپنے رسول کو خدا یا اس کا بیٹا سمجھ لیں بلکہ اپنی عبادت میں اقرار کرتے رہیں کہ ان کا رسولؐ اللہ کا ایک بندہ تھا ہاں اسے صرف یہ امتیاز حاصل تھا کہ اور بہت سے رسولوں کی طرح وہ بھی ایک رسول تھا۔

اس کے بعد وہ اسی طرح بیٹھا ہوا یہ پڑھتا ہے

اللّٰھم صلّ علٰی محمّدٍ وعلٰی اٰل محمّدٍ کما صلیت علٰی ابراھیم وعلٰی اٰل ابراھیم انک حمیدٌ مجید۔ اللّٰھمّ بارک علٰی محمّدٍ وعلٰی اٰل محمّدٍ کما بارکت علٰی ابراھیم وعلٰی اٰل ابراھیم انک حمیدٌ مجید۔

اے اللہ محمدؐ پر اور اس کے سچے متبعین پر تو اسی طرح رحمتیں نازل کر جس طرح ابراہیمؑ اور اس کے متبعین پر رحمتیں نازل کیں تو بڑی تعریف اور بزرگی والا ہے۔ اے اللہ تو محمدؐ اور اس کے سچے متبعین کو درجوں میں بڑھا جس طرح تو نے ابراہیمؑ اور اسکے سچے متبعین کو درجوں میں بڑھایا تھا تو بڑی بڑی حمد والا اور بزرگی والا ہے۔

اس حصہ کو درود کہتے ہیں

۳۔ پھر اسی حالت میں بیٹھا ہوا یہ دعائیں یا ان میں سے کوئی دعا پڑھتا ہے۔

(الف) اللّٰھمّ انی ظلمت نفسی ظلماً کثیرًا ولا یغفر الذنوب الّا انت فاغفرلی مغفرۃ من عندک وارحمنی انک انت الغفور الرحیم ۔ (ب) اللّٰھمّ انی اعوذ بک من الھم والغم واعوذ بک من الجبن والبخل واعوذ بک من العجز والکسل واعوذ بک من غلبۃ الدین وقھر الرجال۔ (ج) رب اجعلنی مقیم الصلوٰۃ ومن ذریتی ربنا وتقبل دعاء (د) ربنا اغفرلی ولوالدیّ وللمؤمنین یوم یقوم الحساب ۔ (ھ) ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاٰخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار ۔

(الف) اے اللہ میں نے اپنی جان پر بہت ظلم کیئے ہیں اور کوئی گناہ نہیں معاف کر سکتا مگر تو پس تو اپنے رحم سے مجھے بخشدے اور مجھ پر رحم کر تو بخشنے والا اور مہربان ہے (ب) اے اللہ میں تجھ سے ہم اور غم سے پناہ مانگتا ہوں اور تجھ سے بزدلی اور بخل سے پناہ مانگتا ہوں اور تجھ سے اس بات کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں اپنے کاموں میں

سامان ہی مہیا نہ کرسکوں اور اس بات کی بھی کہ سامان موجود ہوں اور میں ان سے کام نہ لے سکوں اور تجھ سے پناہ مانگتا ہوں کہ میں ایسا مقروض ہوجاؤں جسے ادا نہ کرسکوں اور اس بات سے بھی پناہ مانگتا ہوں کہ میری آزادی جاتی رہے اور کوئی شخص مجھ پر جابرانہ حکومت کرے۔ (ج) اے میرے ربّ مجھے نماز پڑھنے کی توفیق دے اور میری اولاد کو بھی اے میرے ربّ اور تو میری دعا کو قبول کرلے۔ (د) اے ہمارے رب مجھے بخشدے اور میرے والدین کو بھی اور مومنوں کو اس دن کہ حساب لیا جائے گا۔ (ھ) اے ہمارے ربّ ہمیں اس دنیا میں بھی سُکھ کے اسباب دے اور اگلے جہان میں بھی اور دوزخ کے عذاب سے ہمیں بچالے۔

اس کے بعد[1] وہ یہ الفاظ کہتا ہوا دائیں طرف مُنہ پھیر لیتا ہے

السّلام علیکم و رحمۃ اللّٰہ

تم پر سلامتی ہو اور اللہ تعالیٰ کی رحمت

اور اسی طرح یہی الفاظ کہتا ہوا بائیں طرف مُنہ پھیر لیتا ہے اور نماز ختم ہو جاتی ہے اب اسے اجازت ہوتی ہے کہ جو چاہے کرے پوری طرح ان ہدایات پر عمل کرے تو اتنی نماز پر چھ سات منٹ خرچ ہوتے ہیں۔

نماز کے اوقات

نماز کے اوقات پانچ ہیں اوّل پَو پھوٹنے سے لیکر سورج نکلنے تک ایک نماز ہوتی ہے اس کی دو رکعتیں ہیں جن سے پہلے دو اور رکعتیں الگ پڑھی جاتی ہیں۔ دوسرا وقت سورج ڈھلنے کے وقت سے

---

[1] یہ اس صورت میں ہے کہ دو رکعت کی نماز ہو اگر تین یا چار رکعت کی نماز ہو تو تشہد پڑھکر کھڑا ہو جانا چاہیئے اور باقی ایک یا دو رکعتیں پڑھکر پھر اسی طرح بیٹھکر وہ سب عبارتیں پڑھکر جو اوپر لکھی گئیں وہ الفاظ کہتے ہوئے جو بتائے گئے ہیں اور اسی طریق سے جو بتایا گیا ہے نماز ختم کرے۔ منہ

شروع ہوتا ہے اور قریباً گھنٹہ تک رہتا ہے اس وقت چار رکعت پڑھی جاتی ہیں اور ان سے پہلے بھی اور بعد میں بھی چار اور رکعتیں پڑھنی مسنون ہیں اس کے بعد ہی عصر کا وقت شروع ہوتا ہے جس میں چار رکعت نماز ادا کی جاتی ہے سورج ڈوبنے کے ساتھ ہی ایک نماز ادا کیجاتی ہے اس میں تین رکعت پڑھی جاتی ہیں قریباً ڈیڑھ گھنٹہ بعد غروب سے پانچویں نماز کا وقت شروع ہوتا ہے جسے عشا کہتے ہیں یہ چار رکعت ہے اور اس کے ساتھ دو رکعت ایک اور تین رکعت ایک ادا کی جاتی ہیں اور اس نماز کا وقت آدھی رات تک رہتا ہے ان نمازوں کے علاوہ مسلمانوں کو ترغیب دلائی گئی ہے کہ وہ آدھی رات کے بعد پو پھٹنے سے پہلے کسی وقت اٹھکر آٹھ رکعت نماز دو دو رکعت کرکے ادا کریں اور یہ نماز تہجد کہلاتی ہے یہ نماز ہر مسلم پر فرض نہیں جو چاہے پڑھے ؛

نماز میں دعا

ان دعاؤں کے علاوہ جو نماز میں پڑھنی مسلمان کے لیئے ضروری ہیں اور جو کہ عربی زبان میں ادا کی جاتی ہیں اجازت ہے کہ نماز پڑھنے والا اپنی اپنی زبان میں اپنی ضروریات کے لیئے دعا کرے اور یہ دعا قیام رکوع سجدہ قعدہ جلسہ ہر ایک موقعہ پر ہو سکتی ہے ؛

چند آیات قرآنی

ہم نے بتایا تھا کہ سورہ فاتحہ کے بعد چند آیات قرآنی کا پڑھنا ضروری ہوتا ہے اس لیئے ہم قرآن شریف کے مختلف مقامات سے چند آیات قرآنیہ دیتے ہیں جو نماز میں پڑھی جاسکتی ہیں :-

(۱) اللہ لا الٰہ الّا ھو الحیّ القیّوم لا تاخذہ سنۃ ولا نوم لہٗ ما فی السّمٰوٰت وما فی الارض من ذا الذی یشفع عندہٗ الّا باذنہ یعلم ما بین ایدیھم وما خلفھم ولا یحیطون بشیئٍ من علمہ الا بما شاء وسع کرسیہ السمٰوات و الارض ولا یؤدہ حفظھما وھو العلیّ العظیم ٥

(۱) ترجمہ۔ اللہ وہ ذات ہے کہ اس کے سوا کوئی اور معبود نہیں وہ زندہ ہے وہ بغیر کسی کی مدد کے خود قائم ہے نہ اسے اونگھ آتی ہے نہ نیند۔ اسی کے لیئے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے کون ہے جو اس کے پاس شفاعت کر سکے مگر اسی کے حکم سے ایسا کر سکتا ہے وہ خوب جانتا ہے جو کچھ لوگ کر چکے ہیں اور جو کچھ کریں گے اور اس کے علم کا کوئی احاطہ نہیں کر سکتا ہاں جس قدر علم وہ خود دے اسی قدر انسان کو اسکی نسبت علم ہو سکتا ہے اس کا علم تو آسمانوں اور زمینوں پر حاوی ہے اور اسے آسمانوں اور زمین کی حفاظت تھکاتی نہیں اور وہ بڑا ہے اور عظمت والا ہے ؛

(۲) قل ھو اللہ احدٌ اللہ الصّمد لم یلد ولم یولد ولم یکن لہٗ کفوًا احدٌ۔

(۲) ترجمہ۔ کہہ دے کہ اللہ ایک ہے اللہ وہ ہے کہ اس کی مدد کے بغیر کوئی چیز قائم نہیں رہ سکتی نہ اس کا کوئی بیٹا ہے اور نہ وہ کسی کا بیٹا ہے اور اس کا برابر والا کوئی نہیں ؛

(۳) یآایّھا الذین اٰمنوا لا یسخر قوم من قوم عسٰی ان یکونوا خیرًا منھم ولا نسآء من نسآء عسٰی ان یکن خیرًا منھن ولا تلمزوا انفسکم ولا تنابزوا بالالقاب بئس الاسم الفسوق بعد الایمان ومن لم یتب فاُولٰٓئک ھم الظّٰلمون ہ

(۳) ترجمہ۔ اے مومنو! ایک قوم دوسری قوم کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھے اور اس سے ہنسی نہ کرے کیونکہ ممکن ہے کہ وہ اس سے بہتر ہو اور عورتیں دوسری عورتوں سے ایسا کریں کیونکہ ممکن ہے کہ دوسری عورتیں ان سے بہتر ہوں (یعنی نیکی کے لحاظ سے) اور نہ آپسمیں ایک دوسرے کی عیب چینی کیا کرو اور نہ ایک دوسرے کو سخت الفاظ سے پکارا کرو (یعنی گالیاں مت دیا کرو) (کیونکہ یہ خدا سے عہد شکنی ہوگی) اور یہ بُرا نام ہے کہ ایمان کے بعد فسق کیا جائے اور جو اس کام سے باز نہ آئیگا وہ ظالم ہوگا؛

(۴) یا ایّھا الّذین اٰمنوا لا یحلّ لکم ان ترثوا النّسآء کرھًا ولا تعضلوھن لتذھبوا ببعض ما اٰتیتموھن الا ان یاتین بفاحشۃ* فعسٰے ان تکرھوا شیئًا ویجعل اللہ فیہ خیرًا کثیرًا۔

(۴) ترجمہ۔ اے مومنو! تمھیں ہرگز جائز نہیں کہ تم اپنی بیویوں کا مال جبرًا لے لو اور نہ تم کو جائز ہے کہ جو کچھ تم ان کو دے چکے ہو اس کا کوئی حصہ واپس لینے کے لیئے تم ان سے الگ ہو جاؤ (تاکہ تمھارے غصہ سے ڈر کر وہ مال تمھارے سپرد کر دیں) ہاں اس وقت بے شک ان سے الگ ہو سکتے ہو جب وہ کھلے کھلے گناہ کا ارتکاب کریں اور ان سے ہمیشہ نیک سلوک کیا کرو اور اگر ان کی کوئی بات تم کو ناپسند ہو تو اس کی وجہ سے ان سے بدسلوکی نہ کرو) یہ بات بالکل قرین قیاس ہے کہ تم کو کوئی بات ناپسند ہو اور اللہ تعالیٰ اس میں بڑی بڑی بھلائیاں پیدا کر دے (یعنی اگر تم عورتوں کی ناپسند حرکات دیکھکر بھی ان سے نیک سلوک کروگے تو خدا تمھارے لیئے سُکھ کا سامان کر دینے کا خود ذمہ لیتا ہے۔

(۵) انّ اللہ یأمر بالعدل والاحسان** وینھٰی عن الفحشآء والمنکر والبغی یعظکم لعلکم تذکرون واوفوا بعھد اللہ اذا عاھدتم ولا تنقضوا الایمان بعد توکیدھا وقد جعلتم اللہ علیکم کفیلًا ان اللہ یعلم ما تفعلون ۰

(۵) ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ تم عدل سے کام لو اور لوگوں سے احسان کرو اور ایسا احسان کرو کہ تم کو کسی نفع کا خیال نہ ہو اور منع کرتا ہے اس بات سے کہ تم وہ بدیاں کرو جو تمھاری جان کے متعلق ہوں یا وہ بدیاں جن کا اثر لوگوں پر پڑتا ہو اور بادشاہ کے خلاف بغاوت کرنے سے اور تم کو نصیحت کرتا ہے تاکہ تم عمل کرو اور خدا سے جو عہد تم نے باندھا ہے اسے پورا کرو اور مضبوط قسم کھا کر اسے توڑا نہ کرو اور

* مبینۃ وعاشروھن بالمعروف وان کرھتموھن

** وایتاءِ ذی القربیٰ

تم ایسا کیونکر کر سکتے ہو) اور تم نے تو اس پر اللہ تعالیٰ کو ضامن کیا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے افعال کو جانتا ہے۔

(۶) لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ثالث ثلثۃ وما من الٰہ الا الٰہ واحد وان لم ینتھوا عما یقولون لیمسن الذین کفروا منھم عذاب الیم ۔ افلا یتوبون الی اللہ ویستغفرونہ واللہ غفور رحیم ۔ ما المسیح ابن مریم الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل وامہ صدیقۃ کانا یأکلان الطعام انظر کیف نبین لھم الآیات ثم انظر انی یؤفکون۔

(۶) ترجمہ۔ ہدایت سے دُور ہیں وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ اللہ تین خداؤں میں سے ایک ہے اور معبود تو صرف ایک ہی ہے اور اگر تین خدا کہنے والے اپنے اقوال سے باز نہیں آئیں گے تو ان میں سے جو لوگ اپنے اس عقیدہ پر قائم رہیں گے ان کو دردناک عذاب پہنچیگا کیا وہ اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں جھکتے اور اس سے اپنے گناہوں کی معافی نہیں مانگتے اور اللہ تعالیٰ تو بخشنے والا مہربان ہے مسیح نہیں تھے مگر ایک رسول اور ان سے پہلے اور رسول گذر چکے ہیں (ان سے ان کی زندگی ملا کر دیکھ لو بالکل مشابہ ہے پھر ان کی خدائی کہاں سے ثابت ہوئی) اور ان کی ماں ایک نیک بخت عورت تھیں وہ دونوں کھانا کھایا کرتے تھے (اور خدا کھانے سے پاک ہے) دیکھ ہم کس طرح انکے لیئے دلائل بیان کرتے ہیں پھر دیکھ کہاں سے پھرتے جاتے ہیں۔

مرزا بشیر الدین محمود احمد

انجیلی کفّارہ (نمبر ۱)

اس مضمون کے ۴ نمبر ہمارے ایک مہربان مشہور اہل قلم نے ریویو میں اندراج کے لئے بھیجے ہیں جو ہم انشاء اللہ بالترتیب شائع کرتے رہیں گے۔ نیز صاحب موصوف نے اپنے فاضلانہ مضامین سے وقتاً فوقتاً ریویو کی امداد کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ ہم اپنے فاضل دوست کی اس عنایت کے تہ دل سے مشکور ہیں۔

مضمون کو درج کرنے سے پہلے ہم اس جگہ اپنی اور اپنے فاضل مضمون نگار کی پوزیشن کو صاف کر دینا مناسب سمجھتے ہیں۔ ہم حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام کو (جن کا قرآن کریم میں ذکر ہے) اللہ تعالیٰ کا ایک برگزیدہ نبی یقین کرتے ہیں اور جس طرح پر دوسرے انبیاء علیہم السلام کے متعلق ہمارا عقیدہ ہے کہ وہ معصوم تھے اسی طرح حضرت مسیح ابن مریم رسولاً الی بنی اسرائیل کو بھی معصوم یقین کرتے ہیں۔ لیکن مذہبی آزادی کے اس دور میں جبکہ ہر مذہب کو حق حاصل ہے کہ وہ دیگر مذاہب کے مسلمہ عقائد پر رائے زنی کرے۔ اور مسیحی حضرات آئے دن اپنے اخباروں اور رسالوں میں ایسے مضامین لکھتے ہیں جو اسلام پر نکتہ چینی کی حد سے بڑھے ہوتے ہیں۔ تو ایسی حالت میں اگر انجیلی مسلمات کی بنا پر ہم کوئی تنقید کریں تو اس سے ہماری غرض طالبان حق کو تلاش حق میں مدد دینا ہے۔ جو کچھ بھی ان مضامین میں درج ہے وہ صرف انجیلی حوالجات کی بنا پر ہے۔ اگر ان بیانات سے کوئی بات ایسی پائی جاوے جو کسی مسیحی عقیدہ کو کمزور یا بے اصل ثابت کرے تو اسکی جوابدہ انجیل موجودہ ہوگی ہم اسکے لئے ذمہ دار نہیں ہوسکتے۔ (ایڈیٹر)

مسیحی مذہب کی بنیاد مندرجہ ذیل مسائل یا اعتقادات پر ہے اگر یہ مسائل نکال دیئے جائیں یا انکی صداقت میں شبہ ہوجائے تو مذہب مسیحی باقی نہیں رہ سکتا۔

(الف) الوہیت مسیح۔ (ب) تثلیث۔ (ج) کفّارہ۔

اور ان میں سے کفّارہ ایک ایسا عقیدہ ہے جو ان سب عقیدوں کی روح رواں ہے۔ جو

عیسائی کفارہ نہیں مانتا وہ صادق عیسائی نہیں کہا جا سکتا کیونکہ کفارہ کے انکار سے نہ تو الوہیت کا کچھ باقی رہتا ہے اور نہ تثلیث محفوظ رہتی ہے اسکے نکالنے سے سارے مثلث عقیدہ کی چولیں ڈھیلی پڑجاتی ہیں۔ جو لوگ صرف ایک ہی خدا کو مان کر بھی کفارہ سے انکار کرتے ہیں وہ اگرچہ خدا پرست اور موحد تو ہوں گے لیکن مسیحی نہیں رہ سکتے کفارہ کی بابت اکثر تو نہیں پر بہتوں کا یہ مذہب ہے کہ وہ عہد عتیق توریت وغیرہ میں بھی بیان ہوا ہے اور عہد جدید میں بھی اس کی تعلیم دی گئی ہے۔

قبل اسکے کہ غیر لوگ یا غیر تو میں متلاشی کی صورت میں بائیبل یعنی عہد عتیق کو دیکھیں لازمی ہے کہ اناجیل ہی سے کفارہ کا پتہ لگائیں کیونکہ توریت زبور وغیرہ میں جو کچھ بیان ہوا ہے یا جن آیات اور احکام کا حوالہ کفارہ کے متعلق دیا جاتا ہے وہ بمقابلہ اُن آیات اُن احکام کے واضح نہیں ہو سکتے جو خود حضرت مسیح علیہ السلام نے بیان کیئے ہیں اور جن کا ذکر اناجیل میں کیا گیا ہے استثنا و اناجیل کے بعد دیکھا جائے گا کہ عقلی معیار پر کفارہ کی دھات کہاں تک کھری اترتی ہے اور توریت کے حوالجات سے کیا کچھ نسبت رکھتی ہے۔ ہمارے ہاتھ میں اسوقت منجملہ متعدد انجیلوں کے چار انجیلیں یعنی انجیل متی۔ مرقس۔ لوقا اور یوحنا ہیں یہ وہ اناجیل ہیں جو اسوقت ایک کثیر التعداد عیسائیوں کی مسلمہ ہیں ہم اسوقت یہ بحث نہیں کرینگے کہ ان چار اناجیل کا متعدد انجیلوں سے انتخاب کس اصول پر ہوا ہے اور مقابلتاً انکی صحت اور وقعت پر کیا کچھ دلائل لائے گئے ہیں اور کس حد تک انہیں خالی از سقم مانا جا سکتا ہے۔

ہم سب سے اوّل انجیل متی سے اس مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہیں اور یہ دکھانیکی کوشش کرتے ہیں کہ خود حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنی زندگی میں اس اہم اور بڑے مسئلہ پر کہاں تک اور کن الفاظ میں روشنی ڈالی اور اُسوقت کی مخلوق۔ شاگردوں اور نو مریدوں نے انکے الفاظ اور احکام سے اسکے متعلق کیا کچھ سمجھا اور اخیر تک حضرت مسیح علیہ السلام نے کن کن وسائل۔ تمثیل اور تذکرات سے لوگوں کو سمجھانے کی کوشش کی اور اُنکے مصلوب ہونے تک نتیجہ کیا رہا۔

ہم یہ دلچسپ بحث اس التزام سے کرنا چاہتے ہیں کہ انجیل متی میں کفارہ کے بارہ میں

کنایتاً یا صراحتاً اشارتاً یا بداہتاً جو کچھ آیا ہے اُسے نمبروار شروع ہی سے نقل کریں اور پھر اس پر بحث کرکے دکھائیں کہ طرز کلام ۔ طرز بیان سے کیا کچھ ظاہر ہوتا یا کیا کچھ سمجھنا چاہیئے ہم کوشش کریں گے کہ انجیل متی کی کوئی آیت بھی کفارہ کے متعلق باقی نہ رہ جائے اور اسی طرح وہ احکام وہ آیات وہ کلام بھی باقی نہ رہے جو دوسری طرف کفارہ یا اغراض کفارہ کے منافی واقعہ ہوا ہے کیونکہ اگر ایک ہی انجیل میں ایسے بڑے معرکۃ الآرائے اور اہم مسئلہ کی نسبت کسی دوسری قسم کا بھی کلام ہے تو اس کا دکھایا جانا بھی لازمی ہے تاکہ سوچنے والے آسانی سے مقابلتاً سوچ کے بعد کوئی فیصلہ کرنے کے قابل ہو سکیں ہمیں شوق اور پوری دلچسپی سے دیکھنا چاہیئے کہ ایسے عظیم الشان ادعا کے بارہ میں حضرت مسیح علیہ السلام نے کیا کچھ کہا اور کن الفاظ اور کن فقرات میں گفتگو کی اور لوگوں کو تعلیم دی ہے یہ عقیدہ سب عقاید کی چوٹی اور راس العقاید ہے ہو نہیں سکتا کہ محض چیستانوں میں اس کا ذکر کیا جائے کیونکہ اگر بائیبل میں شروع ہی سے اس کی پیشین گوئیاں ہوتی آئی ہیں اور اسی پر ساری دنیا کی نجات کا مدار رکھا گیا ہے تو ضرور ہے کہ خود حضرت مسیح علیہ السلام کی زبان مبارک سے یہ گتھی بوجہ احسن سلجھائی گئی ہو اور صدیوں کا معما اُن کی اپنی ہی زبان فیض ترجمان سے حل ہو کر دنیا کی طمانیت کا باعث ہو سکے اگرچہ تثلیث کا عقیدہ باوجود اپنی اہمیت اور عظمت کے اب تک سلجھا نہیں اور انسانی سمجھ سے ایک حد تک باہر ہے لیکن کفارہ ایسے مسئلہ کے واسطے خاص وضاحت لازمی ہے اگر محض چند تاویلات اور تعبیرات کے ذیل میں کفارہ کی تصدیق کی جائے تو ہمیں اُسکے مقابلہ میں اسی قسم کے اور مسائل بھی ماننے پڑیں گے جنہیں محض اس وجہ سے چھوڑ دیا جاتا ہے کہ وہ عام عقل و فراست کی محک پر پورے نہیں اُترتے عیسائی مذہب جس شدومد سے کفارہ کی ضرورت پر زور دیتا ہے اور جس زور سے یہ کہتا ہے کہ اگر کفارہ نہ مانا جائے تو خدا کی قدوسیت خدا کا عدل خدا کا رحم باقی نہیں رہتا اور باوجود قادر مطلق ہونے کے بھی خدا حرف گیری سے نہیں بچ سکتا اُس شدومد سے خود حضرت مسیح علیہ السلام کی زبان سے کفارہ کی صراحت اور وضاحت ہونی چاہیئے ہم امید کرتے ہیں کہ دنیا اور عیسائی بھی اس ضرورت سے انکار نہیں کریں گے کیونکہ جب ایک طرف اُنکی ہر ایک منادی میں کفارہ پر زور دیا جاتا ہے تو دوسری طرف خود

اناجیل میں سے کبھی تو اُسی زور سے اُس کی تائید اور تصدیق ہونی لازمی ہے۔
تائید اور تصدیق بھی ایسی جس میں شک و شبہ کی گنجائش ہی نہ ہے اور کوئی تاویل ہی نہ ہو سکے کیونکہ اگر تاویل کی گنجائش باقی رہے تو ایسے اہم مسئلہ کی عظمت اور وقعت مخدوش ہونے سے محفوظ نہیں رہ سکتی اور حضرت مسیح علیہ السلام کا یہ فرض یا یہ کام تھا کہ کفارہ کی بابت پوری وضاحت سے تعلیم دیتے اور شروع ہی سے لوگوں کو سمجھا دیتے کہ
" میرے آنے کی اصل غرض یہ ہے۔
" اور میں یہ بار اُٹھا کر آیا ہوں۔
" اور خدا یہ چاہتا ہے۔
" اصلی عقیدہ یا اصلی دین یہ ہے۔
" اسکے سوائے اور سب فضول اور عبث ہے۔
جو لوگ اس قسم کی وضاحت کی ضرورت نہیں سمجھتے وہ مہربانی کر کے یہ تو کہیں کہ اسقدر اہم مسئلہ کی صورت میں اس سے اور کم وضاحت کیا ہو سکتی ہے۔

انتخاب آیات مخالف و موافق مسئلہ کفارہ

(۱) باب ۴ - ورس ۱۷- **مضمون** - اُسی وقت سے یسوع نے منادی کرنی اور یہ کہنا شروع کیا کہ توبہ کرو کیونکہ آسمان کی بادشاہت نزدیک آ گئی۔
تنقید (۱) - حضرت مسیح علیہ السلام کی یہ منادی شروع شروع کی تھی اس میں اصل عقیدہ پر روشنی ڈالنے اور زور دینے کی بجائے صرف توبہ پر زور دیا گیا ہے چاہیئے تو یہ تھا کہ شروع ہی میں یہ کہا جاتا کہ اس قسم کی توبہ کرو مسیح کے خون پر یقین لاؤ توبہ کی منادی کا مفہوم اُن پر یہی ہو سکتا ہے کہ گناہوں سے توبہ کرو اس میں اقرار کفارہ کی شرط نہیں ہے اور اگر اس منادی کے مطابق بعض لوگوں نے توبہ بھی کی ہو گی تو اُسکی دو ہی حالتیں ہونگی یا تو کفاری توبہ اور یا عام توبہ اگر عام توبہ کی گئی ہے تو وہ کفاری توبہ سے منافی ہونیکی وجہ سے کوئی وقعت اور کوئی اثر نہیں رکھتی اور اگر کفاری توبہ تھی تو اسوقت کفارہ کا وجود ہی نہ تھا کیونکہ کفارہ سوائے مصلوب ہونے کے کس طرح وجود پذیر ہو سکتا تھا اور اگر ایسی

عام توبہ کوئی اثر رکھتی ہے تو کفارہ من وجہٍ باطل ہے اور اگر کسی اور موقعہ پر اسی انجیل میں کفارہ کی بابت کوئی قول ہے تو وہ اسکے منافی ہوگا۔

(۲) باب۵ ۔ ورس ۳ تا ۱۲ ۔ **مضمون** ۔ "مبارک وے جو دل کے غریب ہیں کیونکہ آسمان کی بادشاہت اُن ہی کی ہے"۔

"مبارک وے جو غمگین ہیں کیونکہ وے تسلّی پاویں گے"۔

"مبارک وے جو حلیم ہیں کیونکہ وے زمین کے وارث ہوں"۔

"مبارک وے جو راستبازی کے بھوکے اور پیاسے ہیں کیونکہ وے آسودہ ہونگے"۔

"مبارک وے جو رحم دل ہیں کیونکہ اُن پر رحم کیا جائے گا"۔

"مبارک وے جو **پاک دل** ہیں کیونکہ وے خدا کو دیکھیں گے"۔

"مبارک وے جو **صلح** کرنیوالے ہیں کیونکہ وے خدا کے فرزند کہلائیں گے"۔

"مبارک وے جو **راستبازی** کے سبب ستائے جاتے ہیں کیونکہ آسمان کی بادشاہت اُن ہی کی ہے مبارک ہو تم جب میرے واسطے تمھیں لعن طعن کریں اور ستادیں اور ہر طرح کی بُری باتیں جھوٹ سے تمھارے حق میں کہیں خوش ہو اور خوشی کرو کیونکہ آسمان پر تمھارے لیئے بڑا بدلا ہے اسلیئے کہ اُنھوں نے اُن نبیوں کو جو تم سے آگے تھے اسی طرح ستایا ہے"۔

تنقید۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی یہ وہ تعلیم ہے جو ایک کثیر بھیڑ اور شاگردوں کے سامنے پہاڑ پر چڑھکر دی گئی یہ وہ منادی ہے جن میں نجات اور رضائے مولائے کریم کے گُر بتائے گئے ہیں یہ وہ ارشادات ہیں جن میں سننے والوں کو یہ بتایا گیا ہے کہ کس طرح خدا کی بادشاہت ملتی اور کس طرح آسمانی برکتیں آتی اور کسطرح نیک انسان خدا کے فرزند کہلائے جاسکتے ہیں اور کن اعمال اور افعال کے معاوضہ میں آسمان پر ایک عظیم الشان جزا کی امیدیں کی جاسکتی ہیں۔ اس وعظ میں حضرت مسیح علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا ہے جو لوگ پاک دل ہیں وہ خدا کو دیکھیں گے اس سے ثابت ہوا کہ اُنکی نگاہوں میں اُس وقت بہت سے لوگ پاک دل بھی رکھتے تھے اور اُس کا معاوضہ یہ بتایا گیا کہ وہ خدا کو دیکھ بھی سکتے ہیں یہ تمام باتیں اور

تمام انعامات اُس وقت بتائے گئے تھے جب کفارہ کا وجود ہی نہ تھا کیونکہ حضرت مسیح علیہ السلام زندہ موجود تھے جو لوگ ان اعمال اور ان اوصاف کے کفارہ سے پہلے ہی وفات پا گئے وہ ضرور ان انعامات کے مستحق ہوں گے کیونکہ حضرت ممدوح اپنی پاک زبان سے اُنہیں ایسا یقین دلاتے ہیں جن انعامات کا اس وعظ میں ذکر کیا گیا ہے وہ موجب نجات ہیں جو پاک ہیں جو خدا کو اپنی انسانی آنکھوں سے دیکھنے لگ گئے جو خدا کے فرزند بن گئے جنہیں خدا کی بادشاہت میں داخل کیا گیا وہ نجات نہ پائیں تو اور کون پائے۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے اس وعظ میں کفارہ کا ذکر تک نہیں فرمایا حالانکہ سب سے اول کفارہ ہی کا ذکر لازمی تھا کیونکہ حضرت ممدوح اُسی کے واسطے اس دنیا میں مبعوث ہوئے تھے اور وہی اُن کی اہم منزل تھی ضرور تھا کہ اُس کا نشان دیا جاتا ایک حرف بھی اُسکی بابت ذکر نہ کرنا دلیل اس امر کی ہے کہ کفارہ اُن کے مزعوم نہ تھا بلکہ وہی طریقہ جو ہر ایک نبی اور مرسل کی جانب سے شروع ہی سکھایا جاتا رہا ہے چنانچہ اسی باب کے درس ۱۶ میں اسکی تصریح مزید بھی کر دی گئی ہے:۔

"اسی طرح تمھاری روشنی آدمیوں کے سامنے چمکے تاکہ وے تمھارے نیک کاموں کو دیکھیں اور تمھارے باپ کی جو آسمان پر ہے ستائش کریں"

اس آیت میں اُن ہی نیک کاموں کا حوالہ دیا گیا ہے جو شروع کی آیتوں میں ذکر ہوئے ہیں فتدبر۔[1]

---

[1] جواب میں یہ کہا جائیگا کہ کفارہ نیک کاموں سے منع نہیں کرتا یا اعتراف کفارہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ انسان نیکیاں نہ کرے یا نیک اعمال نہ ہو ہم یہ کہیں گے کہ اصل سوال یہ ہے کہ نجات بغیر اقرار کفارہ کے از روئے مذہب عیسائی کے ممکن نہیں چاہے نیک اعمال کیسے ہی ہوں اگرچہ ایسے نیک اعمال تمدنی۔ تہذیبی سوشل سیاسی رنگ میں کیسے ہی اعلیٰ اور عظیم القیمت ہوں مگر مذہبی رنگ میں اُنکی قیمت بغیر اعتراف کفارہ کے کچھ بھی نہیں پڑ سکتی اگرچہ زید کیسا ہی نیک ہو پھر بھی وہ جب تک کفارہ کا عقیدہ رکھکر گناہوں کا اعتراف نہ کرے اُسے نیکی اور سعادت کوئی فائدہ نہیں دے سکتی حالانکہ حضرت مسیح علیہ السلام کا اس وعظ سے یہ مطلب پایا جاتا ہے کہ جن لوگوں کے ایسے اعمال ہوں گے وہ خدا کی رضا اور خدا کی بادشاہت میں داخل ہونیکا حق رکھتے ہیں اور وہ خدا کے فرزندوں میں سے ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے اس وعظ میں یہ کہیں نہیں کہا کہ ایسے اعمال کی صورت میں بھی کوئی نجات ابدی نہیں پا سکے گا طرز کلام یہ مفہوم فقرات

(۳) باب ۵ - ورس ۱۷ تا ۲۰ - **مضمون :-** "یہ خیال مت کرو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتاب کو منسوخ کرنے آیا میں منسوخ کرنے کو نہیں بلکہ **پوری کرنیکو** آیا ہوں کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جاویں ایک شوشہ یا ایک لفظ توریت کا ہرگز نہ ٹلے گا جب تک سب کچھ پورا نہ ہو پس جو کوئی ان حکموں میں سے سب سے چھوٹے کو ٹال دیوے اور ایسا ہی آدمیوں کو سکھا دے سب سے چھوٹا کہلائیگا پر جو کہ عمل کرے اور سکھلا دے وہی آسمان کی بادشاہت میں بڑا کہلائے گا کیونکہ میں تمھیں کہتا ہوں کہ اگر تمھاری راستبازی فقیہوں اور فریسیوں کی سے زیادہ نہ ہو تو تم آسمان کی بادشاہت میں کسی طرح داخل نہ ہوگے۔"

تنقید :- اس مقدس وعظ سے بہت سی باتوں کی حقیقت ملتی ہے اور سوچنے والے سوچ سکتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیم اور منادی کن اغراض کو لیئے ہوئے تھی اور انکا مدعا کیا تھا توریت شریف موسوی یا ابراہیمی شریعت تھی اُسکی نسبت صاف الفاظ میں ارشاد ہوتا ہے کہ اُس کا ایک شوشہ اور ایک لفظ بھی منسوخ نہیں ہوگا **جبتک کہ سب کچھ پورا نہ ہو۔**

فقرہ سب کچھ پورا نہ ہو ایک تشریح طلب فقرہ ہے حضرت مسیح علیہ السلام کے الہامی مُنہ سے اس فقرہ کا نکلنا ایک بڑی اہم خوشخبری یا پیشین گوئی ہے اور اس سے ثابت ہو کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت اور بعثت پر بھی سب کچھ پورا نہیں ہوا تھا یعنی جو کچھ مذہبی اور روحانی رنگ میں پورا ہونا ضروری تھا اُس میں ابھی تک کمی تھی اس فقرہ کا دوسرے الفاظ میں مطلب یہ تھا کہ جب تک قدرت کی جانب سے سب کچھ پورا نہ ہولے تب تک توریت کا ایک شوشہ اور ایک

بقیہ حاشیہ - سے ثابت ہے کہ ایسے اعمال کے لوگ نجات کے وارث ہیں کسقدر زور اور یقین سے کہا گیا ہے۔

"ایسے ہی لوگ پاک دل ہیں۔

"ایسے ہی فرزندانِ خدا ہوں گے۔

"ایسے ہی لوگوں کے واسطے خدا کی بادشاہت ہے۔

"ایسے ہی لوگ راستباز ہیں۔

"ایسے ہی لوگوں کے واسطے آسمان پر بڑا بدلا ہے۔

آیات اور کلام بہت صاف ہے کسی تاویل بعیدہ کی ضرورت نہیں ہے صرف اس خیال سے ایسی آیتوں کی تاویل رکیک کرنا کہ کفارہ کسی نہ کسی رنگ میں ثابت ہو یا اُسکی تائید ہوسکے درست نہیں عیاں را چہ بیاں - ۱۲ -

لفظ بھی ٹل نہیں سکتا اگرچہ زمین اور آسمان ہی نہ بدل جائیں ہاں جب سب کچھ مذہبی اور الہامی رنگ میں پورا ہو جائیگا اُسوقت توریت کی بجائے کوئی اور مجموعہ لیا جا سکتا ہے انجیل میں ایسی طاقت اور قدرت یا جامعیت نہیں کہ یہ لقب لے سکے جب حضرت مسیح علیہ السلام یہ شرط لگاتے ہیں تو ہمیں دیکھنا چاہیئے کہ اور کس مجموعہ یا کس نبی نے اس پیشین گوئی کو پورا کیا وہ صرف اسلام اور قرآن و محمد صلعم ہی ہے محمد صلعم کی بعثت پر ہی توریت کی بجائے ایک دوسرا مجموعہ قرآن مجید کے نام سے پیش کیا گیا اور اُسکے سر پر روحانی سہرا بندھا۔

اسی وعظ یا انہی آیات میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر تمھاری راستبازی فقیہوں اور فریسیوں سے بڑھ چڑھکر نہ ہو گی تو تم خدا کی بادشاہت میں کسی طرح داخل نہ ہو گے دیکھو مقابلتاً اعمال ہی کو مقدم رکھا گیا ہے کیونکہ فقیہی اور فریسی تو اعمال ہی پر زور دیتے تھے اور شریعت ہی اُن کا اوڑھنا بچھونا تھا چاہے اُنکی اندرونی حقیقت کچھ ہی ہو اگر کفارہ ہی مراد ہوتا تو بجائے اسکے یوں کہنا چاہیئے تھا کہ اگرچہ نیک اعمال ہی ضروری ہیں لیکن اصل اصول حصول نجات کا کفارہ ہے اور کفارہ ہی کی تعلیم مقدم اور لازمی ہے اور آسمان کی بادشاہت میں داخل ہونیکے واسطے صرف یہی ایک کنجی اور ذریعہ ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ حضرت ممدوح کی مراد اس سے یہ تھی کہ کفارہ پر ایمان لاؤ اُسی صورت میں تمھاری راستبازی فقیہوں اور فریسیوں سے زیادہ رہے گی تو یہ تاویل ایک بے موقعہ تاویل ہو گی کیونکہ اول تو یہ بات بوجہ اپنی اہمیت کے بیان کرنا ضروری تھی اور دوسرے یہ کہ فقیہوں اور فریسیوں سے ایمان بالاعمال کا مقابلہ تھا نہ کہ کسی عقیدہ محض کا۔ ان آیات میں دو باتیں بالخصوص تائید سے بیان کی گئی ہیں۔

" جو کہ عمل کرے۔ " اور سکھلادے۔

لفظ عمل کرنے اور سکھلانے کی اور کیا کچھ تاویل ہو سکتی ہے دونوں لفظ ظاہر اور روشن ہیں اگرچہ سکھلانے میں کسی حد تک کفارہ کا عقیدہ آسکتا ہے لیکن عمل کرنے میں عقیدت کفارہ نہیں آسکتی ہے عمل عمل ہی سے مراد ہے اگر کفارہ بھی اس میں آسکتا ہے تو پھر ہر شخص کو بھی حضرت مسیح علیہ السلام کی طرح مصلوب ہونیکی ضرورت پڑیگی کیونکہ عمل تو حضرت

مسیح ہی نے کر کے دکھایا تھا عمل سے مراد وہی عمل ہے جو فقیہی اور فریسی بہ تبعیت قوانین توریت شریف اپنے رنگ میں کرنے کے عادی تھے فقیہوں اور فریسیوں کا ذکر ہی اس بات کی دلیل اور شہادت ہے کہ شاگردوں اور سامعین کو اُنہی کے عملی رنگ میں رنگا جائے اور اُنہی کے نقش قدم پر چلنے کی اُنہیں ترغیب دیجائے۔

(۴) باب ۵ ورس ۲۱ تا ۲۶ **مضمون**:۔ تم سُن چکے ہو کہ اگلوں سے کہا گیا تو خون مت کر اور جو کوئی خون کرے عدالت میں سزا کے لائق ہوگا پر میں تمھیں کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنے بھائی پر بے سبب غصہ ہو عدالت میں سزا کے قابل ہوگا اور جو کوئی اپنے بھائی کو رو کا کہے عدر مجلس میں سزا کے لائق ہوگا اور جو اُس کو مورہ کہے **جہنم کی آگ کا سزاوار ہوگا**۔

تنقید:۔ اس وعظ میں حضرت مسیح علیہ السلام نے مختلف بداخلاقیوں اور گناہوں کی سزاؤں کا توریت شریف کے مقابل موازنہ کر کے دکھایا ہے اور نہایت نزاکت سے اقدام اور ارتکاب جرائم کی صورتیں بیان کی ہیں اور واقعی جرائم اور بداخلاقیوں کی معمولی صورتوں کو بھی اخلاقی رنگ میں ایک بڑی ذمہ واری کے ماتحت قرار دیکر لوگوں کو خوف دلایا ہے اور یہ سب عملی صورتیں ہی بیان کی گئی ہیں اگر یہ کہا جائے کہ گناہوں کی سزائیں اہل سیاست یا اہل تمدن کی جانب سے بھی ملتی ہیں لیکن قدرت بھی سزا دے گی اس واسطے سیاسی یا سوشیل سزائیں اُن سزاؤں کی نفی نہیں کر سکتی ہیں جو قدرت سے مقرر ہیں اور جن کے واسطے حضرت مسیح علیہ السلام کفارہ ہوئے ہیں ہم مان لیتے ہیں کہ گناہوں کی دوہری سزائیں مل سکتی ہیں ایک اہل دنیا کی جانب سے یا دنیاوی سیاستوں کی طرف سے اور دوسری قدرت بھی دے گی لیکن اس وعظ میں حضرت مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اگر کوئی اپنے بھائی کو مورہ کہے گا تو وہ جہنم کی آگ کا سزاوار ہوگا یہ سزا ایک عمل کے ماتحت رکھی گئی ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ ایسا شخص ضرور جہنم میں جائے گا یہ شرط نہیں لگائی گئی ہے کہ اگر ایسا شخص کفارہ کا عقیدہ رکھتا ہوگا تو اُسکو جہنم نصیب نہ ہوگا یہ ایک قطعی وعید ہے جو کبھی ٹل نہیں سکتی جیسے اہل سیاست کی جانب سے ازالہ حیثیت عرفی کے استغاثہ ہونے پر ملزم سزایاب ہو سکتا ہے ایسے ہی عدالت قدرت سے بھی اُسکو کسی صورت میں

معافی نہیں دی جاسکتی ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام بالمقابل توریت شریف کے جرائم کی خوفناک سزاؤں اور نزاکت کا سلسلہ تاکیداً بیان کرتے آئے ہیں اور ایک قطعی وعید کی صورت میں لوگوں کو متنبہ اور آگاہ کر رہے ہیں اگر کفارہ کی بدولت یہ سزائے قدرت ٹل سکتی ہو اور جہنم کی آگ سے ایسے ملزم محفوظ رہ سکتے ہیں تو حضرت ممدوح کی یہ قطعی وعید باطل ہوتی ہے اور اگر باطل نہیں ہوتی تو عقیدہ کفارہ باقی نہیں رہتا۔

اسی سلسلہ میں ایک دوسرے رنگ میں یہ وعید حتمی قرار دی گئی ہے فرماتے ہیں۔

"اگر تو قربان گاہ میں اپنی نذر لے جاوے اور وہاں تجھے یاد آوے کہ تیرا بھائی تجھ سے کچھ مخالفت رکھتا ہے تو وہاں اپنی نذر قربان گاہ کے سامنے چھوڑ کے چلا جا پہلے اپنے بھائی سے میل کر تب آکے اپنی نذر گزران"

"میں تجھ سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک کوڑی کوڑی ادا نہ کرے تو وہاں سے کسی طرح نہ چھوٹے گا۔"

دونوں آیتوں میں عمل پر زور دیا گیا ہے اور یہ شرط لگائی گئی ہے کہ جب تک بھائی کو راضی نہ کیا جاوے۔ قرضہ ادائے نہ ہو تب تک چھٹکارا نہ ہوگا حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیم اور منادی کے مطابق بھائی کو راضی نہ کرنا اور قرضہ کا بے باق نہ کیا جانا دونوں جرم اور گناہ ہیں اگر زید اپنے بھائی خالد کو راضی نہیں کرتا اور کفارہ پر یقین رکھتا ہے تو کیا اُسکو بموجب اس وعید کے سزا ملے گی اگر سزا ملے گی تو کفارہ باطل ہے اور اگر سزا نہیں ملے گی تو وعید باطل ہوتی ہے اسی طرح اگر زید عمرو ساہوکار کا قرضہ ادائے نہیں کرتا ہے اور کفارہ کا بھی معتقد ہے تو حسب قول حضرت مسیح علیہ السلام کسی طرح رہائی نہیں پاسکے گا اور اگر حسب عقیدہ کفارہ رہائی پاسکتا ہے تو وعید باقی نہیں رہتی اور اگر دیوانی میں نالش کرکے زید پر ڈگری کراکر عمر قرضہ یافتنی وصول کرلیتا ہو تو اس صورت میں بھی گتھی نہیں سلجھے گی کیونکہ زید نے رضامندی سے قرضہ نہیں دیا ہے نہ ہی سزا باقی ہو ادھر سے زید کفارہ کا عقیدہ بھی رکھتا ہو اور دوسری طرف ادائگی بھی ہو چکی ہے اور وعید میں ادائگی ہی کی اہم شرط تھی دونوں صورتوں میں زید کی پوزیشن دائرہ گرفت اور جوابدہی سے نکل نہیں سکتی۔ ع دوگونہ رنج وعذاب است جان مجنوں را

(باقیدارد)

رپورٹ ماہوار صیغہ جات صدر انجمن احمدیہ قادیان دارالامان بابت ماہ فروری ۱۹۱۴ء

صیغہ یتامیٰ:- آمد ۳-۷-۱۳۴ اور خرچ ۰-۸-۴۷۸ ہؤا۔ بقایا جو یکم فروری کو خزانہ میں تھا وہ صرف ۷-۱۴-۳۴ ہے۔ اس لیئے جملہ ان احباب کیخدمت میں جو یتامیٰ کی پرورش کو ضروری سمجھتے ہیں التماس ہے کہ چندہ یتامیٰ کے لئے روپیہ بھیجکر ممنون فرماویں۔ یتامیٰ کا خرچ ماہ فروری اوپر دکھایا گیا ہے جو پونے چارسو سے زائد ہے۔

صیغہ زکوٰۃ:- آمد ۴-۴-۱۵۹ اور خرچ ۶-۶-۲۷۵ ہؤا۔ زکوٰۃ کا روپیہ بھی اسی جگہ پہنچے تاکہ سلسلہ کے مرکزی مقام میں یکجائی طور پر صرف ہو۔

صیغہ اشاعت اسلام:- خریداران ریویو اردو و انگریزی میں پانچ پانچ کی کمی ہوئی۔

صیغہ مقبرہ بہشتی:-

(۱) اس ماہ میں کوئی موصی مقبرہ بہشتی میں نہ دفن ہؤا اور نہ کوئی فوت ہؤا۔ (۲) پندرہ عدد وصایا جنکی مالیت کا باعث اختلاط اندازہ لگانا ازبس دشوار ہے۔ درج رجسٹر وصایا ہوئی ہیں۔ (۳) مندرجہ ذیل بڑی رقومات جو اس ماہ میں موصیان نے ارسال کی ہیں ملاحظہ فرمادیں۔

(۱) نواب الدین ارائیں بابت اراضی ادجلہ موہوبہ محمد حسن صاحب۔ للعہ (۲) بابو فضل کریم صاحب اکونٹنٹ ملٹری لعہ (۳) ڈاکٹر بشارت احمد صاحب اسسٹنٹ سرجن۔ عیہ ۱۲ر (۴) ناصر شاہ صاحب برادر فضل شاہ صاحب ماعہ (۵) مسمات گلاب بی بی مرحومہ بذریعہ عبداللہ حجام پسر خود ساکن قادیان لعہ ۸ر (۶) بابو امام الدین صاحب پنشنر بھیرہ عہ (۷) مسمات تابی زوجہ امام بخش گمار ساکن دھرم کوٹ بگہ۔ ہیے ۸ر (۸) غلام نبی صاحب سیٹھی راولپنڈی۔ صہ ر (۹) بابو عبدالرحمٰن صاحب لورالائی۔ عہ (۱۰) منشی غلام حسین صاحب امرتسری لے ر (۱۱) بابو دلاور خاں صاحب۔ پشاور للعہ (۱۲) خواجہ بشیر الدین صاحب پوسٹماسٹر بستی نندہ عہ (۱۳) ڈاکٹر محمد اشفاق صاحب حصار۔ لے ر (۱۴) ڈاکٹر قاضی غلام حسین صاحب حصار لے ر

(۱۵) بابو غلام رسول صاحب۔ پشاور۔ ؎ (۱۶) منشی عبد العزیز صاحب سہارنپور۔ ؎
(۱۷) ڈاکٹر غلام دستگیر صاحب۔ گگوئی۔ ؎

شفاخانہ:۔ تعداد نئے مریض ۲۵۹ مائینر اپریشن چار ہوئے۔

صیغہ تعمیر:۔ عمارت بورڈنگ مکمل ہوگئی ہے۔ اور عمارت مدرسہ کا ہال طیار ہو رہا ہے اسکے لیئے گورنمنٹ نے پانچ ہزار روپیہ اور منظور فرمایا ہے۔ جس کے لیئے گورنمنٹ کا علی الخصوص انسپکٹر مدارس حلقہ لاہور کا تہ دل سے شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس محسن گورنمنٹ کو سلامت رکھے۔ اس حال میں ضروری ہے کہ احباب بھی چندہ بھیجکر ممنون فرماویں۔ تاکہ پہلی منزل مکمل ہو جاوے۔

دفتر محاسب:۔ اس ماہ کُل آمد ۵-۱۱-۴۸۶۷ اور خرچ ۳-۱۵-۷۷۰۶ ہوا یعنی تین سو روپے کے قریب زیادہ خرچ ہوا۔ اس آمد میں تین ہزار کی رقم ایسی ہے جو ریویو اُردو و انگریزی کی قیمت ہے۔ باقی ساڑھے چار ہزار روپیہ رہ جاتا ہے۔ جس میں بورڈران ہائی سکول و مدرسہ احمدیہ کے اخراجات کا روپیہ شامل ہے جسکے ساتھ انجمن کو کوئی تعلق نہیں۔ اس صورت میں قریباً ساڑھے سات ہزار کی آمد انجمن کی نہیں ہوتی جو اوپر دکھائی گئی ہے۔ بلکہ بہت تھوڑا روپیہ اصل آمد کا رہ جاتا ہے جو ماہواری اخراجات کو پورا کرنے کے لیئے بالکل ناکافی ہے۔ اور اس طرح پر انجمن کے کام رُکے رہتے ہیں۔

جن لوگوں نے جلسہ سالانہ پر چندہ دینے کا وعدہ کیا تھا۔ انکو ادائگی چندہ کیلیئے توجہ دلائی جاتی ہے:

صدرالدین
سکرٹری صدر انجمن احمدیہ قادیان

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ

كل من عليها فان

مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ

(قرآن کریم)

خدائے تعالیٰ کی رضا کے ماتحت اُس کے قدیم قانون اور سُنت کے مطابق اللہ کا پیارا محمد رسول اللہ کا محبوب۔ عمرؓ کا فرزند۔ مسیح موعودؑ کا جانشین صدیق ثانی سیدنا حاجی حافظ مولٰنا مولوی نورالدین رضی اللہ عنہ ۱۳ مارچ بروز جمعہ ۲ بجکر ۲۰ منٹ پر عین حالت نماز میں اس دنیائے فانی سے رخصت ہو کر اپنے محبوب حقیقی سے جا ملا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون اور ۱۴ مارچ کو بعد نماز عصر آپکی نعش مبارک مقبرہ بہشتی میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے داہنے ہاتھ دفن کی گئی۔

اُس مقدس وجود کا ایثار۔ اُس کی زندگی۔ اُس کی موت اُسکے اعمال اُسکے اقوال اُس کا تجربہ اُس کا تبحرِ علمی اپنی نظیر آپ تھے زمانہ ایسے وجود روز پیدا نہیں کرتا آسمان ایسے مزکّی نفوس کو آئے دن زمین پر نہیں بھیجتا دنیا ایسے منبعِ فیوض وعلوم سے ہر وقت متمتع نہیں ہُوا کرتی۔

آہ۔ زمین ایک عالم سے۔ مسلمان ایک ہادی سے۔ احمدی اپنے پیشوا اپنے آقا اپنے مطاع اپنے مقدس امام کے وجود باجود سے محروم ہو گئے وہ قرآن کا خادم قرآن کا اُستاد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شیدا حدیث کا والا اس دار فانی سے کوچ کر گیا فرقہ ذکور گریاں ہے کہ ہائے وہ بوڑھا تجربہ کار قرآن سنانے والا کہ ہر امیر و غریب کا خیرخواہ ہمارے درمیان سے اُٹھ گیا۔ فرقہ اناثہ میں شور و بکا ہے کہ آہ وہ عورت کی عزت کرنے والا۔ وہ کمزوروں کا حامی وہ حقوق انسان کا مؤید و نگہبان اس دار فانی سے عالم جاودانی کو سدھار گیا۔

یہ آسمانی انسان زمین پر رہتا تھا لیکن اُس کا تعلق آسمان سے ایک لمحہ کے لیے بھی

نہیں دیتا تھا اُس کو چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے ہر گھڑی خدا اور اُسکے رسولؐ کی یاد و محبت کا رنگ چڑھا رہتا اور سرشار رکھتے رہتا تھا خدا کی کتاب اُس کی محبوب اُس کا ذکر اُس کی غذا تھی قرآن کی آیات میں اُسے دلربا خدوخال نظر آتے اور اس کتاب کے معانی میں اُسے چشمہ حیوان سے حیات جاوید بخشنے والے پانیوں کا ذخیرہ معلوم ہوتا تھا۔ اُس کی زندگی زندگیِ قرآن تھی اور جب اُس کی عمر طبعی کا پیمانہ لبریز ہونے کو تھا تو خدا نے حیّ و قیوم کے پاس سے بھی ختمِ قرآن کی مبارک آگئی اور ذاتِ باری و صمد نے فرمایا "خلیفۃ المسیح کو ختم قرآن مبارک ہو"

وہ خضر تھا لیکن اُس نے کئی ایک سکندر صفت طالبانِ حق کو آبِ حیات پلایا اور کسی سے تا دمِ مرگ بخل نہیں کیا۔

اُس کا ایثار اُس کا جود اُس کا کرم اُس کی خدا پرستی غریب نوازی اور احسان اپنی نظیر آپ تھے وہ سب کا خیر خواہ تھا وہ عمیم الاحسان اور ہر دل عزیز تھا اُس کی سخاوت یا اُس کا فیض کسی ایک ملت کے افراد تک محدود نہ تھا بلکہ عام مخلوقِ خدا تک وسیع تھا۔

اللہ تعالیٰ ہمارے اس آقائے مغفور کو غریقِ رحمت کرے اور آپ کے پس ماندگان کو صبر جمیل عنایت کرے دنیا و آخرت میں اپنے فضل و کرم کا مورد کرے اُن کی اولاد پھلے پھولے اور خادمِ دین ہو۔ آمین ثم آمین (ایڈیٹر)

ریویو

تقویم عمری:- یعنی ایک سو پچیس برس کی جنتری جسمیں ۱۷۸۳ء سے لیکر ۱۹۰۶ء تک سنہ عیسوی ہجری فصلی اور سمت کی مفصل تاریخیں ایکدوسرے کے بالمقابل دی ہیں جن لوگوں کو گذشتہ تاریخوں کی تطبیق دینے کی ضرورت پڑتی ہو اُن کیلئے بہت مفید ہے۔ اصل قیمت سے تھی۔ مگر اب رعایتی قیمت عہ کر دی گئی ہے ملنے کا پتہ بدر ایجنسی۔ قادیان ضلع گورداسپورہ

چمکار احمدی:- یعنی سوانح عمری حضرت رسول مقبول نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منظوم پنجابی مصنفہ منشی جھنڈے خانصاحب میر مدرس۔ بہے ہالی۔ ضلع گورداسپورہ۔ پنجابی زبان میں ایسی تصانیف کی بڑی ضرورت ہے۔ جو احباب پنجابی زبان پڑھ سکتے ہوں وہ ضرور اس کتاب کا ایک نسخہ خرید لیں۔ قیمت بھی زیادہ نہیں۔ ۱۵۰ صفحہ کی کتاب ہے قیمت ۸ر مصنف مذکور سے طلب کیجاوے۔

شرح اجرت اشتہارات در رسالہ ریویو آف ریلیجنز

میعاد	پورا صفحہ		نصف صفحہ		چوتھائی صفحہ		ایک سطر	
	انگریزی	اردو	انگریزی	اردو	انگریزی	اردو	انگریزی	اردو
سالانہ	للعہ	للعہ	دعہ	ہعہ	دعہ	ہعہ	سے ر	سے ر
ششماہی	دعہ	دعہ	دعہ	دعہ	عہ	عہ	عہ ۱۲ ر	عہ ۱۲ ر
سہ ماہی	دعہ	دعہ	عہ	عہ	ہعہ ر	ہعہ ر	عہ ر	عہ ر
ایک دفعہ	سے ۸ ر	سے ۸ ر	للعہ ر	للعہ ر	سے ر	سے ر	۸ ر	۸ ر

تمام درخواستیں بنام منیجر میگزین قادیان ضلع گورداسپور آنی چاہئیں

اطلاع

خریداران ریویو کی خدمت میں التماس ہے کہ خط و کتابت کے وقت نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیا کریں ورنہ تعمیل ارشاد میں توقف ہو جائے تو معاف فرماویں ۔

نوٹ۔ ڈاکٹر ایس کے برمن کی کافوری جنتری ۱۹۱۴ء کی خوبصورت تیار ہوئی ہے۔ ڈاکٹر شریف پڑھے لکھے اشخاص کا نام اور پورا پتہ لکھنے پر جنتری ہذا بلا قیمت و محصول بھیجی جاتی ہے

وقت پر صلاح

جو دوست ہوتے ہیں وہ خطرہ سے بچنے کے لیئے وقت سے پہلے نیک صلاح دیتے ہیں۔ ڈاکٹر ایس کے برمن۔ کی یہ صلاح ہے کہ موسم گرما آگیا ہے۔ اس موسم میں کھانے پینے یا رہنے کے باعث ہیضہ ہونے کا خوف رہتا ہے۔ اس سے بچنے کے لیئے پہلے ہی ایک شیشی اصل عرق کافور منگوا کر اپنے گھر میں ڈال رکھیں۔ جس سے اپنے پڑوسیوں کی وقت پر حفاظت ہو سکے۔ یہ اصل عرق کافور عرصہ تیس سال سے تمام ہندوستان میں جاری ہے۔ یہ عرق گرمی کے دست، پیٹ کے درد تلی کیلیئے اکسیر کا حکم رکھتا ہے۔ قیمت ایک شیشی ۴؍ چار آنہ محصولڈاک ایک سے ۲ شیشی تک ۵؍ ۸ شیشی تک ۸؍

پلیگ سے کیوں ڈرتے ہو

سوائے اور سب بیماریوں کے اس سے ڈرنے کا سبب یہ ہے کہ آجتک لاکھوں انسان اس موذی عارضہ کے پنجہ ظلم سے ہلاک ہوچکے ہیں۔ گاؤں کے گاؤں اُجاڑ ہوگئے۔ شہر کے شہر تباہ ہوئے۔ اس وجہ سے اس کے نام ہی سے دہشت ہوتی ہے پلیگ میں مبتلا ہوجانے کے بعد پھر کوئی علاج نہیں ہے۔ لیکن بنظر حفظ ماتقدم۔ ڈاکٹر ایس کے برمن۔ کی پلیگ روکنے والی گولیاں منگوا کر ضرور رکھیں۔ ان گولیوں کے استعمال سے جسم کے خون میں کچھ ایسا اثر ہوتا ہے جس سے پلیگ کے کیڑے ٹھہر نہیں سکتے۔ اور نہ اُس کا زہر اثر کر سکتا۔ وقت پر ان گولیوں کے استعمال سے ہزاروں انسان پلیگ سے محفوظ رہتے ہیں۔ آپ بھی غافل نہیں رہیں۔ ایک گولی روزانہ ساتھ ٹھنڈے پانی کے نگل جانا چاہیئے۔

بچوں کو نصف یا چوتھائی۔ قیمت ۳۶ گولیوں کی ڈبیہ ۸؍ ۶۰ گولیوں کی ڈبیہ ۱۲؍ محصولڈاک ایک سے ۶ ڈبیہ تک ۵؍

ڈاکٹر ایس کے برمن نمبر ۵ و ۶ تاراچند دت اسٹریٹ کلکتہ

مطبع میگزین قادیان میں ماسٹر فقیر اللہ اسسٹنٹ مینجر میگزین کے اہتمام سے طبع ہوا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

موت زندگی کا خاتمہ نہیں ہے

یٰلیتہا کانت القاضیۃ

(اے کاش موت کے ساتھ ہی قصہ چُک گیا ہوتا)

یہ سچ ہے کہ عقل انسانی نے اِس زمانہ میں نہایت ترقی کی ہے اور صدہا قسم کے علوم اس کے ذریعہ سے دنیا کو ملے ہیں اور چونکہ خود بھی وہ ایسا اپنے تئیں سمجھتی ہے اسلیئے اس نشۂ تکبّر و انانیت میں سرشار ہو کر کبھی کبھی وہ یہ بھول جاتی ہے کہ مَیں کسی محدود ہستی کی محدود قوّت ہوں اور مَیں باوجود اس ترقی کے بھی اپنے تئیں کامل و اکمل نہیں کہہ سکتی پس اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کبھی کبھی وہ خیالی تُکّے چلانے لگتی ہے۔ اور ان مقامات میں جہاں اُسے رسائی نہیں اٹکلیں دوڑانے لگتی ہے عقل نے مادّی ترقی جس قدر کی ہے وہ وہیں تک ہے جہاں تک حواس ظاہری کام کر سکتے ہیں۔ باطنی قویٰ کی طرف موجودہ زمانہ کی توجہ بہت کم ہے اور یہ قانونِ قدرت ہے کہ جن قوّتوں سے زیادہ کام لیا جائے وہی بڑھتی ہیں اور جن کو معطل اور بیکار چھوڑا جائے وہ گھٹتے گھٹتے بعض دفعہ معدوم بھی ہو جاتی ہیں۔ لہٰذا کسی انسان یا قوم کا محض مادّی ترقی میں یدِ طولیٰ حاصل کر کے کوئی حق نہیں کہ وہ روحانی یا باطنی ترقی کا بھی دم مار سکے اور اُس میں اپنی اٹکل کے مطابق جو چاہے من گھڑت باتیں پیدا کرے۔ بلکہ اُس کی یک طرفہ توجہ اس بات کا ثبوت ہے کہ دوسرا پہلو کمزور ہو گیا یعنی یہ کہ روحانی قویٰ کی نشوونما سے محروم ہو گئی۔ پس ایک تو عقل کی توجہ مادّی ترقی کی طرف پھر جانے سے روحانی قویٰ میں انحطاط کا آجانا لازم ہے۔ دوسرے خواہ عقل کتنی ہی جولانیاں کرے۔ بہرحال وہ ایک محدود چیز ہے کیونکہ اُس کا ماخذ و منبع ایک محدود ہستی ہے جس طرح انسان کی تمام قوّتیں محدود ہیں اور وہ ایک حد سے آگے کام نہیں کر سکتیں اسی طرح انسانی عقل بھی ایک حد کے اندر محدود ہے اور جس طرح دوسری قوّتوں کے لیئے اگر اُن سے اس قدرتی حد سے زیادہ بڑھکر کام لینا ہو تو خارجی مدد کی ضرورت پڑتی ہے اسی طرح ماننا پڑے گا کہ عقل سے اگر اسکی حد سے

زیادہ بڑھکر کام لینا چاہیں تو خارجی مدد کی ضرورت پڑیگی۔ مثلاً آنکھ کی بینائی ایک قوت ہے چونکہ محدود ہستی کی ایک قوت ہے اس لیئے ایک حد سے آگے کام نہیں کرتی۔ کچھ فاصلے کے آگے پھر دیکھ نہیں سکتی یا ایک خاص حد سے اگر کسی چیز کی مقدار چھوٹی ہو تو پھر اُسے دیکھ نہیں سکتی۔ پس جب بینائی کی حد سے زیادہ فاصلہ کی دیکھنے کی ضرورت پڑتی ہے تو ہمیں خارجی مدد کی ضرورت پڑتی ہے اور ہم دُوربین استعمال کرتے ہیں۔ دنیا نے بڑی بڑی طاقتوں کی دُوربینیں ایجاد کی ہیں مگر چونکہ موجد محدود۔ چیز ایجاد شدہ محدود۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ مدد ایک حد تک پہنچ کر آگے چلنے سے رہ جاتی ہے۔ اور دُوربین کی مار ایک حد پر جاکر ختم ہو جاتی ہے اسیطرح بینائی کی حد سے زیادہ چھوٹی چیز کو دیکھنے کے لیئے ہم خارجی مدد لیتے ہیں چنانچہ اُسکے لیئے خوردبین استعمال کرتے ہیں۔ مخلوق نے بڑی بڑی تیز خوردبینیں ایجاد کی ہیں۔ مگر ایک حد پر جاکر وہ بھی ختم۔ اسی طرح عقل کی محدود اور ناقص حالت کی تکمیل کے لیئے دنیا نے تعلیم و تعلم کا سلسلہ شروع کیا۔ اور بڑی بڑی یونیورسٹیاں اور لیبوریٹریاں قائم کیں۔ مگر سچ یہی ہے کہ ابھی بہت کچھ پڑا ہے۔ بقول نیوٹن کے ابھی تو سمندر کے کنارے گھونگھے چن رہے ہیں بحر ذخار اُسی طرح پڑا ہے۔ اور یہ اُس کا حال ہے جس میں عقل کی تگ و دو دن رات جاری ہے۔ اور جسکی تحقیقاتوں پر اُسکو بڑا ناز ہے اور ایک حد تک بجا بھی ہے۔ مگر اُن علوم کا کیا حال جس طرف اُسکو مادی شغلوں اور انہماک سے توجہ کے لیئے فرصت ہی نہیں۔ اور توجہ بھی ہو تو وہاں تک سچ پوچھو تو رسائی ہی نہیں۔ بڑے سے بڑے پروفیسر کے آگے بھی ہزار زانوئے شاگردی تہ کرو۔ اور اُسکے خیالات سے فائدہ اُٹھاؤ۔ مگر آخر اُس کی عقل بھی تو محدود ہے۔ ایک حد تک جاکر وہ بھی رہ جائیگی جسطرح دوربین اور خوردبین رہ گئی تھی۔ پس نتیجہ یہ نکلا کہ ہر ایک معاملہ میں محض عقل ہماری کامل رہبر نہیں ہو سکتی۔ اور بالخصوص اُن مسائل میں جہاں وہ ایسی عاجز رہ جاتی ہے کہ محض تحیر ہی تحیر اُسکے حصہ میں رہ جاتا ہے مثلاً انسان کیا ہے اُسکی ہستی کا مقصد کیا ہے۔ کدھر سے آیا اور کدھر کو اُس کا رُخ ہے۔ جن دُکھوں اور خوف و حزن میں مبتلا رہتا ہے اور جن تغیرات کے ماتحت اُسے کسی پہلو چین نصیب نہیں اُس سے چھٹکارا اُسے ہو سکتا ہے یا نہیں کیا فنا کے ہاتھ سے وہ بچ سکتا ہے کیا وہ ابدی ترقی اور ابدی سُکھ کا وارث ہو سکتا ہے؟ خلاصہ یہ کہ نجات جس کے معنے ابدی زندگی ابدی سُکھ اور ابدی ترقی کے ہیں اور جو انسانی فطرت کا صحیح تقاضا اور عین خواہش

ہے وہ اُسے نصیب بھی ہو سکتی ہے یا نہیں اور اگر ہو سکتی ہے تو کن راہوں سے ہو سکتی ہے؟ ان معاملات پر عقل کے پاس سوائے ظنیات اور تخیل کے طوفان بے تمیزی کے اور نری اٹکلیں دوڑانے کے کچھ بھی نہیں اسی لیے جتنے مُنہ اُتنی ہی باتیں جسے دیکھو اپنی ہی راگنی الاپ رہا ہے کوئی یقینی علم نہیں اور ہو بھی کیسے سکتا ہے کیونکہ یہ مسئلہ عقل کے حدود سے باہر نکل جاتا ہے یاد رہے کہ عقل میں اور تخیل کی جولانیوں میں فرق ہے عقل کا کام ہے اپنی بنیاد صحیح اور یقینی علوم پر رکھنا۔ اسی لیئے جہاں سے ظنیات کا علاقہ شروع ہوتا ہے۔ وہاں عقل کے اصلی حدود ختم ہو جاتے ہیں محض ظنیات پر جس علم کی بنا ہوتی ہے اُسے ہم معقول نہیں کہہ سکتے اور نہ وہ انسان کو کچھ نفع دے سکتا ہے اور نہ کوئی عقلمند انسان اُسپر کسی اہم مسئلہ کا مدار رکھ سکتا ہے۔ پس اسجگہ آکر انسانی ہستی اور نجات کے راز سربستہ کی عقدہ کشائی کے لیئے انسانی عقل کو خارجی مدد کی ضرورت اور پیاس محسوس ہوتی ہے اور یہ مدد بھی کسی اپنے جیسے محدود عقل والے انسان کی نہیں۔ بلکہ خود خالق فطرت کی جس نے اُس کی ہستی کو پیدا کیا اور اس تمام گورکھ دھندے کو جو نظام عالم کی شکل میں ہمارے سامنے ہے پیدا کیا۔ کیونکہ کسی مشین کے موجد کو ہی صحیح طور پر علم ہوتا ہے کہ فلاں فلاں پرزے کن کن کاموں کے لیئے ہیں اور اُنکا کیا مقصد ہے۔ باقی سب اٹکل ہے اور انسان کیلیئے ظلم تھا اگر وہ بے علمی کی حالت میں ہی چھوڑ دیا جاتا اور خالق فطرت اپنے علم کُل سے مدد نہ کرتا۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ جس طرح ایک بچہ کسی مشین کے کمرہ میں گھس کر اُسکے پرزوں کے غلط استعمال سے اپنے تئیں ہلاک کر لیتا یا کم سے کم نقصان پہنچا لیتا ہے اسی طرح وہ بھی اپنے تئیں تباہ کر لیتا۔ لہذا قدرت کے فیاض ہاتھ نے جہاں تمام کاموں میں اُسکی مدد کی تھی یہاں بھی اُسکی مدد کی اور سچ بھی یہی ہے کہ انسان بغیر قدرت کی فیاضی کے کہیں بھی اپنی کسی قوت سے کام نہیں لے سکتا۔ سورج کی روشنی نہ ہو تو آنکھ بے کار ہے۔ ہوا نہ ہو تو کان بیکار ہیں۔ اسی قانون کے مطابق عقل کی بھی قدرت نے الہام سے مدد کی۔ یعنی انسانی فطرت کے عین اس تقاضے کے مطابق خدا کی طرف سے انسان کو علم عطا ہوتا ہے اسے الہام کہتے ہیں اور چونکہ عقل کی جولانیوں کی ان مسائل میں رسائی نہیں ہوتی اسلیئے یہ علم بغیر کسی سوچ اور تردد اور تفکر اور تدبر کے جو عقل کی جولانی کی مختلف راہیں ہیں حاصل ہوتا ہے اور ایک القاء غیبی ہوتا ہے جو ایک واضح اور منکشف احساس سے کہ جیسے سامع کو متکلم سے یا مضروب کو ضارب سے یا ملموس کو لامس سے ہو محسوس ہوتا ہے۔

اور اس سے نفس کو مثل حرکات فکریہ کے کوئی الم روحانی نہیں پہنچتا۔ بلکہ جیسے عاشق اپنے معشوق کی رویت سے بلا تکلف انشراح اور انبساط پاتا ہے۔ اسی طرح نفس بھی اپنے اس فطرتی تقاضے کے پورا ہونے پر لذت اٹھاتا ہے۔ اور یہ قانونِ قدرت ہے کہ نفس اپنے فطرتی تقاضے کے ہی پورا ہونے پر کچی لذت پاتا ہے جیسے کہ پیاس میں سرد پانی لذت دیتا ہے اور بھوک میں مرغوب کھانا خوشی پیدا کرتا ہے۔ اور یہ بھی قانونِ قدرت ہے۔ کہ انسان کے اندر جسقدر تقاضائے فطرت بھی موجود ہیں اُن سب کے پورا ہونیکا سامان نظام عالم میں موجود ہے۔ یا دوسرے لفظوں میں یوں کہو کہ انسانی ہستی انہی فطرتی تقاضاؤ کو اپنے اندر لیکر پیدا ہوتی ہے جو پہلے سے نظام عالم میں موجود ہیں۔ کیونکہ انسان اس تمام کائنات کا ایک جزو ہے اور جو کل میں موجود ہی نہیں اُس کا تقاضا ہی فطرت میں کہاں سے پیدا ہو سکتا ہے غرض الہام کا وجود عین تقاضائے فطرت کے مطابق پڑا ہے لہٰذا اس کے وجود سے انکار نہیں ہو سکتا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اس فطرتی تقاضے کے پورا کرنے کی کوشش کیجائے اور وہ یہ ہے کہ ہر ایک بدی اور گند سے علیحدہ ہو کر خالقِ فطرت کے ساتھ تعلق جوڑا جائے اور اُس کی یاد میں لگا رہے اور اُسے اور صرف اُسے اپنا مقصود و معبود بنا دے۔ قرآن کریم جو خدا کی کامل کتاب ہے مذکورہ بالا مضمون کو کسقدر لطیف اور جامع اور مختصر الفاظ میں بیان فرماتا ہے وہو ہذا و مالھم بہ علمؕ ان یتبعون الا الظن ۚ و ان الظن لا یغنی من الحق شیئاًؕ فاعرض عن من تولّٰی ۵ عن ذکرنا ولم یرد الا الحیٰوۃ الدنیاہ ذٰلک مبلغھم من العلمؕ ان ربک ھو اعلم بمن ضل عن سبیلہٖ وھو اعلم بمن اھتدیٰ ۵ اس آیت کا ترجمہ مع تفسیر یوں ہے کہ بوجہ عقل کے محدود ہونے کے علوم الٰہیات و روحانیات میں انسان کو یقینی علم تو حاصل ہو نہیں سکتا البتہ اٹکلیں ہیں اس لیئے یہ لوگ صرف ظن کی پیروی کرتے ہیں اور یہ سچ ہے کہ ظن حقیقت کے مقابلہ میں کوئی ہستی نہیں رکھتا اور کچھ بھی چیز نہیں۔ پھر اُس شخص کی بات تو ہرگز بھی قابل توجہ نہیں جس نے ہماری یاد سے (جو الہام اور انکشاف حقیقت کی کنجی تھا) مُنہ پھیرا اور دنیا کی زندگی کے سوا اور کچھ نہ چاہا کیونکہ دنیا کی طرف تمام توجہ ہو جانے سے قوائے روحانیہ کو کھو بیٹھا۔ اور اس طرح ان علوم میں وہ تھوڑی بہت کچھ بھی دسترس نہیں رکھتا۔ انکے علم کی رسائی تو یہاں تک ہے کہ دنیا کو جو صرف ترقی کے لیئے ایک زینہ تھا اپنا مقصود بنا بیٹھے۔ پس اے انسان تو محتاج ہے اپنے رب سے علم پانے کا یعنی

الہام کا کیونکہ بیشک تیرا رب ہی جو تیرا پیدا کرنیوالا ہے اور جس نے تجھے ابدی ترقی کی طرف لے چلنے
کے لیئے پیدا کیا ہے ہاں وہی ٹھیک ٹھیک جانتا ہے کہ کون اُسکی راہ سے جو ابدی ترقی کے
کے لیئے اُس نے بنائی ہے بھٹک گیا اور وہی ہاں وہی جانتا ہے کہ کون اُس راہِ راست پر پڑ لیا۔
پس نتیجہ یہ نکلا کہ الہام کیا ہے۔ عقل کا رہبر۔ عقل کا ہادی۔ جہاں عقل عاجز رہ جاتی ہے
وہاں الہام دستگیری فرماتا ہے اور وہ عین عقل بلکہ خود عقل کو تکمیل پر پہنچانیوالا ہوتا ہے۔
یہ غلط بات ہے کہ الہام کچھ ایسی باتیں بیان کرتا ہے جو خلاف عقل ہیں۔ بلکہ وہ اُن باتوں کی
عقدہ کشائی کرتا ہے جو بالاتر از عقل ہیں۔ اور بالاتر از عقل ہونے میں اور خلاف عقل ہونے
میں فرق ہے۔ جو ظاہر ہے۔ خلاف عقل یہ ہے کہ کوئی کہے کہ دو اور دو پانچ ہوتے ہیں یا ایک
برابر تین کے یا تین برابر ایک کے۔ یہ باتیں الہام بھی نہیں بتاتا۔ الہام تو ان باتوں کی جو عقل کی رسائی
سے باہر ہیں حقیقت کے راستہ سے عقدہ کشائی فرماتا ہے اور عقل کو اُس عالی مقام کی طرف
رہنمائی کرتا ہے۔ جہاں آپسے اُسکو پہنچنا ناممکن تھا۔ عقل کو دھکے نہیں دیتا بلکہ اُسکی دستگیری کرتا
ہے۔ اسی لیئے عقل جوں جوں ترقی کریگی الہام ربانی کی ہمیشہ تائید کریگی۔ پس نتیجہ یہ نکلا کہ اُن تمام
علوم الٰہیات و روحانیات میں جن کے ساتھ انسانی ہستی کے راز کی عقدہ کشائی وابستہ ہے اور
جنپر نجات کا دار و مدار ہے محض عقل رہبر نہیں ٹھہر سکتی جب تک الہام کی دستگیری ساتھ نہ ہو
کیونکہ جب سے انسانی ہستی معرض وجود میں آئی۔ اور اُس میں خود شناسی و خود اختیاری کا مادہ
پیدا ہوا۔ وہ اپنے افعال کا جہاں تک اُسکو وسعت اور مقدرت دیگئی ہے ذمہ وار ٹھہرا۔ پس
جیسا کہ نجات کے صحیح اور یقینی علوم کا دنیا میں سب سے پہلا انسان محتاج تھا ویسا ہی بعد میں
مختلف ازمنہ میں نسل انسانی کو اُس کی ضرورت رہی اور ویسی ہی ضرورت آج بھی ہے اور
آئندہ بھی رہیگی۔ عقل انسانی جب اسوقت تک ناقص اور ناکمل ہے تو پہلے زمانوں کا پوچھنا
ہی کیا ہے اور آئندہ نقص اور تکمیل کا سلسلہ جاری ہے۔ پس بنابریں نجات کی راہ جسے مذہب
کہنا چاہیئے بغیر الہام کی مدد کے محض عقل سے انسان نہیں پا سکتا تھا اور نہ اب پا سکتا ہے
اور نہ آئندہ کبھی پانے کی توقع عقلاً ہو سکتی ہے۔ پس مذہب کی بنیاد الہام پر ہوئی ہاں یہ
سچ ہے کہ الہام عقل کے خلاف نہیں ہوتا۔ بلکہ عقل کے نقصوں اور کمزوریوں کو دور کرنیوالا اور

اُس کی رہنمائی کرنیوالا ہوتا ہے اور اُسکو اُن مقاماتِ عالیہ پُہنچانیوالا ہوتا ہے جہاں وہ ازخود پُہنچنے سے عاری تھی۔ پس ان معاملات میں الہام کی گواہی کو سب پر مقدم اور فائق سمجھنا ضروری اور لازمی ہے اور عقل کی گواہیاں اُسکی تائید میں ہونی چاہئیں۔ یہ مسئلہ کہ موت زندگی کا خاتمہ نہیں یہ بھی ہمچو ایک مسئلہ ہے جہاں الہام کی گواہی سب سے مقدم اور عقل کی گواہی اُس کی تائید میں اُسکی مصدق سمجھی جانی چاہیئے اتنا سمجھ لینے کے بعد اب اصل مسئلہ پر غور کرنا چاہیئے وما توفیقی الا باللہ وما شاء اللہ لا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

اس مسئلہ (یعنی موت زندگی کا خاتمہ نہیں ہے) میں جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے عقل کے ہاتھ میں یقین کے طور پر تو کچھ بھی نہیں۔ کیونکہ حق الیقین کے طور پر تو جبھی معلوم ہو سکتا ہے جب کوئی خود مر کر تجربہ کرے۔ البتہ قوانین نیچر کی موجودہ تحقیقات جہاں تک پہنچی ہے اُس کی بنا پر عقل ایک نتیجہ نکالتی ہے جسے ظن غالب سے بڑھکر درجہ نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ ممکن ہے کہ بعض قوانین نیچر اور بھی ایسے باریک اور مخفی در مخفی ہوں کہ اُن تک ابھی تحقیقات کی رسائی نہیں ہوئی اور اس وجہ سے نتیجہ غلط نکلے۔ اور یہی وجہ ہے کہ علوم مروجہ سائنس میں بھی بعض دفعہ نتائج نکالنے میں غلطی لگ جاتی ہے بہت سے باریک در باریک اسباب ایسے ہوتے ہیں جنپر نظر تحقیق نہ پڑنے کی وجہ سے بعض دفعہ نتیجہ غلط نکل آتا ہے جنکو واقعات جھٹلا دیتے ہیں۔ پس جب یہ بالکل ممکن ہے کہ علم روحانیات کے بعض قوانین پر عقل کی ابھی تک رسائی نہ ہوئی ہو اور جیسا کہ واقعات میں ہے بھی یونہی۔ تو پھر عقل کے نتیجہ کو ظن غالب سے ہرگز ہرگز زیادہ درجہ نہیں دیا جا سکتا یا زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ قوانین نیچر کی موجودہ تحقیقات کے مطابق ایسا ہونا چاہیئے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ضرور ایسا ہی ہے۔ پس یہاں عقل کی اس کمی کو الہام ہی ہے جو پورا کرتا ہے جو بتلاتا ہے کہ واقعات میں ایسا ہی ہے۔ کیونکہ یہ بالکل سچ ہے کہ خود خالق کائنات ہی بتلائے تو بتلائے کہ موت زندگی کا خاتمہ ہے یا نہیں اور اُسی کا ارشاد یقینی ہو سکتا ہے باقی سب تکے اور ڈھکوسلے ہیں پس پہلے ہمیں عقل کے استدلال اور اخذ نتائج پر غور کرنا چاہیئے اور بعد ازاں الہام کا آخری اور یقینی فتویٰ حاصل کرنا چاہیئے وباللہ التوفیق۔

(۱) سلسلہ اسباب ونتائج

یہ امر مسلّم ہے کہ تمام کائنات مجموعہ اسباب و نتائج ہے۔ ہر ایک نتیجہ کا ایک سبب ہے اور ہر ایک سبب کا ایک نتیجہ ہے۔ اور یہ امر بھی مسلّم ہے کہ دنیا میں نیکی و بدی کا وجود بھی ہے۔

اب یہ امر ہمارے مشاہدہ میں داخل ہے کہ بدی کا نتیجہ ہم بعض وقت بُرا دیکھتے ہیں اور اسکو انصاف و عدل شمار کرتے ہیں اور جانتے ہیں .... کہ یہ بُرائی کا لازمی نتیجہ ہے۔ مگر یہ بات بھی روز کا مشاہدہ ہے کہ بہت سے اُسی قسم کی بدی میں مبتلا لوگ کوئی بُرا نتیجہ اس عالم میں نہیں پاتے اور اپنی شرارتوں ہی میں مبتلا اور ظلموں میں رنگ رلیاں مناتے دنیا کو چھوڑ جاتے ہیں۔ بدی ایک سبب ہے اور قوانین نیچر کے مطابق عقل بتلاتی ہے کہ اس کا نتیجہ لازماً بُرا ہونا چاہیئے اور ہمارا مشاہدہ اور تجربہ بھی یہی بتلاتا ہے کہ بدی کا جب کوئی نتیجہ ہمارے سامنے وقوع پذیر ہوتا ہے تو وہ بُرا ہی ہوتا ہے۔ پس یہ امر علم الیقین سے گذر کر عین الیقین اور حق الیقین تک پہنچ چکا ہے کہ بدی کا نتیجہ بُرا ہے۔ اب بعض لوگوں کو جو بدی کا نتیجہ اس عالم میں نہیں ملتا تو اس کی وجہ یہ تو نہیں ہو سکتی کہ اس کا کوئی نتیجہ ہی نہیں کیونکہ یہ مسلمہ قانونِ قدرت کے خلاف ہے۔ اگر ایسا ہو سکتا ہے کہ بعض دفعہ اسباب سے نتائج نہیں نکلا کرتے اور ایسا اندھیر بھی ہُوا کرتا ہے کہ خواہ ایک ہی قسم کے سبب ہوں مگر بعض دفعہ نتیجہ نکلتا ہے اور بعض دفعہ نہیں۔ جس کا دوسرے لفظوں میں مطلب یہ بھی ہوا کہ اشیاء اپنے خواص کے ظہور کو جو بطور نتائج ہُوا کرتے ہیں چھوڑ سکتی ہیں تو پھر تمام علوم اور سائنس کی جڑھ کٹ گئی کیونکہ ہر ایک سبب اور نتیجہ سے امان اُٹھ گیا۔ اور تمام قوانین نیچر باطل ہو گئے۔ لہٰذا نتیجہ یہ نکلا کہ بعض دفعہ جو بُرا نتیجہ بدی پر مترتب ہونا اس عالم میں نظر نہیں آتا اُس کی یہ وجہ نہیں ہے کہ اس کا کوئی نتیجہ ہی نہیں۔ عقل کہتی ہے۔ قوانین نیچر کہتے ہیں کہ نتیجہ نکلنا لابد ہے۔ تو پھر لازمی طور پر یہ ماننا پڑیگا کہ یہ سلسلہ اسباب و نتائج کا اسی عالم تک ختم نہیں ہو جاتا۔ بلکہ اس زندگی کے بعد کوئی اور زندگی اور عالم بھی ہے جہاں ان اسباب کا نتیجہ اور بدی کی سزا ملیگی۔ اسی طرح نیکی کا حال ہے۔ نیکی کا نیک نتیجہ بعض دفعہ ہمارے سامنے ملتا ہے۔ اور اُس سے ہمیں تعجب نہیں ہوتا کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ اسکا یہی نتیجہ قانونِ قدرت کے مطابق ہونا لابد تھا اور ہُوا۔ مگر بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک نیک انسان دُکھوں میں مبتلا دنیا سے گذر جاتا ہے اسکی نیکیوں کا کوئی نتیجہ اس زندگی میں نہیں نکلتا۔ اگر سلسلہ اسباب و نتائج اور قوانین قدرت صحیح ہیں تو پھر یہ بھی

صحیح ہے کہ زندگی کا موت کے ساتھ ہی خاتمہ نہیں ہوجاتا۔ بلکہ صرف شکل بدل جاتی ہے اور ایک نئی قسم کی زندگی اور عالم شروع ہوجاتا ہے جو اس موجودہ زندگی کے لیئے بطور نتیجہ کے ہے عقل کے مذکورہ بالا نتیجہ پر ہمیں حق الیقین تک پہنچنے کے لیئے الہام کی شہادت کی ضرورت ہے عقل نے تو فتویٰ دیدیا کہ نیکی اور بدی کی جزا و سزا ملنے کے لیئے زندگی کا یہیں تک خاتمہ نہیں ہونا چاہیئے بلکہ لازم طور پر ایک اور عالم ہونا چاہیئے۔ مگر اس امر کے لیئے کہ واقعات لامر ضرور ضرور یونہی ہیں الہام کی رہبری کی ہمیں ضرورت ہے۔ الہام سے مستفید ہونے کے لیئے ہمیں کوئی ذریعہ ہونا چاہیئے اور وہ الہامی کتابیں ہیں۔ مگر دنیا میں جسقدر الہامی کتابیں ہیں وہ بدقسمتی سے سب کی سب سوائے قرآن مجید کے انسانی دستبرد سے تاریخی طور پر محفوظ نہیں رہیں۔ بعض کی نسبت تو یہ پتہ بھی نہیں لگتا کہ وہ دراصل کس زبان میں تھیں یا اگر زبان کا پتہ بھی لگا تو وہ زبانیں مردہ ہوکر اب انکا سمجھنا محال ہوگیا اور ہر طرح کی تاویلوں اور کاٹ چھانٹ کی گنجایش نکل آئی مثلاً ویدیا ژند اوستا وغیرہ۔ اور بعض تو صرف تراجم ہی رہ گئے اور اصل کتاب مفقود ہوگئی مثلاً بائیبل وغیرہ اور ظاہر ہے کہ ترجمہ مترجم کے خیالات کا آئینہ ہوتا ہے۔ پھر ان تمام کتابوں کی نسبت کوئی تاریخی ثبوت موجود نہیں کہ یہ محفوظ ہیں۔ بلکہ بعض کی نسبت تو محققین نے صاف طور پر کہدیا کہ یہ انسانی بناوٹ ہے۔ مثلاً اناجیل وغیرہ

پس الہامی کتابوں میں قرآن ہی ایک ایسی کتاب ہے جو الہامی ہونے کے ساتھ کل کی کل محفوظ ہے اور تاریخی طور سے یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچ چکی ہے اور اس زمانہ کے ایک ملہم حضرت میرزا غلام احمد نامی نے بھی جنکے ملہم ہونے کا ثبوت بہت سے نشانات اور تائیدات آسمانی سے ثابت ہوچکا ہے یہی گواہی دی کہ قرآن ہی ایک کتاب ہے جو محفوظ اور خدا کی کامل اور جامع کتاب ہے۔ پھر اس کتاب قرآن مجید میں یہ کمال ہے۔ کہ یہ دوسری الہامی کتب کی طرح صرف دعویٰ ہی دعویٰ نہیں پیش کرتی بلکہ دلائل بھی ساتھ دیتی ہے۔ اور اسلیئے عقل اور الہام کے باہمی تطبیق کے لیئے اس سے بہتر اور کوئی کتاب نہیں ہوسکتی۔ پس ہم ہر ایک عقل کے فتوے پر الہامی شہادت کے لیئے قرآن مجید کو لیں گے اور اُس سے فیصلہ کرینگے۔ چنانچہ موجودہ مسئلہ پر قرآن مجید کا فیصلہ مختلف آیات پر یکجائی طور پر نظر ڈالنے سے حسب ذیل ہے:۔

وخلق اللہ السموات والارض بالحق ولتجزیٰ کل نفس بما کسبت وھم

لا یظلمون ۰ واللہ لا یضیع اجر العاملین ۰ فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ۰ ومن
یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ ۰ وما خلقنا السموات والارض وما بینھما لٰعبین ۰
ماخلقنھما الا بالحق ولکن اکثرھم لا یعلمون ۰ قل امر ربی بالقسط ۔
مٰلک یوم الدین ۰ ترجمہ مع تفسیر۔ اور اللہ نے آسمانوں اور زمین کو حق وحکمت اور مقاصد کے
ساتھ پیدا کیا اور ان میں سے ایک یہ ہے کہ ہر ایک نفس یعنی ہر ایک شخص جو وہ کماتا اور عمل کرتا ہے
اُسکا اُسے بدلہ دیا جائے اور اُنپر کسی طرح بھی ظلم نہ ہو۔ اور اللہ عمل کرنیوالوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ اور
جو کوئی ذرہ کے برابر نیک عمل کرتا ہے اُسے بھی دیکھ لیگا اور جو ذرہ برابر بُرا عمل کرتا ہے اُسے بھی
دیکھ لیگا۔ یہ اس لیئے ہے کہ ہم نے آسمان اور زمین اور جو اُنکے درمیان ہے بطور کھیل کے بے حقیقت
نہیں پیدا کیا بلکہ ہم نے تو اُنکو حقیقت کے ساتھ پیدا کیا۔ اور قوانین واسباب ونتائج سے وابستہ کیا۔
اگر قوانین اور سلسلۂ اسباب ونتائج سے انکار کر دیا جائے تو پھر تمام چیزیں بے حقیقت اور لغو ہو جاتی
ہیں لیکن چونکہ کثرت سے لوگ ان امور کو نہیں سمجھتے اسلیئے جلدی سے انکار کر دیتے ہیں یہ بھی بتلا دو
کہ میرے رب کے تمام کام عدل اور انصاف پر مبنی ہیں۔ پس اگر نیکی کا نیک اور بدی کا بد بدلہ
نہ ملے تو عدل اور انصاف کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ ایک ظالم کو اُسکے ظلم کی پاداش کا نہ ملنا اور ایک مظلوم کو
اُسکے صبر کی جزا نہ ملنا یہ خدا کا انصاف کب گوارا کر سکتا ہے۔ پس خدا کے انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ
نیکی وبدی کا بدلہ ضرور ملے۔ ہاں اس صفت کے کامل ظہور کیلیئے یہ عالم کافی نہیں اس لیئے ایک دوسرا
عالم ہے جس میں اُسکی صفت مٰلک یوم الدین کا پورا پورا ظہور ہوگا۔ اور ہر ایک کو اپنے عمل کا بدلہ ملیگا
اور وہ عالم اس عالم کیلیئے بطور نتیجہ کے ہوگا کیونکہ جب ہر ایک سبب کا نتیجہ ہے تو یہ عالم جو مجموعہ اسباب
ہے بحیثیت ایک سبب کے ضرور ہے کہ کوئی دوسرا عالم بطور نتیجہ کے رکھے۔

(۲) مسئلہ ارتقا۔

یہ مانا جاتا ہے کہ انسان مادہ کی ترقی کا ایک مقام اور ایک شکل ہے۔ گویا زندگی کیا ہے۔
مادہ کی ترقی کرنے سے ایک خاص حالت اور کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ مادہ کی ترقی
کا مقصد اور سبب بقا کی کوشش ہے۔ بقا کیلیئے ضروری بلکہ لازم ملزوم کی طرح ہے کہ مادہ سکون
کیحالت میں نہ ہو بلکہ حرکت میں ہو اور یہ حرکت کی لہر ترقی کی طرف ہو۔ اسی لیئے ابتدائے عالم میں

بھی جب کچھ نہ تھا اور صرف ذرات ہی موجود تھے یہ مانا جاتا ہے کہ وہ ذرات حرکت میں رہتے تھے کیونکہ بقا کے لیئے اس حرکت کی ضرورت تھی۔ یہ مادہ کی ترقی کا پہلا زینہ اور زندگی کی صفت کا ایک پرتو تھا۔ چونکہ یہ حرکت بقا کے لیئے تھی اسلیئے لازماً ترقی کی طرف مادہ کی رو چلی۔ ترقی کے مختلف مراتب طے کرکے سب سے پہلے نباتات پیدا ہوئی جو بیّن طور پر زندگی کے ظہور کا پہلا درجہ تھا۔ زندگی کی تعریف یورپ کے مشہور فلاسفر ہربرٹ اسپنسر نے یوں کی ہے کہ یہ ایک طاقت ہے جس چیز میں کہ وہ موجود ہو اسکی حالت کو وہ گرد اگرد کی چیزوں آب و ہوا اور تمام کائنات سے مطابق رکھنے کی کوشش کرتی ہے اور کوئی حصہ اس چیز کا جس میں کہ یہ ہے نقصان ہو جائے تو اُس کی تلافی کرنے کی کوشش کرتی ہے مثلاً جسم کی حرارت کو موسم کی سردی یا گرمی کے مطابق رکھتی ہے یا اگر کوئی زخم جسم پر پیدا ہو جائے تو اُسکی اندمال کی کوشش کرتی ہے۔ اب اس تعریف سے جو کہ زندگی کی گیئی اور جیسا کہ فی الواقعہ مشاہدہ میں بھی پایا جاتا ہے یہی نکلتا ہے کہ در اصل زندگی کا مقصد اس چیز کی بقا کی کوشش ہے جسمیں کہ وہ پائی جاتی ہے جسم کی حرارت کو باہر کی آب و ہوا سے مطابق کرتے رہنا اور جسم کے نقصانوں مثلاً زخم وغیرہ کی تلافی کرتے رہنا اور انہیں اندمال کی طرف لانا صاف ظاہر کرتا ہے کہ زندگی کا مقصد یہی ہے کہ جس چیز میں کہ پائی جائے اُسکی بقا کی کوشش کرے۔ چونکہ زندگی مادہ سے پیدا ہوئی ہے یا یوں کہو کہ مادہ کی ایک ترقی یافتہ شکل ہے۔ اسلیئے معلوم ہوا کہ زندگی اُسی خاصیت مادہ کا ظہور ہے جو بقا کے حصول کے لیئے مادہ کی شکلیں بدلتی — اور ترقی کی طرف لے چلتی ہے۔ پھر جس جس طرح مادہ ترقی کرتا ہے اور زندگی ترقی یافتہ شکلیں اختیار کرتی جاتی ہے اُس اسی طرح بقا کے حصول کی کوشش بڑھتی اور مقابلۃً کامیاب ہوتی نظر آتی ہے۔ نباتاتی زندگی ادنیٰ شکل زندگی کی تھی۔ اور اس میں ابھی اتنی طاقت بھی نہ تھی کہ مرکز خاکی کے ساتھ گہرا تعلق رکھنے کے بغیر زندہ بھی رہ سکے اسلیئے مادہ نے اس سے آگے ترقی کی اور حیوانات کی شکل اختیار کی پہلے ادنیٰ حیوانات کی جو پانی میں اور مٹی میں رہتے تھے وہ گو حرکت کرتے تھے مگر مرکز خاکی سے ابھی گہرا تعلق چلا جاتا تھا۔ اسکے بعد اعلیٰ حیوانات پیدا ہوئے جو زمین پر چلتے پھرتے اڑتے ہیں انکا تعلق گو مرکز خاکی سے رہا مگر نسبتاً کم ہو گیا۔ اور یہ زندگی پہلی زندگیوں سے اعلیٰ تھی مگر ابھی ناقص تھی کیونکہ اس میں خود شناسی اور خود اختیاری پیدا ہوئی تھی اور ابھی تک حیوانات کے افعال محض انسٹنکٹ (عقل حیوانی)

کے نیچے تھے۔ جب مادہ نے اس سے آگے ترقی کی تو انسان بنا یعنی زندگی نے یہاں تک ترقی کی کہ نہ صرف جسم کی حالت کو گرد و نواح کی حالت سے مطابق رکھ سکے اور اُس کے نقصانات کی تلافی کرتی ہے بلکہ اس میں خود شناسی اور خود اختیاری پیدا ہو کر اس قابل ہو گئی کہ وہ اپنی ہستی کو پہچانے اور علاوہ فطرتی افعال کے جو اسکے بقا کے لیئے دن رات لگے رہتے ہیں خود اپنے اختیار سے بھی اپنے بقا کے حصول کی کوشش کرے۔ طب۔ جراحی۔ حفظان صحت اور روحانیات کی تمام ترقیاں صرف حصول بقا کی کوشش کا کرشمہ ہیں۔ اس حالت زندگی کا نام نفس انسانی ہے۔ لیکن کیا یہاں آکر سلسلہ ترقیات کا بند ہو گیا۔ اگر ایسا ہے تو حصولِ بقا کے لیئے مادہ کی ترقی کی رفتار تمام اکارت گئی۔ اور مسئلہ ارتقا کا باطل ہو گیا۔ پس بات حقیقت میں یوں ہے۔ کہ مادہ کی ترقی کی لہر ایک لا محدود ترقی کی طرف ہے۔ اور حصولِ بقا کی یہی ایک راہ ہے۔ مگر مادہ کی جسمانی شکل چونکہ مکان اور زمان کی قید میں مقید ہے اسلیئے لامحدود ترقی کی طرف نہیں چل سکتی یہی وجہ ہے کہ مادہ اپنی ترقی کی رَو میں غیر مادی اطوار اختیار کرتا جاتا ہے۔ جسے زندگی یا جان کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ کیونکہ غیر مادی لطیف حالت میں مکان اور زمان کی قید باقی نہیں رہتی۔ اور ترقی لامحدود کا رستہ کھل جاتا ہے۔ جو بقا کے حصول کے لیئے ضروری ہے۔ پس زندگی کی حالت میں جہاں مادہ کے حصولِ بقا کی خاصیت کا ظہور ہوتا ہے اور جو اس بات کا ثبوت ہے کہ مادہ کی ترقی حصولِ بقا کے لیئے ہے۔ وہاں ساتھ ہی مادہ بھی وہ شکل اختیار کرتا چلا جاتا ہے جو لا محدود ترقی کے لیئے ضروری ہے۔ نباتاتی زندگی میں زندگی کا جزو بہت نمایاں نہیں ہوتا۔ حیوانوں میں البتہ زیادہ نمایاں ہوتا ہے۔ مگر صرف انسان میں آکر جو مادہ کی کثیف حالت کی ترقی کی انتہا ہے وہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ اپنی ہستی کو کثیف مادہ یعنی جسم سے علیحدہ پہچاننے لگتا اور اس سے جدا ہونیکے بعد بھی قائم رکھ سکتا ہے۔ پس مسئلہ ارتقا اس بات کا متقاضی ہے کہ وہ ہم سے منوائے کہ مادہ کی ترقی لامتناہی کی رفتار میں انسان ایک ایسا مقام ہے جہاں پر اگر ایک طرف مادہ کا کثیف حصہ بوجہ اپنی محدود حالت کے آگے ترقی نہیں کر سکتا تو دوسری طرف مادہ کا غیر مادی لطیف حصہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ جسمانی کثیف مادہ سے اپنی ہستی علیحدہ قائم کر سکے اور اپنے لیئے لامتناہی ترقی کے لیئے قید زمان و مکان سے آزاد ہو کر راہ نکال لے۔ چنانچہ موت جسے کہتے ہیں وہ کیا ہے؟ یہی کہ مادہ کا

لطیف غیر مادی حصہ جو اب ایک علیحدہ ہستی بن چکا ہے مادۂ کثیف جسم کی قید سے آزاد ہو کر لامتناہی ترقی کی رفتار میں آزادی سے چلتا ہے اور یہی مادہ کی ترقی کا منشا اور تقاضہ تھا گویا موت ایوولیوشن (ارتقاء) کی رفتار میں ترقی کا ایک زینہ ہے۔

اب قرآن کریم کی مختلف آیات کو یکجائی طور پر نظر کرتے ہیں :۔

لقد خلقنا الانسان من صلصالٍ من حماٍ مسنون ہ واللہ انبتکم من الارض نباتاہ الذی احسن کل شیئاً خلقہ و بدأ خلق الانسان من طین ثم جعل نسلہ من سلالۃٍ من ماءٍ مھین ہ ثم جعلنٰہ نطفۃً فی قرارٍ مکین ہ ثم خلقنا النطفۃ علقۃً فخلقنا العلقۃ مضغۃً فخلقنا المضغۃ عظاماً فکسونا العظام لحماً ثم انشانٰہ خلقاً اٰخر فتبارک اللہ احسن الخالقین ہ اللہ یتوفی الانفس حین موتھا الحمد للہ رب العٰلمین الرحمٰن الرحیم ہ تفسیری ترجمہ۔ بے شک ہم نے انسان کو سڑے ہوئے کیچڑ یعنی گیلی مٹی کے خلاصہ در خلاصہ سے پیدا کیا۔ ظاہر ہے کہ انسان خلاصہ در خلاصہ ہے نطفہ کا اور نطفہ خون کا اور خون غذا کا اور غذا خواہ حیوانی ہو یا نباتاتی ابتداءً نباتات سے ہی پیدا ہوتی ہے۔ اور نباتات جب تک زمین پر ہل جوت کر اس میں پانی اور کھاد ڈالکر اسے سڑا ہوا کیچڑ نہ بنائیں نہیں پیدا ہوتی چنانچہ آگے فرماتے ہیں اور اللہ نے اگایا تمہیں زمین میں اگانا یعنی زمین سے اور مٹی سے تمہیں نشو و نما اور بتدریج ترقی دیتے دیتے موجودہ حالت کو پہنچایا۔ پھر فرمایا۔ کہ خدا وہ ہے جس نے ہر چیز کو نہایت عمدہ خلقت عطا فرمائی ہے اور انسان کی پیدائش کو مٹی سے شروع کیا۔ پھر اسکی نسل کو حقیر رطوبت یعنی نطفے کے خلاصہ سے چلایا۔ پھر نطفہ کی حالت میں بناکر باوجود حقیر چیز ہونے کے جو کہ اسپرمیٹوزا اور اووم کے ملنے سے پیدا ہوا ہے۔ اسے حفاظت کی جگہ یعنی رحم میں رکھا۔ پھر ہم نے نطفہ کو رحم سے تعلق پکڑنے والا اور لٹکنے والا بنایا۔ پھر اسے گوشت کی ایک بوٹی بنایا۔ اور بوٹی سے ہڈیاں پیدا کیں اور ہڈیوں کو گوشت سے جو پہلے موجود ہے ڈھانپ دیا۔ علاوہ اسکے ہم نے انسان کو مذکورہ بالا پیدائش سوا ایک اور ہی قسم کی خلقت میں ترقی دینی شروع کی یعنی نفس انسانی کو پیدا کر کے پرورش کرنا اور ترقی

دینا شروع کیا۔ پس بہت برکت والا ہے اللہ جو نہایت ہی عمدہ پیدا کرنے والا ہے۔ اس لیئے جب وہ کسی کو پیدا کرکے پرورش کرے اور ترقی دے تو جیسی اُس کی برکتیں لا انتہا ہیں ویسے ہی ترقی کی بھی کوئی انتہا نہ ہوگی۔ اللہ ان نفسوں کو جو انسانی نفوس ہیں موت کے وقت قبض کر لیتا ہے یعنی موت دراصل نفس انسانی کا ملاء اعلیٰ کی طرف جانیکے لیئے ایک دروازہ ہے۔ تمام تعریفیں اللہ کے لیئے ہیں جو تمام عالموں کا رب ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ انسان کو نیست سے ہست کرکے جمادات و نباتات و حیوانات کے تمام عالموں سے بتدریج ترقی دیتا ہوا موجودہ حالت میں لایا ہے کیونکہ اُس کی ربوبیت کا یہ تقاضا ہے کہ وہ ادنیٰ سے اعلیٰ حالت کی طرف ترقی دے اور ہمیشہ کمال کی طرف لیجائے۔ اور جیسے خدا کی صفت ربوبیت کا کوئی انتہا نہیں اسی طرح ترقی اور تکمیل کی بھی کوئی انتہا نہیں پس ضرور ہے کہ انسان موجودہ حالت سے آگے ترقی کرے۔ اُسکے لیئے رحمٰن صفت نے انسان کی موجودہ حالت خود شناسی و خود اختیاری سے قبل ترقی کے تمام اسباب مہیا کیئے اور موجودہ حالت میں بھی محض اپنے فضل سے تمام سامان ظاہری اور باطنی ترقی کے مہیا کیئے اور جب اُس نے اُن سامانوں سے فائدہ اُٹھایا تو رحیم صفت نے اُس کی کوشش کو بار ور کیا اور نیز ترقی کے اور سامان عطا کیئے اور اسطرح اسکو ابدی ترقی کا موقع دیا۔

(۳) قدرت کے موجودہ قوانین کے ماتحت کسی چیز کا فنا ہونا اُسکی حالت موجودہ کا بدل جانا ہے۔ اور یہ سائنس کا مسئلہ ہے کسی کو اس سے انکار نہیں۔ مثلاً لکڑی کو جلایا جائے تو وہ فنا نہیں ہو گئی بلکہ شکل بدل گئی۔ کچھ راکھ بن گئی کچھ کاربن ڈائی آکسائیڈ گیس بنکر ہوا میں مل گئی۔ یہی قانون انسان کے بارے میں بھی لگنا چاہیئے کہ جسے موت کہتے ہیں وہ دراصل ایک حالت بدل جانے کا نام ہے۔ جہاں جسم کے ذرات اگرچہ خاک میں مل جاتے ہیں مگر اُنکی ہستی مٹ نہیں جاتی۔ اور عالم کثیف کے ساتھ مل جاتے اور موجود رہتے ہیں اسی طرح نفس انسانی جو ایک لطیف چیز ہے وہ بھی باقی رہتا ہے مٹ نہیں جاتا۔ اور عالم لطیف میں داخل ہو جاتا اور مسئلہ ارتقا یعنی ربوبیت الٰہی کے ماتحت ابدی ترقی کرتا ہے۔ کثیف چیزیں تو صاف نظر آتی

رہتی ہیں۔ مگر چونکہ لطیف چیزیں نظر نہیں آتی ہیں۔ اسلیئے مشاہدۂ قدرت میں سے مَیں ایک لطیف چیز کی مثال لیتا ہوں۔ مثلاً سورج کی روشنی۔ ایک لطیف چیز ہے۔ نفس انسانی کی طرح اس کا مبدأ بھی مادہ ہے۔ جب سبز درخت اسکو جذب کر لیتے ہیں تو بظاہر اس کا کہیں نام ونشان نہیں نظر آتا۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسکی ہستی مٹ گئی۔ مگر جب وہ لکڑی خشک ہو کر یا کوئلہ کی شکل میں آ کر جلائی جاتی ہے تو وہی روشنی جو جذب ہوئی تھی اب دوبارہ ظہور پکڑتی ہے۔ اور آگ کی روشنی نام رکھاتی ہے۔ اسی لیئے سائنس دان کوئلہ کو باٹلڈ سن شائین (بوتل میں بند کی ہوئی سورج کی روشنی) کہتے ہیں۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ لطیف چیزیں بھی ہرگز ہرگز نیست نہیں ہو جاتی ہیں۔ بلکہ کسی اور حالت میں موجود ہوتی ہیں گو ہمیں نظر نہ آئیں۔

قرآن کریم بھی فرماتا ہے۔ اولم یر الانسان انّا خلقنٰه من نطفة فاذا هو خصیم مبین ٥ وضرب لنا مثلاً ونسی خلقهؕ قال من یحی العظام وهی رمیم ٥ قل یحییها الذی انشاها اول مرةؕ وهو بكل خلقٍ علیمٌ ٥ الذی جعل لكم من الشجر الاخضر ناراً فاذا انتم منه توقدون ٥

تفسیری ترجمہ۔ کیا انسان نے نظر نہیں کی کہ ہم نے اُسکو ایک حقیر چیز سے پیدا کیا اور ترقی دیکر موجودہ کمال پر پہنچایا۔ بایں ہمہ وہ جھگڑتا اور ہم سے قطع تعلق کرتا ہے۔ اور ہماری نسبت باتیں بناتا ہے اور اپنی پیدائش کو بھول گیا۔ کہ خدا تو ادنیٰ سے اعلیٰ حالت کی طرف ترقی دیتا ہے۔ پس اس امر پر غور نہ کیا اور جسم کی ظاہری حالت پر نظر کر کے کہنے لگا کہ ان ہڈیوں کو جب یہ سڑ گل کر ریزہ ریزہ ہو گئیں کون زندہ کر سکتا ہے؟ کہدے وہی انہیں زندہ کر سکتا ہے جس نے پہلے پیدا کی تھیں اگر پہلے اسباب ایسے پیدا ہو گئے جن سے مٹی سے ترقی کر کے زندہ ہڈیاں پیدا ہو گئیں تو پھر وہی قدرت کیا دوبارہ نہیں زندہ کر سکتی اور وہ خدا تو ہر قسم کی پیدائش کا علم رکھتا ہے۔ اُسکے علم اور قدرت کی کوئی حد بستگی نہیں۔ مگر وہ خدا تمھاری جانوں اور نفوس کو کب فنا ہونے دیتا ہے جب کہ وہ سورج کی روشنی کو سبز درختوں میں محفوظ رکھتا اور پھر اُسے تمھارے فائدہ کے لیئے آگ کی شکل میں نکالتا ہے جس سے تم آگ روشن کرتے ہو۔ پس جب روشنی سبز درختوں میں محفوظ رہتی اور نیست

نہیں ہو جاتی ہے تو تمھارے نفوس کیوں نیست ہو جائیں۔ خدا کا قانون تو ایک ہی ہے۔

(۴) قلب یعنی نفس انسانی گواہی۔

نفس انسانی خود شناسی و خود اختیاری کی حالت پا لینے کے بعد اپنے قلب کے اندر یہ فطرتی آواز محسوس کرتا ہے۔ کہ وہ جسم سے ایک علیحدہ ہستی ہے۔ یہ کہ وہ فنا نہیں ہوگا اور یہ کہ اس نے اپنے اعمال کا نتیجہ بھگتنا ہے۔ یہ فطرت کی آواز اور قلب کی گواہی کیا ہے؟ وہی انسٹنکٹ (فہم حیوانی) ہے جو حیوانوں میں پایا جاتا ہے اور جس کے ماتحت وہ چلکر اپنے کُل کام اپنے طبائع کے مطابق کرتے اور کبھی غلطی نہیں کرتے ہیں۔ یعنی حیوانات اگرچہ خود شناسی اور خود اختیاری کامل طور پر نہیں رکھتے مگر فطرت کے ماتحت وہ اپنے تمام کام نہایت صحت کے ساتھ کرتے ہیں۔ مثلاً دیکھا گیا ہے کہ کتا بعض بیماریوں میں ایک خاص قسم کی گھاس کھا لیتا ہے جس سے اُسے قے ہو جاتی ہے۔ اس نے اس گھاس کے یہ خواص کسی مدرسہ میں نہیں پڑھے۔ یا بیا ایک گھونسلا بناتی ہے یا شہد کی مکھی شش پہلو خانے بناتی ہے جو اصول مساحت کے رُو سے اپنے اندر سب سے زیادہ چھوٹی جگہ میں سب سے زیادہ ذخیرہ جمع کر سکتے ہیں یہ اصول تعمیر کے ان جانوروں نے کسی انجنیرنگ کالج میں نہیں پڑھے صرف انسٹنکٹ یعنی فطرت ہے۔ کسی بکری نے اگر شیر تمام عمر بھی نہ دیکھا ہو اُسے اگر شیر کے سامنے لاؤ گے تو وہ بے اختیار فوراً اپنی جان بچانے کے لیئے بھاگنے کی کوشش کریگی یہ سب کچھ انسٹنکٹ کا کرشمہ ہے۔ بغیر غور و فکر مشاہدہ یا تجربہ کے محض فطرت کی رہبری کے ماتحت یہ افعال سرزد ہوتے ہیں۔ اور سب درست ہوتے ہیں۔ انسان تو چونکہ ترقی یافتہ ہے اور خود شناسی و خود اختیاری کا مادہ اپنے اندر رکھتا ہے اسلیئے اسکے اندر ایک اور قوت ہے جسے ریزن (عقل) کہتے ہیں اور یہ اسکے ماتحت چلتا اور غور و فکر کرتا اور اپنے افعال میں ذمہ وار ٹھہرتا ہے۔ مگر اسکے اندر وہ قوت بھی موجود ہے جو بحیثیت حیوان ہونے کے دوسرے حیوانوں کے ساتھ مشترک ہے۔ یعنی قلب اور فطرت کی آواز جسے انسٹنکٹ کی ایک ترقی یافتہ شکل کہیں گے۔ پس قلب کا ایک بات کو مسلّم طور پر بلا تامل صحیح جاننا اور ماننا یہ فطرت کی آواز اور ترقی یافتہ انسٹنکٹ ہے اور جو ہمیشہ بعد میں تجربہ سے صحیح ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ

تمام علوم کے اصول متعارفہ اسی بات پر مبنی ہیں۔ مثلاً فطرت پہلے سے مانتی ہے کہ ایک چیز ایک ہی وقت میں دو جگہ نہیں ہو سکتی۔ یا ایک چیز ایک جگہ سے دوسری جگہ نصف فاصلہ طے کرکے نہیں پہنچ سکتی۔ یا متوازی خطوط آپس میں نہیں مل سکتے۔ یا جو دو چیزیں الگ الگ ایک ہی چیز کے برابر ہوں تو آپس میں بھی برابر ہونگی وغیرہ وغیرہ۔ ان باتوں کو بعد میں تجربہ بھی صحیح ثابت کرتا ہے۔ اسی طرح قلب بلا اختیار ہمیشہ خوشی کو پسند کرتا اور غم کو ناپسند کرتا ہے۔ مگر یہ تو بعد میں تجربہ نے ثابت کیا کہ خوشی زندگی کو بڑھاتی ہے اور غم زندگی کو کم کرتا اور تباہ کرتا ہے پس اسی طرح قلب کے اندر یہ ایک فطرتی آواز ہے کہ وہ جسم سے ایک علیحدہ ہستی ہے اور یہ کہ وہ ہمیشہ رہے گا اور یہ کہ اُس نے اپنے اعمال کا نتیجہ بھگتنا ہے۔ جس کو بعد میں تجربہ لازماً صحیح ثابت کریگا۔ اور جوں جوں نفس انسانی ترقی کرتا ہے یہ آواز تیز اور صاف ہوتی چلی جاتی ہے۔ چنانچہ پروفیسر گیسٹ بھی اپنے مضمون **حیات بعد الموت** میں مندرجہ بالا بیان کی تصدیق فرماتے ہیں۔ [illegible] معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کا ارشاد کھول دو ہوتا۔ لا اقسم بیوم القیٰمۃ ○ ولا اقسم بالنفس اللوامۃ ○ .... بل الانسان علیٰ نفسہ بصیرۃ ○ ولو القیٰ معاذیرہ ○

تفسیری ترجمہ۔ مَیں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی جو جزا سزا کا دن ہے یعنی بطور گواہ کے جزا سزا کے دن کو پیش کرتا ہوں۔ کیونکہ بقائے روح کے لیئے گواہ جزا سزا ہے۔ کہ نیکی کا نیک اور بدی کا بد نتیجہ ملنے کے لیئے ضرور ہے کہ کوئی عالم اور وقت ہو۔ (جیسا کہ علّت و معلول کے مضمون میں تفصیل سے ذکر ہو چکا) اور مَیں قسم کھاتا ہوں ملامت کرنیوالے نفس کی یعنی بطور گواہ کے پیش کرتا ہوں اُس نفس کو جو انسان کو جب وہ کوئی بُرا کام کرتا ہے تو اندر ہی اندر ملامت کرتا ہے۔ اور جو شخص بُرا کام کرکے حقیقی خوشی اور سچی راحت کبھی محسوس نہیں کرتا۔ اگر بُرے کام کا بدلہ بُرا نہیں اور بدی کا نتیجہ خوفناک نہیں تو پھر نفس میں یہ ملامت کیوں موجود ہے۔ یہ ملامت ہی اس بات پر گواہ ہے کہ نفس اپنے اندر بصیرت رکھتا ہے (جسے انسٹنکٹ کہتے ہیں) اور جو بدی کے نتیجہ میں آنیوالے خطرہ کے مقام کو معلوم کرتا ہے اور ہم کو اُس سے روکنا چاہتا ہے تاکہ ہماری بقا کی راہ میں روک اور حرج نہ واقع ہو۔ (یہ روکنا ٹھیک ویسے ہی ہے جیسے ایک بکری جس نے عمر بھر بھیڑیا نہیں دیکھا اگر ایک بھیڑیئے کے سامنے کیجاوے تو وہ اُس سے ڈرے گی اور اُس سے بچنے کے لیئے

ہر طرح کی کوشش کو کام میں لاویگی اس کی وجہ وہی نفس کی بصیرت یعنی اِنسٹنکٹ ہے جو معلوم کر لیتی ہے کہ بھیڑیا مجھے ہلاک کر دیگا۔ چونکہ بھیڑیا اُس کا دشمن ہے اس لیئے اُسکی فطرت میں رکھا گیا ہے کہ وہ اس سے خائف رہے۔ اسی طرح چونکہ ایک دن بُرے کاموں کی سزا ملنی لابدی ہے اور بدی انسان کی دشمن ہے اسی لیئے انسان کا نفس اپنی بصیرت سے بطور تقاضائے فطرت کے اُس سے ڈرتا اور انسان کو ملامت کرتا ہے تاکہ انسان بُرے نتیجہ سے بچ جائے) پس قرآن فرماتا ہے کہ بات یونہی ہے کہ انسان اپنے نفس پر بصیرت رکھتا ہے خواہ وہ عذر اور بہانے پیش کرتا ہے۔ یعنی انسان اپنے نفس کو دیکھتا ہے۔ اور سمجھتا ہے اور اُسکی آواز کو محسوس کرتا ہے خواہ وہ بہانہ بازیوں سے ٹال مٹول کیوں نہ کرے۔ ڈاکوؤں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ دوسرے کا مال تو ناحق چھینتے ہیں مگر آپسمیں مال کی تقسیم کے وقت بڑی دیانتداری کو کام میں لاتے ہیں۔ کوئی ڈاکو اگر چوری کے مال میں خیانت کرے تو وہ نکالدیا جاتا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُنکا نفس مال کے ناحق کھانے کو بُرا سمجھتا ہے خواہ وہ اپنے ڈاکہ مارنے کے لیئے کچھ ہی بہانہ کیوں نہ پیش کریں۔

اسکے بعد میں نفس کی گواہی کو جو مختلف شکلوں میں ہمارے پیش نظر ہوتی ہے بیان کرتا ہوں:-

(۲) نفس انسانی اس بات کو بالکل فطرتی طور پر بلا تامل سمجھتا اور محسوس کرتا ہے کہ میں جسم سے ایک علیحدہ ہستی ہوں۔ خواہ کوئی کتنا ہی اس بات کا منکر ہو یہی کہتا ہے۔ اور فطرتی طور پر کہتا ہے۔ میرا ہاتھ۔ میرا پاؤں۔ میرا سر۔ میرا دماغ۔ میرا دل۔ میرا جسم۔ اگر ہاتھ کٹ جائیگا تو کہے گا میرا ہاتھ کٹ گیا۔ مگر اس کے ساتھ نفس میں یہ کبھی خیال نہیں پیدا ہوگا کہ میں کچھ کم ہوگیا۔ ہاتھ کے کٹنے سے پہلے نفس انسانی اپنی ہستی کو جیسی کامل سمجھتا تھا۔ ویسی ہی ہاتھ کے کٹ جانے کے بعد بھی سمجھتا ہے۔ ٹانگ کٹ جائے۔ تلی نکال دیجائے۔ بلکہ بعض دفعہ اعضائے رئیسہ میں سے بھی کچھ نکال دیا جاتا ہے مگر باوجود ان تمام کمی ہو جانے کے نفس انسانی اپنی ہستی میں کمی نہیں پاتا بلکہ ویسا ہی کامل سمجھتا ہے جیسا کہ اس سے پہلے تھا۔ اگر نفس انسانی علیحدہ ہستی نہیں تو پھر لازماً کسی عضو کے کم ہو جانے سے نفس اپنی ہستی میں کمی پاتا۔ مگر ایسا نہیں ہوتا۔ پس ان مذکورہ بالا باتوں سے جہاں یہ ثابت ہوتا ہے کہ نفس انسانی ایک علیحدہ

ہستی ہے وہاں یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جسم کے کٹ جانے اور اُسکی علیحدگی سے نفس انسانی
میں کمی یا خلل واقع نہیں ہوتا بلکہ وہ ویسے ہی کامل اور باقی رہتا ہے۔
(ب) قاعدہ ہے کہ کسی چیز کی ہستی اُسکی صفات سے پہچانی جاتی ہے۔ نیز یہ بھی مسلّم ہے
کہ انسان گو ایک ترقی یافتہ حیوان ہے۔ مگر اسکے حیوان ہونے میں کوئی شک نہیں۔ اب اگر انسان
کی ہستی پر غور کیا جائے تو اس میں دو زندگیوں کا پتہ چلتا ہے۔ ایک تو وہ جو تمام حیوانات کے
ساتھ مشترک ہے۔ اور جس میں طبائع کے ماتحت کام ہوتا ہے اس میں انسان کسی امر کا ذمہ دار
نہیں۔ مثلاً سانس لینا۔ بھوک کا لگنا۔ پیاس کا معلوم ہونا۔ غذا کا ہضم ہونا وغیرہ وغیرہ کوئی
انسان اس امر پر سزا نہیں دیا جاتا کہ وہ سانس کیوں لیتا ہے۔ اُسے بھوک اور پیاس کیوں
لگتی ہے۔ اُسکی غذا کیوں ہضم ہو جاتی ہے اس کا دل کیوں حرکت کرتا ہے آنکھوں سے
دیکھتا کیوں ہے۔ پیروں سے چلتا کیوں ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ کیونکہ یہ فطرتی تقاضے ہیں۔ ان
باتوں میں انسان تمام حیوانات سے اشتراک رکھتا ہے اگرچہ اسکی ہر چیز ترقی یافتہ ہے مگر
ہے مشترک۔ اسے حیوانی طبعی تقاضا کہا جائیگا۔ مگر انسان میں ایک دوسری ہستی کا بھی
پتہ چلتا ہے۔ جسکے ظہور کو ریزن (عقل) کہتے ہیں۔ یعنی انسان علاوہ فطرتی حیوانی طبعی تقاضاؤں
اور قوتوں کے دوسری خاص قسم کی قوتیں بھی رکھتا ہے جو ان سب سے مختلف ہیں۔ اور ان قوتوں کے
ماتحت وہ اپنے تئیں پہچانتا۔ سمجھتا۔ فہم و ادراک رکھتا۔ تمیز رکھتا۔ غور و فکر کرتا۔ اپنے ارادہ سے
سمجھ بوجھکر ایک کام کرتا اور اس کا بُرا بھلا نتیجہ سمجھتا اور جانتا اور اپنے کاموں کا ذمہ وار ٹھہرتا ہے
وغیرہ وغیرہ یہ وہ صفات ہیں جن سے وہ صحیح معنوں میں انسان کہلاتا ہے۔ اور انہی صفات
پر تمام قانونی ذمہ واریاں عائد ہوتی ہیں۔ خواہ وہ قوانین مذہبی ہوں یا سیاسی۔ تمدنی و معاشرتی
یا کسی سوسائٹی کے۔ مثلاً محض کھانے پر تو گرفت نہیں۔ مگر ناجائز چیزیں کھانے پر سزا دی جاتی
ہے۔ دیکھنا تو جرم نہیں۔ مگر ناجائز نگاہ گناہ ہے۔ غرضیکہ تمام دنیا میں انسان کی فطرتی حیوانی
ہستی اور ارادی انسانی ہستی میں فرق کیا جاتا ہے اور خود نفس انسانی بھی اپنی ارادی انسانی
ہستی کو اپنی فطرتی حیوانی ہستی سے الگ سمجھتا ہے اور دونوں بالکل علیحدہ علیحدہ صفات رکھتی
ہیں۔ اگر صفات سے ہی کسی ہستی کا وجود ثابت ہُوا کرتا ہے تو پھر انسان میں ایک اور علیحدہ ہستی کا

ثبوت ظاہر ہے جو اپنے قول و فعل کی ذمہ وار اور جزا سزا کی محل ہے۔
(ج) کسی بدی پر نفس کی ملامت۔ ثابت کرتی ہے کہ نفس اپنے اندر بصیرت رکھتا ہے کہ میں نے بدی کا بدلہ برا پانا ہے اگر ایسا نہیں تو نفس اُس کو برا کیوں سمجھتا اور اُس سے کیوں ڈرتا ہے اور نفس برا اُسی کو سمجھتا ہے جو اُسکی ترقی اور بقا میں حارج ہو۔ گویا نفس ٹھیک ویسے ہی بدی سے ڈرتا اور اُس سے بچنے کی کوشش کرتا ہے جیسے کہ ایک بکری جس نے تمام عمر بھیڑیا نہ دیکھا پھر بھی اُس کے سامنے لائے جانے پر اُس سے محض فطرتی طور پر ڈرے اور بچیگی۔ گویا اُسکی فطرت کی نگاہ دیکھ رہی ہے کہ بھیڑیا اُسے ہلاک کر دیگا اسی طرح نفس انسانی کی بصیرت محسوس کرتی ہے کہ بدی کا نتیجہ ہلاکت ہے۔ اسی لیئے وہ انسان کو بدی سے بچنے کے لیئے اندر ہی اندر ملامت کرتی ہے تاکہ اُسکی بقا کی راہ میں حرج نہ ہو۔ پس نفس کا بدی پر ملامت کرنا بقائے نفس پر دلیل ہے۔
(د) تخیل۔ لوگ تو کہدیتے ہیں کہ خواب خیال واہیات بات ہے مگر در اصل قوت متخیلہ ہی تمام علوم کی جڑھ ہے۔ خیال کی وسعت سے کسی کو انکار نہیں۔ اور وسعت کیوں ہے؟ اس لیئے کہ وہ جسم کا پابند نہیں۔ جسم سے علیحدہ ہو کر ہی وہ تمام آسمانوں ستاروں بادلوں کی سیر کرتا اور طبقات الارض کی خاک چھانتا۔ سمندر کی تہ میں غوطہ لگاتا اور ان باریک در باریک چیزوں کی تہ تک پہنچتا ہے جہانتک کہ تیز سے تیز دُوربین یا خوردبین بھی نہیں پہنچ سکتی۔ اور اسطرح طرح طرح کے گوہر مقصود ہاتھ میں لاتا اور علوم ظاہری و باطنی کو مالامال کر دیتا ہے۔ پس ظاہر ہے کہ خیال نیستی تو نہیں بلکہ ہستی ہے۔ کھٹی چیز کا خیال کرو تو منہ میں پانی بھر آتا ہے۔ پھر اسی قوت متخیلہ اور قوت ارادی کو ترقی دینے سے مسمریزم کا علم پیدا ہوتا ہے۔ ان باتوں سے صاف ثابت ہے کہ خیال ایک ہستی رکھتا ہے چونکہ اس کا مبدا بھی جسم اور نفس انسانی ہے۔ اسلیئے خیال کی ہستی نفس انسانی کا ہی ایک ظہور ہوا جو کہ جسم سے ایک خاص رنگ میں علیحدگی بھی پکڑ سکتا ہے۔ اگر نفس انسانی کی علیحدہ ہستی نہ ہوتی اور وہ جسم سے علیحدہ نہ رہ سکتا تو خیال کی یہ جولانیاں بھی نہ ہوتیں کہ جسم سے الگ وہ بطور خود دُور دراز ملکوں کی سیر میں کرتا۔ یہ خیال آسکتا ہی نہ تھا کہ اگرچہ جسم اِس جگہ ہی موجود ہے۔ مگر میں فلاں دُور دراز مقام میں ہوں۔ یہ بھی نفس کی ایک بین شہادت ہے کہ وہ خود اپنے تئیں جسم سے علیحدگی میں محسوس کرتا ہے۔

(۳) رؤیا۔ کشف ۔ رؤیا کا بھی ایک سلسلہ ہے جس میں یہ نظارہ ہر ایک نفس انسانی نہ صرف محسوس کرتا بلکہ کھلے طور پر دیکھتا ہے کہ اس ظاہری جسم سے علیحدہ صاف طور پر چلتا پھرتا۔ کھاتا پیتا۔ کام کرتا۔ خوشی وغم۔ لذت اور درد کو محسوس کرتا ہے۔ رؤیا کو خواہ قوت متخیلہ کا نتیجہ کہو خواہ الہام کا ایک شائبہ کہو۔ دونوں صورتوں میں نفس کی گواہی قائم رہتی ہے۔ یعنی نفس انسانی اس ظاہری جسم سے علیحدہ ایک اور ہی ہستی میں ہو کر خوشی وغم۔ لذت و درد کو محسوس کرتا۔ کھاتا پیتا اور کام کرتا ہے۔ گویا اپنی علیحدہ ہستی رکھتا ہے جو اس ظاہری جسم کو چھوڑ کر بھی قائم رہتی ہے۔ یہ مشاہدہ اور تجربہ ہے اور کشف تو عین بیداری کے وقت ہوتا ہے اور اس میں انسان صاف طور پر اپنے تئیں اس ظاہری جسم سے علیحدہ ایک اور ہی لطیف محض ہستی میں پاتا ہے۔ یہ ہزارہا راستبازوں کا تجربہ ہے کہ سلسلہ کشوف و رؤیا الہامی بھی ہوتا ہے۔ جو صدہا غیبی اور باطنی علوم کو کھولتا ہے۔ اور جس کے ذریعہ قبل از وقوع کسی امر کے پتہ لگ جاتا ہے۔ اگر کسی شخص نے خود تجربہ نہیں کیا تو اس سے واقعات کا انکار نہیں ہو سکتا۔ تجربوں کا انکار سائنس کا انکار ہے۔ کیونکہ سائنس کے تجربے بھی ہر ایک نہیں کیا کرتا۔ پھر ایسے راستباز لوگوں کے تجربوں کا انکار تو عقل کا انکار ہے جو کسی حالت میں بھی جھوٹ بولنا جائز نہیں سمجھتے خواہ اُنکی جان چلی جائے یا دنیا غرق ہو جائے۔ مگر میں اس شخص سے پوچھتا ہوں جو الہام کا منکر ہے اور جو رؤیا کو محض نفس کا نتیجہ مانتا ہے کہ وہ رؤیا جو صحیح نکلتی ہیں کیا اُن سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جو کچھ رؤیا میں دیکھا گیا وہ صحیح تھا۔ اگر رؤیا نے عالم ظاہر میں پورا ہو کر ثابت کر دیا کہ رؤیا میں جو کچھ دیکھا گیا صحیح تھا۔ چنانچہ جو کچھ دیکھا گیا وہ پورا ہو کر رہا۔ تو کیا یہ بھی رؤیا میں نہ دیکھا گیا تھا کہ نفس انسانی ایک علیحدہ ہستی جسم ظاہر سے رکھتا اور اُس سے علیحدہ اپنے وجود کو قائم رکھتا اور تمام لذات و درد و خوشی وغم کو محسوس کرتا ہے۔ اور جو کچھ دیکھا گیا ہے پورا ہو کر رہے گا یعنی نفس انسانی جسم ظاہر سے علیحدہ ہو کر اپنی ہستی کو قائم رکھے گا اور لذات و درد خوشی وغم سب کو محسوس کریگا۔

(۴) اسپرچولزم اور کشف قبور۔ زمانہ قدیم سے مشرق کے بعض صوفیوں سے یہ بات چلی آتی ہے کہ وہ لوگ مجاہدات سے نفس کیجالت کو اس قابل بنا لیتے تھے کہ دوسرے

نفوس یعنی ارواح سے جو جسم خاکی چھوڑ چکی ہیں ملاقات کر لیا کرتے تھے۔ اور اسکو کشفِ قبور کہا کرتے تھے اس زمانہ میں مغرب میں بھی یہ علم پھیل گیا ہے۔ چنانچہ اسپریچولسٹ لوگ امریکہ اور یورپ میں روحوں سے ملاقات کرتے اور اس کا نام اسپریچولزم رکھتے ہیں اور اس طرح پر بقائے نفس پر گواہی دیتے ہیں۔

(ص) وہ لوگ جو راستباز ہوتے ہیں اور خدا کے برگزیدہ ہوتے ہیں اور بوجہ کمال نیکی اور تقوٰی اور مجاہدات کے نفس کی حالت کو نہایت ترقی دیتے اور اُسے ہر قسم کی کثافت اور کدورت سے پاک رکھتے ہیں وہ سب کے سب خواہ کسی ملک اور زمانہ میں ہوں اس بات کے قائل پائے جاتے اور گواہی دیتے ہیں کہ نفس انسانی فنا نہیں ہوتا بلکہ موت نفس کی ترقی اور آزادی کے لیئے ایک دروازہ ہے۔ اُنکی گواہی دوسرے انسانوں سے بہت زیادہ قابل قدر ہے۔ کیونکہ انکا نفس بہت ترقی یافتہ اور اُنکے اندر نفس کی آواز نہایت صاف اور ہر قسم کی آمیزش سے پاک ہوتی ہے۔

(۵) خالقِ کائنات یعنی خدا کی گواہی

الہام کی ضرورت پر مَیں پہلے تفصیل سے لکھ چکا ہوں۔ اور یہ ثابت کر چکا ہوں کہ جن معاملات میں عقل کی رسائی پوری طرح سے مشکل ہوتی ہے اُنہیں یقین پر پہنچنے کیلیئے الہام کی رہبری کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ اسی لیئے الہام کی ضرورت ہے۔ ہاں کسی الہام کے منجانب اللہ ہونے کے ثبوت کے لیئے یہ ضروری ہے کہ مدعی الہام راستباز ہو۔ اور الہام سے الٰہی علم اور قدرت ظاہر ہوتی ہو۔ یعنی ایسے علوم صحیحہ پر مشتمل ہو کہ انسان اس کی مثال لانے سے عاجز ہو اور ایسے امور غیبیہ بطور پیشین گوئیوں کے اس میں مندرج ہوں کہ انسانی علم وہاں تک پہنچنے سے عاجز و قاصر ہو۔ اور اُن باتوں یا پیشین گوئیوں کے پورا کرنیکے لیئے باوجود بے سر و سامانی کے خدا کی طرف سے ایسے اسباب اور سامان ہو جائیں جو کہ انسان اپنی کوشش سے مہیا کرنے کے ناقابل ہو اور پھر کوئی انسانی کوشش انہیں نہ ٹال سکے تا ظاہر ہو کہ یہ کاروبار انسانی نہیں بلکہ خود خدا کی قدرت نمایاں ہیں۔ مَیں پہلے ثابت کر چکا ہوں کہ کوئی الہامی کتاب انسانی دستبرد سے محفوظ ہونے کا دعوٰی سوائے قرآن کریم کے نہیں کر سکتی۔

اور کوئی ملہم من اللہ دنیا میں سوائے محمد مصطفےٰ صلعم کے نہیں جس کی تاریخ زندگی اور سوانحعمری تمام وکمال محفوظ اور دنیا کے سامنے ہو تاکہ اُسپر غور کیا جا سکے۔ پس ایسی صورت میں ہم قرآن کریم کو ہی لیں گے اور اُسے مذکورہ بالا معیار سے پرکھیں گے۔

(ا) مدعی الہام کی راستبازی۔ یہ امر تاریخ سے ثابت ہے کہ حامل قرآن حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کی زندگی ایسی پاک اور بے لوث اور معصوم تھی اور آپ راستبازی کے ایسے اعلیٰ معراج پر تھے کہ قوم کی طرف سے دعوائے رسالت سے پہلے صادق اور امین کہلاتے تھے چنانچہ قرآن کریم بھی فرماتا ہے کہ فقد لبثت فیکم عمراً من قبلہ ط افلا تعقلون ہ یعنی اس سے پہلے ایک عمر یعنی چالیس سال تک تم میں زندگی بسر کی پھر کوئی تم نے میرا جھوٹ یا افترا آجتک دیکھا۔ پھر کیوں نہیں عقل سے کام لیتے؟ کیا اب میں خدا پر افترا باندھونگا جس سے بڑھکر کوئی ظلم نہیں۔ یاد رہے کہ چالیس سال تک جس چیز کا انسان پابند ہے وہ اُس انسان کی عادت کیا بلکہ فطرت ثانیہ ہوجاتی ہے۔ اُس کے برخلاف کرنا اُسکے لیئے محال ہوتا ہے۔ ایک قوم جس کے درمیان آپنے لڑکپن اور جوانی گذاری ہو۔ اور جو آپکے تمام حالات سے خوب واقف ہوں اُن کے سامنے بطور دلیل کے اپنی پاک اور معصوم زندگی کو پیش کرنا اور پھر تحدی کرنا کہ میرا کوئی گناہ یا جھوٹ یا افترا بھلا بتلاؤ تو بھی ایسا کام ہے کہ حیرت ہوجاتی ہے اور کسی انسان کا حوصلہ نہیں کہ ایسا کر سکے جب تک اُس کو پورا یقین اپنی عصمت پر نہ ہو۔ اور یہ ظاہر ہے کہ وہ مکہ کے منکرین اس دعوے کو نہ توڑ سکے پس ایک شق یعنی مدعی الہام کی راستبازی تو ثابت ہو چکی۔

(ب) علم اور قدرت۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ "وان کنتم فی ریب مما نزلنا علیٰ عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہ وادعوا شھداءکم من دون اللہ ان کنتم صادقین ہ فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار التی وقودھا الناس والحجارۃ ط۔ اور اگر تمہیں شک ہو اُس چیز سے جو ہم نے اپنے بندہ (محمد مصطفےٰ صلعم) پر نازل کی تو پس لے آؤ اس کی مانند ایک سورۃ۔ اور خدا کے سوا جتنے تمہارے مددگار ہوں سب کو بلا لو اگر تم سچے ہو۔ پس اگر تم ایک سورۃ بھی اسکی مثل نہ لا سکے اور تم ہرگز ہرگز نہیں لا سکو گے تو پھر اس آگ سے ڈرو جس کے ایندھن آدمی اور پتھر ہیں"۔ یہ تحدی اُسی وقت کیلیئے نہیں تھی

بلکہ تیرہ سو برس گذر گئے اور یہ ابھی تک اسی طرح موجود ہے۔ قرآن کے مخالفوں نے قرآن کی تکذیب اور تردید کے لیئے ناخنوں تک زور لگائے مگر اس تحدی کو نہ توڑ سکے جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ یہ دعویٰ اور تحدی جناب الٰہی کے علم اور قدرت سے تھا۔ ورنہ انسانی دعوے کو توڑ دینا کونسی بڑی مشکل بات ہوا کرتی ہے اور پھر جبکہ کثرت سے لوگ مخالفت کرتے رہتے ہوں اور ہر طرح کی زک دینے کی کوشش میں لگے رہتے ہوں۔

پھر جو پیشین گوئیاں قرآن کریم نے فرمائیں وہ ایسی تھیں جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ انسانی علم سے نہ تھیں کیونکہ وہ ایسے امور غیبیہ پر مشتمل تھیں جو بظاہر انسانی نگاہ اور عقل سے بالکل دور تھے بلکہ عقل تو اس کے برخلاف فتویٰ دیتی تھی۔ مثلاً جناب محمد مصطفیٰ صلعم جب مبعوث ہوئے تو آپ اس وقت بالکل بے کس و بے بس تھے نہ روپیہ نہ پیسہ۔ نہ دولت نہ خزانہ۔ نہ فوج نہ ہتھیار نہ جماعت نہ سلطنت۔ محض یکہ و تنہا مکہ کی گلیوں میں وعظ کرتے پھرتے تھے اور لوگ اس میں بھی حارج ہوتے تھے۔ آپکی مخالفت کرنیوالے جو لوگ تھے وہ روپیہ۔ حکومت۔ جتھا۔ سپاہ سب ہی کچھ رکھتے۔ اور سوا خدا کے تمام زمانہ آپکا دشمن تھا۔ کفار مکہ کے علاوہ یہود و نصاریٰ۔ خاص عرب سرداروں اور قبائل کے علاوہ اردگرد کی سلطنتیں ایران و روم و مصر کے بادشاہ سب ہی تو چاہتے تھے کہ آپکے دین کو ملیامیٹ کر دیں اور آپ کو نیست و نابود کر دیں۔ اس وقت آپنے پیشین گوئی کی میں بشیر و نذیر ہوں جو میری اتباع کریگا وہ کامیاب ہوگا اور جو میری مخالفت کرے گا وہ ذلیل و ہلاک ہوگا چنانچہ قرآن کریم فرماتا ہے قل للذین کفروا ستغلبون وتحشرون الےٰ جھنم وبئس المھاد ۝ انا لننصر رسلنا والذین اٰمنوا فی الحیٰوۃ الدنیا ویوم یقوم الاشھاد ۝ کہدے اُن لوگوں کو جو منکر ہیں اور تیری مخالفت کرتے ہیں کہ عنقریب تم مغلوب کیئے جاؤ گے اور ہلاک ہو کر جہنم کی طرف جمع کیئے جاؤ گے اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے۔ بے شک ہم اپنے مرسلوں اور کامل مومنوں کو جو ہمارے کہے پر چلتے اور ہمیں مانتے ہیں نصرت و امداد و تائید دیتے رہے اور دیتے رہیں گے اس دنیا میں بھی اور قیامت کے دن بھی اسی قسم کی اور بھی آیات ہیں جن میں صاف صاف فرما دیا ہے کہ تم ہلاک اور ذلیل و خوار ہوگے اور مَیں اور میرے متبعین کامیاب اور مظفر و منصور ہوں گے۔ ان پیشین گوئیوں سے مخالفین

بھڑک اٹھے اور انہوں نے نبی کریم صلعم کے مار ڈالنے کی کوشش میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا۔ اور آپ کے متبعین کو نہایت سخت دکھ دیکر مجبور کیا کہ وہ لوگ وطن چھوڑ کر غیر ممالک کو نکل جائیں۔ مگر وہ تو اس طرف اپنی کوششوں میں ناخنوں تک زور لگا رہے تھے اور ادھر پیشین گوئیوں میں تحدی کا رنگ اور بڑھ گیا۔ چنانچہ قرآن کریم فرماتا ہے۔ واللہ یعصمک من الناس۔ یعنی اللہ تجھے لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔ کوئی تجھے مار نہ سکیگا۔ پھر فرماتا ہے والذین ھاجروا من بعد ما ظلموا۔ لنبوئنھم فی الدنیا حسنۃ ولاجر الاخرۃ اکبر۔ اور جن لوگوں کو مخالفین کے ظلم کی وجہ سے گھر چھوڑ کر نکل جانا پڑا۔ ہم ضرور ضرور اسی دنیا میں انہیں اچھے ٹھکانے سے بٹھا دینگے اور دنیا میں وہ عمدہ اور اعلیٰ ہو کر رہیں گے اور ضرور آخرت کا اجر بہت بڑھ چڑھکر ہو گا۔ کیا یہ انسان کا کام ہو سکتا ہے کہ جس وقت چاروں طرف سے ماریں پڑ رہی ہوں اور سر چھپانے کو جگہ نہ ملتی ہو اسوقت اس قسم کی پیشین گوئی کرے اور پھر تحدی کرے اور بعد میں باوجود ہر قسم کی مخالف طاقتوں کی سر توڑ کوششوں کے وہ باتیں سچ ثابت ہوں اور وہ لوگ جن کو گھر چھوڑ کر بھاگنا پڑا جیسا کہ پہلے سے کہا گیا تھا مظفر و منصور ہوں۔ اور دنیا میں خدا انہیں ایسے عمدہ طریق پر متمکن کرے کہ قیصر و کسرےٰ کی سلطنتیں انکے قدموں پر آکر پڑیں اور وہ شہنشاہ بنجائیں اور ظاہر و باطن دونوں کے لیئے دنیا کے پیشوا ہوں۔ پس ظاہر ہے کہ یہ کلام جو ایسی عجیب و غریب پیشین گوئیاں اپنے اندر رکھتا ہو اور جن کے پورا کرنیکے لیئے ایسی عظیم الشان قدرتیں نمایاں ہوں وہ خدا کے سوا اور کسی کا کلام نہیں ہو سکتا جو علم تام اور قدرت کاملہ کا مالک ہے اور مسبب الاسباب اور علیٰ کل شیئ قدیر ہے۔

پس جب یہ ثابت ہو گیا کہ یہ خدا کا کلام ہے تو پھر اگر خدا کے کلام سے یہ ثابت ہو جائے کہ موت زندگی کا خاتمہ نہیں بلکہ موت کے بعد ایک اور عالم ہے جو دار الجزا ہے تو پھر انکار اور عذر کی کوئی گنجایش نہیں رہتی۔ مگر قرآن کریم ایک اور بھی التزام کرتا ہے کہ مابعد الموت زندگی کے لیئے ریاضی کے مسلمہ قاعدہ اربعہ متناسبہ کو کام فرماتا ہے۔ چنانچہ مذکورہ بالا آیات ہی پر غور کرو۔

(۱) قل للذین کفروا ستغلبون وتحشرون الی جھنم و بئس المھاد ٥

(۲) انا لننصر رسلنا والذین اٰمنوا فی الحیٰوۃ الدنیا ویوم یقوم الاشھاد ٥

(۳) والذین ھاجروا من بعد ما ظلموا لنبوئنھم فی الدنیا حسنۃ ولاجر الاخرۃ اکبر

(۱) کہدے کافروں کو عنقریب تم مغلوب ہوجاؤ گے اور ہلاک ہوکر جہنم کی طرف جمع ہوگے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔

اس میں دو خبریں دی ہیں ایک دنیا کے متعلق اور دوسری آخرت کے متعلق۔ دنیا میں مغلوب ہونا اور آخرت میں عذاب ہونا۔ تیسری بات یہ ہے کہ وہ قومیں سب کی سب بارعب صاحب جاہ وحشم مالک حکومت وسپاہ تھیں اور مخالفت میں سر توڑ کوششیں کررہی تھیں۔ مگر آخر وہ سب کی سب ناکام ونامراد خائب وخاسر اور مغلوب ہوگئیں۔ دیکھو دنیوی خبر اور اخروی خبر دو خبریں تھیں اور انکے مقابلے میں دو واقعات تھے جن کے متعلق وہ خبریں تھیں۔ ایک خبر نے اپنے واقعہ کے ساتھ صداقت کی مہر لگا دی ہے کہ دوسری خبر عذاب قیامت بھی اپنے واقعہ کو ضرور لائے گی۔

(۲) بے شک ہم اپنے رسولوں اور کامل مومنوں کی ضرور دنیا میں بھی مدد کرینگے اور قیامت میں بھی۔

(۳) اور جن لوگوں کو مخالفوں کے ظلم سے گھر بار خدا کے لئے چھوڑنا پڑا ہم دنیا میں انہیں نہایت عمدہ اور اعلیٰ ٹھکانے سے بٹھائیں گے اور آخرت کا بدلہ تو بہت بڑھ چڑھ کر ہوگا۔

اب دیکھو ان میں دو خبریں ہیں ایک یہ کہ دنیا میں خدا کی نصرت اور تائید رسول اور اسکے متبعین کے ساتھ اور مہاجرین کے لئے عمدہ شوکت وسلطنت کا۔ دوسرا عظیم الشان اجر قیامت کے دن کا۔ یہ خبر اسوقت دیگئی جبکہ رسول۔ اور انکے متبعین اور مہاجرین کی حالت نہایت بیکسی اور بے بسی کی تھی۔ اور وہ چاروں طرف سے دکھ دیئے اور پیسے جارہے تھے۔ اب دنیا کے متعلق جو خبر تھی وہ اسی طرح جسطرح پہلے سے بتلایا گیا تھا پوری ہوتی ہے جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ دوسری خبر بھی جو درا صل پہلی خبر کا ہی پچھلا نصف حصہ تھا۔ وہ بھی پورا ہوکر رہیگا۔

پس قرآن کریم نے باوجود اپنے الہامی ہونے پر بین نشان اور دلائل پیش کرنیکے اور اسطرح اسکے الہامی ہونے میں کسی قسم کا شک وشبہ نہ ہونیکے صرف یہی نہیں کیا کہ اس بات کو بڑے زور وشور اور تاکید سے پیش کیا کہ موت کے بعد زندگی ہر جواب دہی ہے بلکہ اسے ایسے متناسب رنگ میں ان پیشگوئیوں کے ساتھ بھی بیان کر دیا جو اسی دنیا کے متعلق تھیں اور جو من وعن پوری ہوئیں اسے اور زیادہ مدلل اور صاف کر دیا۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

راقم [illegible] عفی عنہ

انجیلی کفارہ

(نمبر ۲)

(۵) - باب ۵ - ورس ۲۷ تا ۳۲ - **مضمون** :- تم سن چکے ہو کہ اگلوں سے کہا گیا تو زنا نہ کر پر میں تمہیں کہتا ہوں کہ جو کوئی شہوت سے کسی عورت پر نگاہ کرے وہ اپنے دل میں اُس کے ساتھ زنا کر چکا سو اگر تیری داہنی آنکھ تیرے ٹھوکر کھانے کا باعث ہو اُسے نکال اور اپنے پاس سے پھینک دے کیونکہ تیرے انگوں میں سے ایک کا نہ رہنا تیرے لیئے اس سے بہتر ہے کہ تیرا سارا بدن جہنّم میں ڈالا جائے یا اگر تیرا دہنا ہاتھ تیرے لیئے ٹھوکر کھانے کا باعث ہو اُس کو کاٹ ڈال اور اپنے پاس سے پھینکدے کیونکہ تیرے انگوں میں سے ایک کا نہ رہنا تیرے لیئے اس سے بہتر ہے کہ تیرا سارا بدن جہنّم میں ڈالا جائے - یہ بھی لکھا گیا کہ جو کوئی اپنی جورو کو چھوڑ دے اُسے طلاق نامہ لکھدے پر میں تمہیں کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنی جورو کو زنا کے سوائے چھوڑ دیوے اُس سے زنا کرواتا ہے اور جو کوئی اُس چھوڑی ہوئی سے بیاہ کرے زنا کرتا ہے -

تنقید - اس تعلیم اور اس وعظ سے بھی بہت سی باتوں پر روشنی پڑتی ہے حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا ہے -

(الف) اگر تیری دہنی آنکھ -

(ب) تیرا دہنا ہاتھ -

تیری ٹھوکر کا باعث ہو تو اُسے نکال اور کاٹ ڈال اگر ہم یہ مان لیں کہ کفارہ ماننے والوں سے بلحاظ بشریت ایسی غلطیاں نہیں ہوتی ہیں تب تو کوئی مزید بحث ہو ہی نہیں سکتی لیکن اگر یہ نہ مانا جائے تو یہ کہا جائیگا کہ کفارہ پرست کی اگر آنکھ یا ہاتھ کوئی لغزش کھائے تو اُس کے واسطے سب سے پہلی صورت تو یہ ہے کہ آنکھ نکال دے اور ہاتھ کاٹ ڈالے کیونکہ حضرت مسیح علیہ السلام کا یہی حکم ہے اور اگر کفارہ پر عقیدہ ہونے کی وجہ سے ایسا نہ کیا جائے تو پھر اس حکم کی تعمیل کیسے ہو لازمی ہے کہ آنکھ نکال دی جائے اور ہاتھ کاٹ ڈالیں اگر ایسا ہو تو کفارہ باطل ہے کیونکہ وہ کفیل

ہو چکا ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ آنکھ نکالنے اور ہاتھ کاٹنے سے ملزم اُس سزا سے بچ جائینگے
جو قدرتی سزا ہے جو کفارہ کا اثر ہے تو کہا جائے گا کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے جو یہ سزائیں مقرر
کی ہیں وہ قطعی نہیں کیونکہ جس آنکھ اور جس ہاتھ نے قصور کیا تھا وہ سزا پا چکے ہیں اور اسی لیئے
فرمایا گیا ہے کہ ایسا کرنے سے سارا جسم جہنم میں نہیں جائے گا ہاں اگر آنکھ اور ہاتھ نکالی اور
کاٹا نہ گیا تو اُس صورت میں سارا جسم جہنم میں جائے گا اس فقرہ نے فیصلہ ہی کر دیا ہے جس کا قصور
تھا اُس نے سزا پالی اگر کہا جائے کہ روح کو سزا ملے گی تو کہا جائے گا کہ جب باقی کا جسم
محفوظ رہا تو روح کیوں نہ محفوظ رہے پس دو کی تمثیل سے بھی کفارہ باقی نہیں رہتا فرض کر
(لئے) کفارہ پرست ہے وہ ایک ایسی عورت سے شادی کرتا ہے جسکو محض زنا کی وجہ
سے طلاق نہیں دی گئی اُس صورت میں اُس کا کیا حشر ہوگا کفارہ اسکو بچا نہیں سکتا کیونکہ وہ
خلاف تعلیم حضرت مسیح علیہ السلام کے شادی کر چکا ہے اگر کہا جائے کہ عیسائیوں میں زنا کے
سوائے طلاق نہیں تو یہ صحیح اور راست نہیں کیونکہ اس وقت امریکہ اور دیگر حصص یورپ
میں اور وجوہ سے بھی طلاق ہو سکتی ہے۔

(۶) باب ۶۔ درس ۲ و ۳۔ مضمون۔ خبردار ہو کہ تم اپنے نیک کاموں کو لوگوں کے سامنے
دکھلانے کے لیئے نہ کرو نہیں تو تمہارے باپ سے جو آسمان پر ہے اجر نہ ملے گا۔
تنقید۔ حضرت مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں اگر تم ریا سے عبادت کرو گے تو خداوند کریم کی درگاہ
سے تمہیں اجر نہیں ملے گا اس حکم کو اس وعظ میں یہ مان لیا گیا ہے کہ جو عبادت خالصاً للہ
کی جائے گی اُس کا بارگاہ صمدی سے اجر ملے گا اس میں کفارہ کی شرط نہیں ہے اگر یہ کہا جائے

؎ سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک موقعہ پر حضرت مسیح علیہ السلام نے یہ فرمایا ہے کہ وقت مقررہ تک توریت شریف کا ایک شوشہ اور
ایک نقطہ بھی نہیں ٹل سکتا اور اس وعظ میں شوشہ اور نقطہ تو درکنار طلاق کے متعلق حکموں کو ہی تبدیل کیا جاتا ہے توریت
میں یہ حکم ہے کہ طلاق دی جائے اور حضرت ممدوح فرماتے ہیں کہ سوائے زنا کے طلاق ہو ہی نہیں سکتی اگر
یہ تبدیلی نہیں ہے تو اور کیا ہے کیونکہ طلاق کے بارہ میں توریت شریف کی تعلیم اور احکام نہایت صحیح
واضح تر اور روشن ہیں اُن میں ترمیم کرنا اُن کو بدلنا اور ٹلانا ہے جو پہلے حکم مسیحی کے متضاد ہے
فافہم۔

کہ ضمناً کفارہ ہی سے مراد ہے تو کہا جائے گا کہ اوّل تو کوئی ایسا قرینہ نہیں ہے جو کفارہ پر دال ہو اور اگر یہ کھینچا تانی سے بن بھی سکتا ہے تو پھر یہ کہا جائیگا کہ جو لوگ قبل از مصلوبیت حضرت مسیح علیہ السلام کے جہان سے گذر گئے اور ریا سے عبادت نہیں کرتے تھے انکو اس حکم کے مطابق اجر ملے گا یا نہیں اگر ملے گا تو کفارہ باطل ہوتا ہے اور اگر نہیں ملے گا تو حضرت مسیحؑ کا ارشاد نعوذ باللہ کوئی معنے نہیں رکھتا۔

(۷)۔ باب ۶۔ ورس ۱۴۔ **مضمون**۔ اس لیئے کہ اگر تم آدمیوں کے گناہ بخشوگے تو تمھارا باپ بھی جو آسمان پر ہے تمھیں بخشے گا پر اگر تم آدمیوں کو اُن کے گناہ نہ بخشوگے تو تمھارا باپ بھی تمھارے گناہ نہ بخشے گا۔

تنقید۔ یہ ہدایات بہت واضح اور صاف ہیں ٹھنڈے دل سے ہر سوچنے والا سوچ سکتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کا ان ہدایات سے کیا مدعا اور کیا مطلب تھا دور از قیاس تاویلات نے معاملہ ایک اُلجھن میں جا پڑتا ہے ان آیات میں صاف طور پر یہ کہا گیا ہے کہ اگر تم اس دنیا میں اپنے ابنائے جنس گنہگاروں کے گناہ بخشوگے تو تمھارا باپ (خدا) بھی آسمان پر تمھارے گناہ بخشے گا اور اگر تم ایسا نہیں کروگے تو تمھارے گناہ بھی تمھارا باپ آسمان پر نہیں بخشے گا کفارہ کی صورت میں بصورت بحث عدل۔ رحم اور قدوسیت کے بڑا اہم سوال یہی ہے کہ بغیر کفارہ یا مصلوبیت حضرت مسیح علیہ السلام کے قادر مطلق اور غفور الرحیم گنہگاروں کے گناہ بخش ہی نہیں سکتا اور ان آیات میں حضرت مسیح علیہ السلام خداوند کریم کے یا اختیارات باقی اور برقرار رکھتے ہیں شرط یہ ہے کہ اگر اس دنیا میں لوگ ایک دوسرے کے گناہ بخشیں تو خدا بھی انکو بخش دے گا ایک شخص جو کفارہ پر اقرار اور ایمان نہیں رکھتا اگر اپنے بھائیوں اور ابنائے جنس کے گناہ بخشتا ہے تو ضرور ہے کہ آسمان پر بھی خدا اُس کے گناہ بخشے کیونکہ خداوند کریم کے ان اختیارات کے نفاذ کے واسطے کفارہ کی شرط نہیں لگائی گئی ہے اور اگر خداوند کریم قادر مطلق نہیں بخش سکتا تو جو وعدہ حضرت مسیح علیہ السلام نے ان آیات میں کہا ہے وہ کالعدم ٹھہرتا ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ خداوند کریم کے ایسے اختیارات صرف اسی دنیا میں نفاذ پذیر ہو سکتے ہیں قیامت یا حشر اور زندگی ثانی سے انکا کوئی تعلق

نہیں ہے تو پھر یہ کہا جائے گا کہ خداوند کریم اس دنیا میں جب گنہگاروں کے گناہ بخش سکتا ہے تو کیوں زندگی ثانی میں بخش نہیں سکتا اور ان حالات میں کفارہ کی عظمت بھی وہ نہیں رہتی جو رہنی چاہیئے کیونکہ خداوند کریم کے اختیارات بخشش کسی نہ کسی صورت میں باقی رہ رہے تھے ان سب آیات میں شرطیہ بیان کیا گیا ہے جس سے ظاہر اور ثابت ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام خدائی اختیارات کے نفاذ میں اسقدر تنگدل نہ تھے جسقدر کفارہ کا مسئلہ یقین دلاتا ہے۔

(۸) باب ۷ ورس ۲۱ تا ۲۳ - **مضمون** - نہ ہر ایک جو مجھے خداوند خداوند کہتا ہے آسمان کی بادشاہت میں شامل ہوگا مگر وہی جو میرے باپ کی جو آسمان پر ہے مرضی پر چلتا ہے اُس دن بہتیرے مجھے کہیں گے اے خداوند اے خداوند کیا ہم نے تیرے نام سے نبوت نہیں کی اور تیرے نام سے دیوؤں کو نہیں نکالا اور تیرے نام سے بہت سی کرامات ظاہر نہیں کیں اور اس وقت میں ان سے صاف کہوں گا کہ میں کبھی تم سے واقف نہ تھا اے بدکارو میرے پاس سے دور ہو۔

تنقید - ان آیات میں حضرت مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں صرف مجھے خداوند خداوند کہنے سے ہر کوئی آسمان کی بادشاہت میں داخل نہیں ہو سکتا مگر وہی جو خدا کی مرضی پر چلتا ہے مرضی سے مراد عمل اور نیکی ہے جیسے کہ دوسری آیات ۲۴ لغایت ۲۹ اسی باب میں کہا گیا ہے کہ "پر جو کوئی میری باتیں سنتا اور اُنپر عمل نہیں کرتا وہ بے وقوف آدمی کی مانند ٹھہرے گا" دیکھو کس صفائی سے اعمال پر نجات اور خوشنودی کا مدار بتایا گیا ہے جو لوگ اسکے خلاف خیال رکھتے تھے اُنہیں ایک سخت لفظ بدکاروں سے مخاطب کیا گیا ہے خداوند خداوند کہنے سے مطلب یہی تھا کہ بعض لوگ محض انہی الفاظ کے رٹنے سے خود کو نیکوں میں شمار ہونے کی خواہش کرتے تھے حضرت ممدوح نے اُن کا خیال توڑنے کے واسطے اس علم پر سے پردہ اُٹھا دیا اور یہ سمجھا دیا کہ نرے خداوند خداوند کہنے سے آسمانی بادشاہت نہیں مل سکتی عمل کی بھی ضرورت ہے اگر یہ کہا جائے کہ عمل سے مراد اعتراف کفارہ ہی ہے تو یہ درست نہیں کیونکہ کفارہ عمل نہیں ہے بلکہ ایک عقیدہ اور اگر یہ کہا جائے کہ اعتراف کفارہ کی صورت میں بھی نیک اعمال کی ضرورت باقی رہتی ہے تو پھر سوال ہوگا کہ پھر کفارہ کی قیمت باقی نہیں رہتی کفارہ پر جو انحصار تھا وہ اٹھ جاتا ہے جب انحصار نہ رہا تو کفارہ نہ رہا۔

(۹) باب ۸ - درس ۱۶ و ۱۷ - **مضمون** - جب شام ہوئی اُسکے پاس بہتوں کو جن پر دیو چڑھے تھے لائے اور اُس نے اُن روحوں کو کلام ہی سے دُور کیا اور سب کو جو بیمار تھے چنگا کیا تاکہ جو یسعیاہ نبی نے کہا تھا پورا ہوئے کہ اُس نے آپ ہماری ماندگیاں لے لیں اور ہماری بیماریاں اُٹھالیں۔

تنقید - اس آیت سے کفارہ کا استدلال کیا جاتا ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت یسعیاہ علیہ السلام نے جو پیشین گوئی کی تھی وہ پوری ہوئی بجائے اسکے کہ اس درس سے کفارہ کا ثبوت ملے اُلٹا اُسکی تردید ہوتی ہے اوّل تو اس میں یہ ذکر ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے بزور کلام بہتوں کو جن پر دیو چڑھے تھے چنگا کیا بیماری اور گناہ میں فرق ہے دیو اور بھوت کے سایہ کو دُور کرنا گناہ کا لینا یا اٹھانا نہیں ہے بلکہ ایک علاج اگر ایسا ہی تھا تو ضرور تھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام خود بھی اُسی بیماری میں مبتلا ہو جاتے اور اگر مان بھی لیا جائے کہ گناہوں ہی کو حضرت مسیح علیہ السلام نے اُٹھا لیا تھا تو وہی خدشہ پیش ہوگا کہ مسیح علیہ السلام خود بھی گناہ معاف کر سکتے تھے اور قبل از تکمیل کفارہ کے ایسا ہوتا تھا جس سے ضرورت کفارہ کی باقی نہیں رہتی کیونکہ جب بلا وجود پذیر ہونے کفارہ کے بھی گناہ معاف ہو سکتے ہیں تو پھر کفارہ کی کیا ضرورت ہے اور جب حضرت مسیح علیہ السلام اپنے اختیارات سے لوگوں کی ماندگیاں اور بیماریاں بہ معنے گناہ لے اور اُٹھا سکتے ہیں یعنی اُن کو معاف کر سکتے ہیں تو خدائے کریم ایسا کیوں نہیں کر سکتا اگر معاف کرنیکے معنوں پر یہ آیتیں محمول ہوں تو کفارہ باقی نہیں رہتا اور اگر دوسرا پہلو لیا جائے تو یہ کہا جائے گا کہ جو شخص دوسرے کا گناہ اُٹھاتا اور اپنے سر پہ بار لیتا ہے وہ خود گنہگار ہو جائیگا دیکھو ضامن بھی ملزم کی غیر حاضری پر زیر مواخذہ آجاتا ہے - اس صورت میں نعوذ باللہ خود حضرت مسیح علیہ السلام بھی ناکردہ گنہگار رہے اور گنہگار ہونے یا گناہ اُٹھانے کی صورت میں کفارہ کس طرح صحیح رہ سکتا ہے اور یہ بھی کہ ان آیتوں میں صرف ماندگیاں اور بیماریاں مراد ہیں نہ کہ گناہ۔

(۱۰) باب ۹ - درس ۲ تا ۶ - **مضمون** - اور دیکھو ایک جھولے کے مارے کو جو چارپائی پر پڑا تھا اس پاس لائے یسوع نے اُن کا ایمان دیکھ کے اُس جھولے کے مارے سے

کہا اے بیٹے خاطر جمع رکھ تیرے گناہ معاف ہوئے اور دیکھو بعضے فقیہوں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ کفر بکتا ہے یسوع نے اُن کے خیال دریافت کرکے کہا تم کیوں اپنے دلوں میں بدگمانی کرتے ہو کیا کہنا آسان ہے یہ کہ تیرے گناہ معاف ہوئے یا یہ کہ اٹھ اور چل سکیں تاکہ تم جانو کہ ابن آدم کو زمین پر گناہ معاف کرنے کا اختیار ہے۔

تنقید۔ کفارہ کی بحث میں انجیل متی کی یہ آیات ایک بڑی حد تک قابل بحث ہیں ان آیات سے یہ باتیں نکلتی ہیں۔

(الف) حضرت مسیح علیہ السلام نے لوگوں کے گناہ بخشے۔

(ب) ابن آدم یعنی حضرت مسیح علیہ السلام کو زمین پر گناہ بخشنے کا اختیار دیا گیا تھا۔

(ج) یہ اختیار خدا کی جانب سے دیا گیا تھا۔

(د) بعض لوگوں نے شک کیا اور حضرت مسیح علیہ السلام نے با اختیار ہونے کی وجہ سے اُنکا شک دُور کرنے کی کوشش کی۔

اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے زمین پر قبل از مصلوب ہونیکے لوگوں کے گناہ بخشے پہلا سوال یہ ہے کہ جب ابن آدم کو زمین پر گناہ بخشنے کا اختیار حاصل رہا ہے تو خدائے کریم کو آسمان پر کیوں نہیں ہے کیونکہ جب خدا نے ابن آدم کو ایسے اختیارات دیئے تھے تو خود اُسکو ایسے اختیارات کے عمل میں لانے سے کونسی طاقت مانع ہوتی ہے اور اگر اُسکے اپنے اختیارات ایسے ہی محدود ہیں تو پھر وہ زمین پر ابن آدم کو ایسے اختیارات کے دینے کا کیا اختیار رکھتا ہے۔

حضرت مسیح علیہ السلام نے انہی آیات میں شبہ بھی صاف کر دیا ہے فرماتے ہیں گناہ معاف کرنے بہ نسبت اس کہنے کے کہ اُٹھ اور چل بہت آسان ہے اس سے ظاہر اور ثابت ہے کہ اُنہیں زمین پر گناہوں کے بخشنے کا اختیار حاصل تھا اور یہ اختیار قبل از مصلوب ہونیکے حاصل تھا جب اُنہیں یہ اختیار حاصل تھا تو یہ کہنا کہ سوائے اقرار کفارہ کے بخشش ہو ہی نہیں سکتی درست نہیں ہے جس طرح مسیح گناہ معاف کر سکتے تھے اُسی طرح خدا بھی کر سکیگا اُنہوں نے زمین پر یہ اختیارات برتے اور خدائے لایزال آسمان پر برتے گا۔

(۱۱) باب ۔ ورس ۱۰ تا ۱۳۔ **مضمون** ۔ اور یوں ہُوا کہ جب یسوع گھر میں کھانے بیٹھا دیکھو بہت سے محصول لینے والے اور گنہگار آکے اُسکے اور اُسکے شاگردوں کے ساتھ کھانے بیٹھے جب فریسیوں نے یہ دیکھا اُسکے شاگردوں سے کہا تمھارا اُستاد محصول لینے والوں اور گنہگاروں کے ساتھ کیوں کھاتا ہے یسوع نے یہ سُنکر اُنہیں کہا بھلے چنگوں کو حکیم درکار نہیں بلکہ بیماروں کو پر تم جاکے اس کے معنے دریافت کرو میں قربانی کو نہیں بلکہ رحم کو چاہتا ہوں کیونکہ میں راستبازوں کو نہیں بلکہ گنہگاروں کو توبہ کے لیئے بلانے کو آیا ہوں۔

تنقید ۔ ان آیتوں پر اگر سرسری نظر بھی ڈالی جائے تو ثابت ہے کہ کفارہ کی نہ تو کوئی ضرورت ہے اور نہ حضرت مسیح علیہ السلام کفارہ کی غرض سے مصلوب ہوئے تھے جب حضرت مسیح گنہگاروں سے مل کر کھانے لگے تو فریسیوں نے اعتراض کیا کہ کیوں گنہگاروں کے ساتھ کھاتا پیتا ہے حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا کہ جو لوگ بھلے چنگے یعنی نیک ہیں اُنکو حکیم کی ضرورت نہیں یعنی کسی قربانی کی ضرورت نہیں بلکہ اُنہیں جو بیمار ہیں۔ اس سے ثابت ہے کہ جو لوگ نیک ہیں اُنہیں کفارہ کی ضرورت نہیں۔ انہی آیات میں آگے چلکر فرماتے ہیں میں قربانی کے لیئے نہیں آیا ہوں بلکہ رحم چاہتا ہوں کفارہ بھی ایک قربانی ہی ہے دیکھو حضرت مسیح علیہ السلام خود ارشاد فرماتے ہیں کہ میں قربانی کے واسطے نہیں آیا ہوں بلکہ رحم کے واسطے اب یہ تاویل کیجاتی ہے کہ خدائے رحیم رحم کس طرح کرسکتا ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام رحم ہی کے واسطے آئے تھے اگر رحم ثابت ہے تو کفارہ باطل ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ کفارہ ہی رحم ہے تو یہ درست نہیں کیونکہ کفارہ میں قربانی ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام یہ فرماتے ہیں کہ میں قربانی کے واسطے نہیں آیا ہوں اور دوسرے یہ کہ رحم نہ صرف اور لوگوں کے واسطے ہی مخصوص ہے بلکہ خود حضرت مسیح علیہ السلام کی ذات اقدس بھی اس میں شامل ہے حضرت مسیح معصوم تھے باوجود اس معصومیت کے اُنہیں صلیب دیا جانا رحم یا شان رحم کے خلاف ہے عدالت اور انصاف تو یہ صورت اور ہی نہیں رکھتا خود رحم بھی اسکے منافی ہے اسی کلام میں یہ طے کردیا گیا ہے کہ راستبازوں کے واسطے تو اور کسی قربانی یا کفارہ کی ضرورت نہیں ہے حضرت ممدوح فرماتے ہیں میں راستبازوں کو نہیں بلکہ گنہگاروں کو توبہ کے لیئے

بلانے کو آیا ہوں اس سے دو باتیں ثابت ہیں اوّل یہ کہ بلا اعتراف کفارہ کے بھی راستباز ہو سکتے ہیں جنہیں توبہ کی ضرورت نہیں اور یہ کہ اُس وقت بقول حضرت ممدوح راستباز بھی تھے حالانکہ بقول عیسائیوں کے آدم کا گناہ مسلسل چلا آتا تھا جب راستباز موجود تھے تو پھر گناہ نسلی نہیں ہو سکتا ان فقرات میں راستبازی سے مراد نیکی ہے اور دوسرے یہ کہ حضرت مسیح علیہ السلام گنہگاروں کے واسطے بھی صرف ایک ہی طریقہ توبہ کا بتاتے ہیں نہ کہ کوئی دوسرا طریقہ یا کفارہ۔ توبہ میں کفارہ نہیں آتا ہے کفارہ صرف یہ اعتراف ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام لوگوں کے گناہوں کے بدلے صلیب دیئے گئے توبہ میں اپنے گناہوں کا اعتراف کرنے کی ضرورت ہے اور ساتھ ہی عمل کی بھی۔ اگر یہ کہا جائے کہ نتیجہ پانے کے وقت گناہوں کا اعتراف کیا جاتا ہے جو ایک قسم کی توبہ ہی ہے تو کہا جائے گا کہ خود اناجیل سے توبہ کا اس شرط سے مشروط ہونا ثابت نہیں ہے اور نہ حضرت مسیح علیہ السلام نے ان آیات میں توبہ کی یہ تعریف کی ہے راستبازوں کو بقول حضرت ممدوح نہ تو توبہ کی ضرورت ہے اور نہ کسی کفارہ کی۔ اگر کہا جائے کہ تمام انسان گنہگار ہیں تو یہ باطل ہے کیونکہ خود حضرت موصوف علیہ السلام یہ فرما چکے ہیں کہ اس دنیا میں گنہگار اور راستباز دونوں پائے جاتے ہیں اور میں راستبازوں کے واسطے نہیں آیا ہوں فتدبر۔

(۱۲) باب ۱۱۔ ورس ۲۶۔ **مضمون**۔ میرے باپ سے سب کچھ مجھے سونپا گیا۔

تنقید۔ اگر اس آیت سے کفارہ کا استدلال کیا جائے تو درست نہیں اس میں حضور علیہ السلام صرف اُن عنایات کا ذکر فرماتے ہیں جو خداوند کریم کی طرف سے اُن پر بسلسلہ نبوت نازل ہوئی تھیں جیسے کہ اس آیت کے شروع ہی میں یہ کہا گیا ہے "وہ چیزیں جو داناؤں اور عقلمندوں پر چھپائی گئیں وہ بچوں پر کھول دی گئیں" بطریق شکریہ کے یہ کلمات حضرت ممدوح علیہ السلام کے مُنہ سے نکلے ہیں نہ کہ کفارہ کے رنگ یا تبلیغ میں۔

(۱۳) باب ۱۲۔ ورس ۷، ۸۔ **مضمون**۔ پر اگر تم اسکے معنے جانتے کہ میں قربانی کو نہیں بلکہ رحم کو چاہتا ہوں تو تم بے گناہوں کو گنہگار نہ ٹھہراتے۔

تنقید۔ اس آیت میں بھی اس عقیدہ کو توڑ دیا گیا ہے کہ شروع ہی سے حضرت آدم علیہ السلام

کے گناہ کی وجہ سے گناہ چلا آیا ہے کیونکہ اس میں اعتراف کیا گیا ہے کہ انسانوں میں سے بے گناہ بھی ہوتے ہیں اور تاکید سے کہا گیا ہے کہ بے گناہوں کو گنہگار قرار دینا درست نہیں اور یہ کہ میں قربانی کے لیئے نہیں آیا ہوں بلکہ رحم کے واسطے۔ ہم باادب دریافت کرینگے کہ فقرہ بے گناہوں سے حضور علیہ السلام کا مطلب کیا تھا کیا معصوم اور بے گناہ یا کچھ اور۔ اور اگر بے گناہ ہی مراد تھے تو پھر کفارہ باقی نہیں رہتا۔ اور اگر یہ مراد نہ تھی تو ایسے استدلال پر دلیل کیا ہے کیونکہ آیت کے الفاظ سے تو یہ نکلتا نہیں تاویل کا دائرہ الفاظ سے بالکل ہی نکل جانا صحیح نہیں۔

(۱۴) باب ۱۲۔ ورس ۳۱ و ۳۲۔ **مضمون**۔ اسلیئے میں تمہیں کہتا ہوں کہ لوگوں کو ہر طرح کا گناہ و کفر معاف کیا جائے گا مگر وہ کفر جو روح کے حق میں ہو لوگوں کو معاف نہ ہوگا جو کوئی ابن آدم کے حق میں برا کہے اُسے معاف ہوسکے گا پر جو روح قدس کے حق میں برا کہے اُسے ہرگز معاف نہ ہوگا۔

تنقید۔ سب سے پہلے یہ بحث طلب ہے کہ روح یا روح قدس سے کیا مراد ہے خود حضرت مسیح علیہ السلام ہی کے کلام سے روح یا روح قدس سے مراد ذاتِ خدائی ہے دیکھو اسی باب کی آیت ۲۸ میں فرمایا گیا ہے۔

" اگر میں خدا کی روح سے دیووں کو نکالتا ہوں تو البتہ خدا کی بادشاہت تم پاس آپہنچی "۔

ان آیتوں میں حضرت مسیح علیہ السلام نے گناہوں اور کفر کی معافی کا اعلان کیا ہے اور بغیر کسی شرط کفارہ کے ہاں یہ شرط جو کفر روح کے حق میں ہو وہ لوگوں کو معاف نہ ہوگا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہرگز معاف نہ ہوگا جیسے کہ قرآن مجید میں بھی کہا گیا ہے کہ جو لوگ خدا کے ساتھ شرک کرتے ہیں وہ معاف نہیں ہوگا۔ یہاں بھی یہی مراد ہے اللہ اکبر حضرت مسیح علیہ السلام تو شرک تک ناقابل معافی قرار دیں اور دوسری طرف سے انہیں خدا کا بیٹا اور خدا کا جوڑ قرار دیا جائے۔

اگر ایک عیسائی باوجود اعتراف کفارہ کے روح کے حق میں برا کہے تو ان کلمات کے

روسے وہ معاف نہیں ہو سکتا اور اس صورت میں رشتہ کفارہ ٹوٹ جائیگا یا یہ کہ کفارہ جامع نہیں رہے گا کیونکہ کفارہ کے ساتھ یہ شرط نہیں لگائی گئی ہے کہ فلاں گناہ کی بابت وہ چل سکتا ہے اور فلاں کی بابت ساکت ہے وہ ہر ایک قسم کے گناہوں کا فدیہ ہے جس میں گناہ روح بھی شامل ہے اگر یہ قسم گناہ کی وہ اٹھا نہیں سکتا تو وہ کامل نہیں ہے جب کامل نہیں تو باطل ہے۔

(۱۵) باب ۱۲۔ ورس ۳۲۔ **مضمون**۔ پر میں تم سے کہتا ہوں کہ ہر ایک بیہودہ بات جو کہ لوگ کہیں عدالت کے دن اُس کا حساب دیں گے کیونکہ تو اپنی باتوں ہی سے راستکار گنا جائے گا اور اپنی باتوں ہی سے گنہگار ٹھہرے گا۔

تنقید۔ اللہ اکبر کس صفائی اور کس خوبصورتی سے اُس رہ مستقیم اور شریعت کی تصدیق اور تائید کی گئی ہے جو مذاہب کا نچوڑ ہے اور کس عمدگی سے عقیدہ کفارہ کو باطل ٹھہرایا گیا ہے جو عقل اور نقل دونوں کے خلاف ہے۔ فرماتے ہیں یوم قیامت یا یوم حساب میں ہر ایک بیہودہ بات ہر ایک چھوٹے سے چھوٹے گناہ کا بھی حساب دیا جائے گا کیونکہ ہر انسان اپنے ہی اعمال یا اپنی ہی باتوں سے نیک اور گنہگار ٹھہرتا ہے اگر کفارہ درست اور صحیح ہے تو یوم قیامت میں کسی باز پرس اور کسی حساب کتاب کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ سب حساب اور مطالبہ اعمال نامہ حضرت مسیح علیہ السلام میں لکھا جا چکا ہے اور کفارہ ماننے والے بریت پا چکے ہیں اور اگر حساب نہیں لیا جاوے گا تو حضرت مسیح علیہ السلام کی یہ وعید یا یہ قول باطل جاتا ہے کیونکہ حضرت ممدوح تاکیدی رنگ میں فرماتے ہیں کہ چھوٹی سے چھوٹی بُری بات کی بھی باز پرس ہوگی چاہے کفارہ ہو یا نہ ہو یہ ایک ایسی مشکل ہے جو کفارہ سے بھی حل نہیں ہو سکتی یا دہ مانو یا دہ۔ دوسرے فقرہ میں فرماتے ہیں آخر ماتے کیا یہ فیصلہ ہی فرما دیا ہے کہ ہر انسان صرف اپنی ہی باتوں اور اپنے ہی اعمال کی وجہ سے راستباز سمجھا جائیگا اور اپنی ہی باتوں سے گنہگار بھی ٹھہریگا اس صورت میں کفارہ یا کفارہ کی ضرورت بالکل اڑ جاتی ہے اور مطلع صاف ہو جاتا ہے جس ذات اقدس سے کفارہ نکلا وہی ان کلمات عظیمہ سے اُسکی تردید کرتی ہے

اگر یہ کہا جائے کہ کفارہ کی صورت میں بھی ایک گنہگار گنہگار رہتا ہے لیکن بوجہ اقرار کفارہ اُسکی بخشش ہو جاتی ہے تو درست نہیں ہوگا کیونکہ حضرت مسیح علیہ السلام انہی آیات میں فرماتے ہیں کہ اپنی ہی باتوں کی وجہ سے انسان راست گار یا راستباز بھی ٹھہرتا ہے جب اپنی ہی باتوں سے انسان نیک ہو سکتا ہے تو پھر اُسپر مواخذہ کیا ہوگا اور کفارہ کی ضرورت کیا ہے گی۔

(ہر کہ را کہ حساب پاک از محاسب، چہ پاک)

لفظ اپنی ہی پر بہت زور دیا گیا یا زور ڈالا جا سکتا ہے صرف اپنی ہی کرتوتوں کی وجہ سے انسان مبتلائے عذاب ہوگا اور اپنی ہی نیکیوں اور عمدہ باتوں کی وجہ سے نجات پائیگا یہ تائیدی فقرہ مؤید عمل ہو کر کفارہ کی رسیاں توڑ ہی نہیں دیتا بلکہ اُسکی ہستی بھی مٹا دیتا ہے غور کرنیوالے غور کریں اور سوچنے والے سوچیں کہ ان آیات سے کیا کچھ نکلتا ہے شاید کہ اُن کے واسطے کوئی اور سیدھی راہ نکل آئے۔

در بیاباں فنا شدن آخر تا چند
رہ بہ پرسیم مگر بہ مہمات بریم

(۱۶) باب ۱۳ - ورس ۴۳ و ۴۹ - **مضمون** - تب راستباز اپنے باپ کی بادشاہت میں آفتاب کی مانند نورانی ہوں گے - اس جہان کے آخر میں ایسا ہوگا کہ فرشتے آویں گے اور راستبازوں میں سے شریروں کو الگ کریں گے۔

تنقید - باب ۱۳ میں حضور علیہ السلام نے بہت اچھی تعلیم دی ہے نجات پانے کے واسطے نہایت ہی کمالیت سے تمثیلات دی ہیں ان آیتوں میں یہ کہا ہے کہ جو راستباز ہیں وہ خدا کی بادشاہت میں نورانی ہوں گے راستبازی کی بابت حضرت موصوف کے طرز کلام سے اعمال ہی کی نیکی پائی جاتی ہے نہ کہ اقرار کفارہ - ۴۹ آیت میں کہا گیا ہے کہ اخیر پر فرشتے راستبازوں کو شریروں سے الگ کریں گے گویا اعتراف کفارہ بالائے طاق رہ جائے گا اگر اس کا مطلب یہ لیا جائے کہ جو لوگ معترف کفارہ نہیں ہیں انکو کفارہ ماننے والوں سے الگ کر دیا جائے گا تو یہ نہیں ہو سکتا کہ کفارہ ماننے والوں میں بھی گناہ ہوتے اور بدیاں پائی جاتی ہیں اگر انکو بھی جماعت شریروں ہی میں رکھا گیا تو پھر

کفارہ کی خبر نہیں اور اگر اُن سے بوجہ اقرار کفارہ در
پیشین گوئی کالعدم ہو جاتی ہے اور یہ وعید کسی
(۱۷) باب۱۶ - ورس ۲۷ - مضمون - کیونکہ ا
فرشتوں کے ساتھ آویگا تب ہر ایک کو اُسکے اعما
تنقید - اس آیت میں بھی اعمال ہی کے موافق
آخری دنوں میں حضرت مسیح علیہ السلام دنیا میں آ
اُنکے حضور میں پیش ہونگے نہ کہ صرف اعتراف کفا
تو یہ کل سیدھی نہیں رہتی۔ کفارہ عمل نہیں ہے بد
میں عمل کی بات کونسی ہے کفارہ میں صرف یہ ہوتا
بے گناہ معصوم نبی کے کندھوں پر رکھ دیا جاتا ہے
رکھنا وغیرہ وغیرہ عمل ہیں اور خدا کو ایک جاننا ایک
دراصل مستغنی کرتا ہے کیونکہ اگر ایک شخص عیسا
عبادت نہیں کرتا روز کی دعا نہیں مانگتا تو ملزم نہیں
کا انکاری نہیں ہے لیکن اگر ایسے شخص پر دعا اور عباد
ٹوٹ نہیں جاتا تو اُسکی چولیں ڈھیلی ضرور ہو جاتی ہیں
ایک عیسائی مقر کفارہ پر عبادت لازمی ہے یا نہیں
وہ مورد الزام ٹھہرتا ہے یا نہیں اگر ٹھہرتا ہے تو کفارہ کی
ٹھہرتا تو ان آیتوں میں جس طریق سے آخری دنوں میں را
کیا جائیگا وہ خدشہ سے خالی نہیں۔

(۱۸) باب۱۸ - ورس ۱ تا ۳ - مضمون - اُس وقت شاگر
اُس سے پوچھا کہ آسمان کی بادشاہت میں سب سے بڑا کون ہے یسو
بلاکے اُسے اُن کے بیچ میں کھڑا کیا اور کہا میں تم سے سچ کہتا ہوں
چھوٹے لڑکوں کی مانند نہ ہو تو آسمان کی بادشاہت میں ہرگز داخ

نوں میں تھا کہ آسمان کی بادشاہت میں یا خدا کے نزدیک
ے انسان کا مفہوم مذہبی رنگ میں سوائے
ے الفاظ میں اس کا یہ مطلب تھا کہ کس طرح پر انسان
امتیاز روحانی پاسکتا ہے حضرت مسیح علیہ السلام نے
تمک اس کی مانند خود کو نہ بناؤ تب تک تم خدا کی
ئے اور یہ بھی اس شرط سے کہ توبہ کرو ایک چھوٹا
اسطے کہ چھوٹے لڑکے عموماً بے گناہ اور معصوم
یہ بھی عام طور پر کہا جاتا ہے یہ ایک معصوم بال اور
بالکل چھوٹے لڑکوں کے مجرمانہ افعال کو تعذیب اور
طے سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں۔
صوم اور پاک باز بناؤ۔
تے ہیں۔
نرت مسیح علیہ السلام انکو وعظ میں نمونہ صادق کے
ن ثابت ہوا کہ انسان پشتی گنہگار نہیں ہے کیونکہ
ے چھوٹے لڑکے یا انسان کے لڑکے کا پیش نہ کرتے
ٹے لڑکوں کی مانند ہو اگر یہ کہا جائے کہ یہ صرف بطور
کا جو فرض کر لیا جاتا ہے وہ درست نہیں ہے تو کہا جائیگا
نہ پیش کرنا اس بحث میں کہ کس طرح کوئی انسان خدا کی
ہے کیسے بے معنے اور بے محل ہو سکتا ہے اور اگر یہ
یل سے یہ مراد تھی کہ ایسے سادہ ہو کر کفارہ پر یقین لاؤ تو
سوال شاگردوں نے کیا تھا اُس کا یہ جواب نہیں ہو سکتا اور
ڑکے کو بطور ایک پاکیزہ نمونہ کے پیش کیا گیا ہے اور یہ عملی رنگ
کے رنگ میں اور ساتھ ہی لڑکے توبہ کی بھی شرط ہے جو عقیدہ

کفارہ کے صراحتاً و بداہتاً خلاف ہے۔

(۱۹) باب ۱۸ - ورس ۸ تا ۹ مضمون

کھلاوے اُسے کاٹ ڈال اور اپنے پاس سے پھینک
میں داخل ہونا تیرے لیئے اس سے بہتر ہے
کی آگ میں ڈالا جائے اور اگر تیری آنکھ تجھے
پھینکدے کیونکہ کانا ہوکر زندگی میں ہونا تیرا
آنکھ ہوں اور تو جہنم کی آگ میں ڈالا جا
تنقید۔ یہ وعظ ایک بڑا بسیط اور پُر معنی
نہیں کھلتی ہیں ذرا تامل اور تحقق سے پڑھنے
کُھل سکتے ہیں خلاصہ اس وعظ کا یہ ہے کہ جو
ہے کہ وہ ترک کر دیجائے مثلاً ایک انسان کے دل
ہوں تو لازم ہے کہ انہیں چھوڑ دیا جائے اگر حر
ہے اگر غفلت روکتی ہے تو چھوڑ دی جائے اگر
لے جائیگا اور اُسی کی وجہ سے باب نجات بند
پڑتی ہے اور کفارہ کی راہیں بند ہوتی ہیں کیونکہ
گو آنکھ اور کان کے پیرایہ میں تمثیل دی گئی ہے
یہی مراد تھی تو پھر لازم آتا ہے کہ جب کوئی عضو
حضرت مسیح علیہ السلام کاٹ ہی دیا جائے حالا
کرتے رہزن ڈاکے مارتے اور بدبین بُری نگا
اور بد کہتے ہیں نہ تو آنکھیں آنکھیں۔کان۔
انہیں جسم سے دُور کیا جاتا ہے اگر
بھی لازمی ہے اور اُس صورت میں
کیونکہ باوجود تسلیم کفارہ کے بھی

رہبی رنگ میں ان سزاؤں کا بیان کیا ہے نہ کہ سیاسی
سیاسی قانون دان کے پیرایہ میں اگر اعلاقی ر
ہی جواب ہو گا جو برنگ سیاسی دیا گیا ہے دونوں
رہیں گی اور گناہ ہر حالت میں بغیر رنگ لائے اور
سیت اور عدل و انصاف بھی معرض بحث میں

رنیوالی قوم

ی ہفتہ وار اخبار ہے اور لاہور سے شائع ہوتا ہے اُس کے
آرٹیکل ہے جس کا عنوان ہے ایک مرنیوالی قوم۔
وہ اس وجہ سے اسکو ایک مرنیوالی قوم قرار دیتا ہے۔
ے کہ ہندوؤں کی تعداد میں بجائے اسکے کہ ترقی ہو یا کم از کم
۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ ۱۸۸۱ء کی مردم شماری میں فی ہزار
ے اور باقی دوسرے مذاہب کے پیرو۔ ۱۹۱۱ء کی مردم شماری
ے کہ اب دس ہزار میں چھ ہزار نو سو انتیس ہندو رہ گئے ہیں
ں کے مختلف صوبجات میں ہندوؤں کی آبادی کس قدر

سنہ ۱۹۰۱ء	سنہ ۱۹۱۱ء
۴۴ فیصدی	۴۴ فیصدی
۸ فیصدی	۸۲ فیصدی
صدی	۸۸ فیصدی
ی	۳۲ فیصدی
ا	۸۵ فیصدی
	۷۵ فیصدی
	۸۲ فیصدی
	۶۶ فیصدی